علی رض اور
اُن کی
خلافت
پیام شاہجہان

علیؓ اور اُن کی خلافت

برائے نقد و نظر

پیامؔ شاہجہانپوری

اشاعت منزل
ٹمپل روڈ
لاہور

ناشران — ملک دین محمد اینڈ سنز اشاعت منزل لاہور

مطبوعہ — دین محمدی پریس لاہور

طابع — ملک محمد عارف

تعداد طبع — ۱۰۰۰

تاریخ اشاعت — جولائی ۱۹۵۷ء

قیمت — پانچ روپیہ

☆

فہرست مضامین

نمبر شمار | فہرست عنوان | صفحہ نمبر

جنگِ صفین۔ ص۱۵۷

جنگِ نہروان۔ ص۱۸۵

نمبر شمار	نام عنوان	صفحہ نمبر

نمبر شمار	نام عنوان	صفحہ نمبر

پیشِ لفظ

میں نے جس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ وہ تاریخِ اسلام کا سب سے زیادہ اُلجھا ہوا موضوع ہے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں جس اختلاف کا آغاز ہوا، وہ بھی اسی موضوع سے متعلق ہے اور امت کے یہ دونوں گروہ آج تک جس موضوع پر باہم دست و گریبان ہیں، وہ بھی یہی موضوع ہے۔ اس اعتبار سے بقول مولانا صلاح الدین احمد مدیر "ادبی دنیا" میں نے بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالا ہے اور پُل صراط پر چلنے کی کوشش کی ہے۔ جو فرض میں نے اپنے ذمہ لیا ہے اس کے لئے کسی نے مجھے مجبور نہیں کیا۔ شاید کانٹوں کی یہ سیج میں اپنے لئے قبول نہ کرتا مگر گذشتہ سال جب میں نے اپنی کتاب "مقام حسین" کے سلسلہ میں تاریخ و سیرت کی مختلف کتب کا مطالعہ کیا تو میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اردو زبان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بھی کوئی اچھی اور معلوماتی

کتاب نہیں لکھی گئی۔ اس معاملے میں مجھے اردو زبان کی تہی دامنی کا قلق ہوا اور میں نے ارادہ کر لیا کہ مقام حسین کو مکمل کرنے کے بعد حضرت علیؓ پر بھی ایک ایسی کتاب لکھوں گا جو اپنے موضوع سے متعلق ہر پہلو کا حق ادا کر دے۔ یہ دعوے کرنا مجھے زیب نہیں دیتا کہ میں نے موضوع کا حق ادا کر دیا۔ اس کا فیصلہ کرنا اہلِ نظر کا کام ہے۔ مجھ پر تو بس ایک دھن سوار ہوگئی اور میں اس میں منہمک ہو گیا۔

اس سلسلے میں مَیں نے بیسیوں کتابوں کا مطالعہ کیا۔ مگر میں جیسے جیسے آگے بڑھتا گیا۔ میرے سامنے عجائب و غرائب کا ایک دفتر کھلتا گیا۔ اکثر و بیشتر تو میں نے اپنے آپ کو آئینہ خانے میں محوِ حیرت پایا۔ کیونکہ میرے پیشرو اہلِ قلم حضرات نے حضرت علیؓ پر جو کچھ لکھا۔ اس میں اکثر و بیشتر عقیدت مندانہ نقطۂ نگاہ کار فرما تھا۔ مافوق الفطرت باتوں کا ایک لامتناہی سلسلہ، غیر معتبر روایتوں کا طومار اور پھر ان کی حضرت علیؓ سے وابستگی۔ بڑی کٹھن منزل تھی۔ بڑا صبر آزما مرحلہ تھا۔ دوسری طرف حضرت علیؓ کے حریف حضرت معاویہؓ پر جو کچھ لکھا گیا وہ بھی اپنی طرفگی کے اعتبار سے کچھ کم تعجب انگیز نہ تھا۔ بعض مصنفین نے تو حضرت معاویہؓ کی مدافعت میں حضرت علیؓ پر بھی زبانِ طعن دراز کرنے سے گریز نہ کیا۔ اس کا ردِ عمل یہ ہوا کہ بعض لوگوں نے حضرت معاویہؓ کو مطعون کرنے میں اپنا سارا زورِ قلم صرف کر دیا اور ان کی سابقہ خدمتِ اسلام کا بھی انکار کر دیا۔ ان کی سیرت کی تمام اچھی باتوں کو رد کر دیا اور انہیں صرف برائیوں کا مجسمہ بنا کر پیش کیا۔ حالانکہ ایسا نہ تھا۔ اگر حضرت معاویہؓ میں کچھ خامیاں تھیں تو کچھ خوبیاں بھی تھیں اور ایک غیر جانبدار مؤرخ اور سیرت نگار کا فرض ہے کہ وہ کسی شخصیت یا واقعہ کے دونوں پہلوؤں سے پردہ اٹھائے۔

اس لئے اگر میں یہ کہوں تو مبالغہ نہ ہوگا کہ رطب و یابس کا جو انبار اس عہد کی

تاریخ کے سلسلے میں نظر آتا ہے وہ شاید ہی کسی اور عہد کے متعلق موجود ہو۔ بلکہ زیادہ واضح الفاظ میں مجھے یوں کہنا چاہیے کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آخری دور، عہد علویؓ اور حضرت امام حسینؓ کے عہد کے واقعات کو جس قدر توڑ موڑ کر غلط رنگ میں پیش کیا گیا اس نے ہماری تاریخ کے ان ادوار کو چیستاں بنا دیا۔ مجھے بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان مؤرخین نے بھی تاریخِ اسلام کے اس دور کے متعلق احتیاط کا ثبوت نہیں دیا۔ جن کی تاریخوں کو بعد کے مورخین نے اپنی کتابوں کا ماخذ قرار دیا۔ ان مورخین کے یہاں تو تضاد کا یہ عالم ہے کہ ایک ہی کتاب میں چند صفحات پہلے جس واقعہ کی تائید کی گئی ہے چند صفحات کے بعد ایک ایسی روایت بیان کی گئی ہے، جس سے پہلے واقعہ کی تردید ہوتی ہے اور تو اور سیوطی اور ابن خلدون جیسے مورخ بھی جنہیں بہت محتاط سمجھا جاتا ہے ان باتوں سے اپنا دامن نہ بچا سکے۔ پھر واقدی اور ابو الفدا کا کیا ذکر۔ ایک بڑی مصیبت یہ پیش آتی ہے کہ ایک مورخ جو روایت بیان کر کے اس کی صحت پر اصرار کرتا ہے دوسرا مؤرخ اسے غلط قرار دیتا ہے یا سرے سے اس کا ذکر ہی نہیں کرتا۔

شاید ان باتوں کی وجہ یہ ہو کہ ہماری تاریخ نویسی کا ابتدائی دور دراصل "روایت نویسی" کا دور تھا۔ ہوتا یوں تھا کہ ایک مؤرخ اپنے بزرگوں سے جس قدر روایات سنتا تھا یا روایات کے جو مجموعے اس کی نظر سے گزرتے تھے انہیں اپنی کتاب میں جمع کر دیتا تھا، یہ دیکھے بغیر کہ اس میں سے کونسی روایت صحیح اور کونسی غلط ہے۔ تاریخ تو خیر تاریخ ہے قلق تو اس بات کا ہے کہ احادیث بھی اس زد سے نہ بچ سکیں، اور آج کا کوئی مؤرخ جب تاریخ کو چھوڑ کر احادیث یا صحابہ کے اقوال پر اپنی تاریخ کی بنیاد رکھنا چاہے تو لے بھی

بڑی مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ رسول اللہؐ سے منسوب کردہ ساری احادیث وضعی یا ناقابل اعتبار ہیں۔ بلاشبہ رسول اللہؐ کے ایسے ارشادات بھی ہیں۔ جن کی صحت کا انکار کیا ہی نہیں جا سکتا۔ مگر ان کی تعداد مقابلۃً قلیل ہے۔ دوسرے صحیح اور غلط میں امتیاز کرنے کا معاملہ خود بڑا پیچیدہ ہے اور سوائے قیاس کے اور کوئی چیز نہیں۔ جسے بنیاد بنایا جا سکے۔ گو محدثین نے علم حدیث کے اصول وضوابط وضع کر دیئے ہیں۔ اسماء الرجال بھی موجود ہے۔ لیکن یہ راستہ بھی بڑا پیچیدہ ہے اور اسے بھی لغزشوں سے محفوظ نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اب صرف ایک راستہ باقی رہ جاتا ہے اور وہ یہ کہ ہم صرف ان احادیث کی صحت پر ایمان رکھیں جو قرآن سے مطابقت رکھتی ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ یہ طریقہ ہر جگہ اور ہر واقعہ کے متعلق ہماری رہنمائی نہیں کر سکتا۔ ان حالات میں قارئین اندازہ فرما سکتے ہیں کہ اس شخص کے لئے کتنی مشکلات پیش آتی ہوں گی جو صحیح واقعات وحالات کا متلاشی ہو۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر ان سطور کے راقم نے اپنی کتاب کی ترتیب میں کیا طریق اختیار کیا۔ بلاشبہ میں نے بھی پرانے ماخذوں سے مدد لی، احادیث کا سہارا لیا۔ صحابہ کے اقوال کو رہنما بنایا۔ کیونکہ اس عہد کی تاریخ لکھنے والے کے لئے سوائے ان ذرائع کے اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ ہر مؤرخ یا مصنّف نے اپنی کتاب میں ساری باتیں غلط نہیں لکھیں۔ کچھ غلط ہیں اور کچھ صحیح۔ غلط باتوں سے دامن بچا کر صرف صحیح باتوں کو انتخاب کرنا تاریخ نویسی ہے۔ مگر پھر بھی مندرجہ ذیل امور میں نے ہر جگہ پیش نظر رکھے۔

(۱) تاریخ کے ہر دور میں کچھ بنیادی صداقتیں ضرور ملتی ہیں۔ مثلاً

ا۔ یہ امر تاریخ کے مسلمات میں سے ہے کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کیا گیا۔

ب۔ شہادت عثمانؓ کے بعد اہل مدینہ نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

ج۔ حضرت علیؓ سے پہلے تینوں خلفا کی بیعت بھی اہل مدینہ نے کی اور اہل مدینہ ہی نے انہیں خلیفہ بنایا۔ گویا مرکز کے لوگوں کے انتخاب کو کافی سمجھا گیا۔

د۔ حضرت علیؓ نے خلیفۃ المسلمین اور حاکم وقت کی حیثیت سے گورنر شام حضرت معاویہؓ کو ان کے عہدے سے معزول کر دیا۔

س۔ یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ اس سے پہلے حضرت عمرؓ نے خالدؓ بن ولید اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو بھی ان کے عہدوں سے معزول کیا تھا۔ خصوصاً حضرت خالدؓ کا تو کوئی قصور بھی نہ تھا (صرف انتظامی ضرورت کا تقاضا تھا) لیکن انہوں نے حاکم وقت اور خلیفۃ المسلمین کے خلاف بغاوت تو بہت دور کی بات ہے اُف تک نہ کی۔

ص۔ مگر جب حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ کو معزول کیا۔ تو وہ خلیفۂ وقت کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔

ط۔ حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ سے بیعت کا مطالبہ کیا۔ مگر حضرت معاویہؓ نے بیعت کرنے اور حضرت علیؓ کو خلیفہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

ع۔ صفین کے میدان میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔

تاریخ اسلام کے اس عہد کی یہ چند بنیادی صداقتیں ہیں جن سے دنیا کا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ میں نے اپنی کتاب کی بنیاد ایسی ہی صداقتوں پر رکھی ہے۔

۲ - جزوی یا اختلافی امور میں صرف ان روایات اور واقعات کو اپنی کتاب کا موضوع بنایا ہے جن کی متعدد ذرائع سے تصدیق ہو سکی۔

۳ - احادیث اور تاریخ کے واقعات کا موازنہ کیا۔ جہاں ان میں اتفاق پایا وہاں میں نے بھی ان سے اتفاق کیا اور جہاں اختلاف پایا میں نے بھی اختلاف کیا لیکن پھر بھی یہ بات پیشِ نظر رکھی کہ کوئی بات خلاف واقعہ یا بعید از عقل نہ شامل ہو جائے۔

۴ - جس روایت یا واقعہ کی صداقت میں ذرا سا بھی شک ہوا اسے قلم انداز کر دیا۔

۵ - صرف ان احادیث سے مدد لی جن کی صحت پر تمام فرقوں کا اتفاق ہے اور جن کے راوی معتبر ہیں۔ اگر کہیں اس سے مختلف راستہ اختیار کرنا پڑا۔ تو واقعات کو ایک سلسلہ میں پرو کر دیکھ لیا کہ یہ واقعہ اپنی جگہ پر ٹھیک بیٹھتا ہے یا نہیں۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود میں نہیں کہہ سکتا کہ میں نے اس کتاب میں جو باتیں لکھی ہیں ان سے قارئین کتنے فی صد اتفاق کریں گے۔ مگر کم از کم میں اپنی جگہ پر ضرور مطمئن ہوں اور مجھے یقین ہے کہ میں نے بے حد محنت اور دیانت داری سے یہ کتاب ترتیب دی ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ اس کتاب کے کسی حصے سے حضرت علیؓ یا حضرت معاویہؓ کے عقیدت گزاروں میں سے بعض کے نازک جذبات کو ٹھیس پہنچے مگر اتنا ضرور ہے کہ میں نے انتہائی کوشش کی ہے کہ میری زبانِ قلم سے دانستہ کوئی ایسی بات نہ نکل جائے۔ جو کسی کی دلآزاری کا موجب ہو۔ میں اس یقین سے معمور ہوں کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے۔ خالص تاریخی نقطۂ نظر سے لکھا ہے۔ عقیدت کو اپنے قریب تک نہیں آنے دیا۔ اگر کسی شخصیت کے متعلق کوئی عقیدتمندانہ جملہ قلم برداشتہ لکھ دیا تو اس کی وجہ بھی یہ ہوگی کہ تاریخی واقعات نے اس شخصیت کے متعلق میرے دل میں عقیدت کا جذبہ پیدا کر دیا ہوگا۔ گویا پھر بھی بُنیاد

عقیدت نہ ہوئی بلکہ تاریخ ہوئی۔

کتاب لکھتے وقت میں اس حقیقت سے باخبر تھا کہ عقیدت مصنف کے حق میں وہ خطرناک بیماری ہے جو اس کے قلم اور تحریر دونوں کو علیل کر دیتی ہے۔ میرے خیال میں یہ بیماری متعدی بھی ہے۔ اس لئے قلم اور تحریر کے ساتھ ساتھ قاری بھی اس کے اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ مجھے اس حقیقت کا بھی علم تھا کہ بعض اوقات اس بیماری سے دور بھاگنے والے مصنف ایک دوسری بیماری کا شکار ہو جاتے ہیں اور وہ ہے عقیدت کیش قارئین کی جذباتی کیفیت۔ وہ کسی حالت میں گوارا نہیں کر سکتے کہ ان کے ممدوح کے کسی اقدام سے اختلاف کیا جائے۔ خواہ وہ تاریخی اور منطقی اعتبار سے کتنا ہی غیر صحیح کیوں نہ ہو۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ایک غیر جانب دار مؤرخ سخت کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ بالکل یہی صورت میرے ساتھ پیش آئی اور اب جبکہ میں اپنا یہ ناخوشگوار فرض ادا کر چکا ہوں "گرفتارانِ معاویہؓ و علیؓ" کے ہاتھوں اپنے انجام کا منتظر ہوں۔ لیکن میں اپنے منصف مزاج قارئین سے مایوس نہیں ہوں۔ مجھے امید ہے کہ وہ یہ کتاب بالکل غیر جانبدار ہو کر پڑھیں گے اور اگر اس میں انہیں کوئی ایسی بات نظر آئے گی جو کسی طبقے کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچانے کا موجب ہو تو اسے میری صاف گوئی پر محمول فرمائیں گے۔ بہر حال ع

ہر چہ بادا باد کشتی در آب انداختیم!

لاہور۔ ۴۔ دسمبر ۱۹۵۶ء

پیام شاہجہانپوری
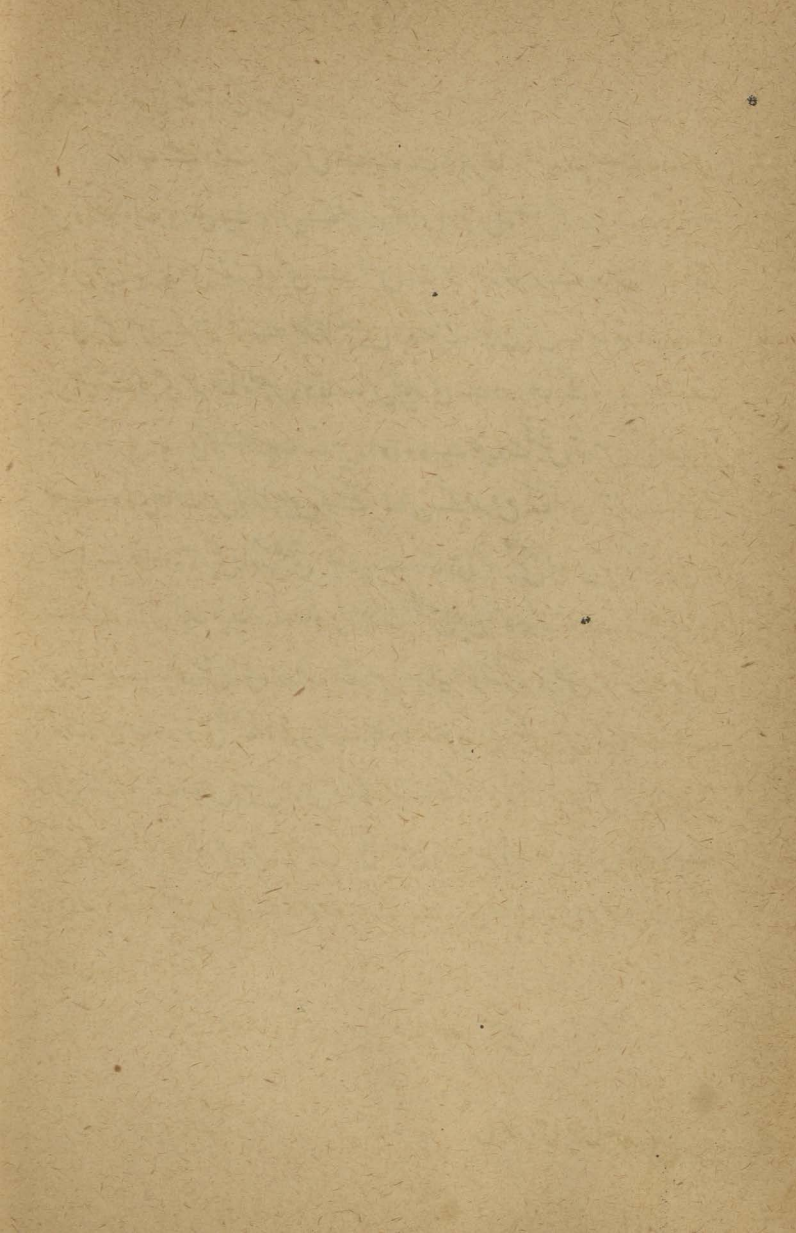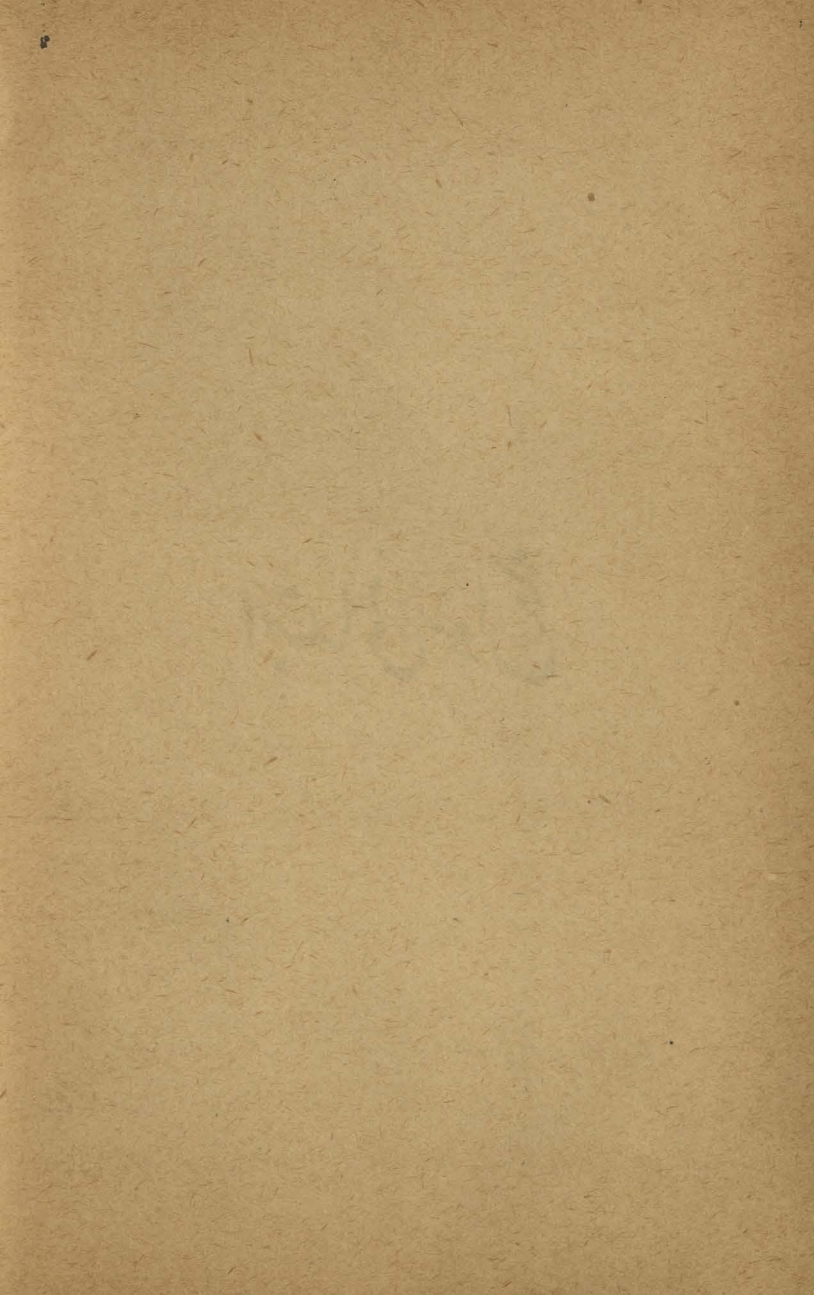
ابتدائی سوانح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائی سوانح

ولادت

ہادیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی کی اٹھائیس منزلیں طے فرما چکے تھے کہ آپؐ کے چچا ابوطالب کے گھر ایک نہایت حسین وجمیل بچہ پیدا ہوا۔ اس روز اتوار کا دن اور سنہ ۹۳ سکندری تھا۔ یہ واقعہ حضور کے دعوئے نبوت سے دس یا گیارہ سال پہلے کا ہے۔

نام

بچے کی والدہ فاطمہ بنت اسد نے اپنے والد کے نام پر اس کا نام اسد اور بچے کے والد ابوطالب نے اپنے جدِ امجد کے نام پر اس کا نام زید تجویز کیا۔ اسی دوران میں حضورؐ سرورِ کائنات بھی تشریف لے آئے۔ آپ نے فرمایا اس کا نام

"علیؓ" رکھو۔ بڑا ہو کر یہ بچہ اسی نام سے مشہور ہوا۔

والد

حضرت علیؓ کے والد قریشِ مکہ کے معزز گھرانے کے ممتاز فرد تھے۔ ان کا اسم گرامی عبد مناف اور کنیت ابوطالب تھی۔ ابوطالب عبدالمطلب کے سب سے بڑے فرزند اور حضورؐ سرورِ کائنات کے حقیقی چچا تھے۔ ان کا تعلق قریش کی شاخ بنو ہاشم سے تھا۔ مکہ میں انہیں خاص اعزاز حاصل تھا اور لوگ ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔ حضورؐ سرورِ کائنات کے دادا عبدالمطلب کی وفات کے بعد حضورؐ کی پرورش انہیں ابوطالب نے کی اور اس طرح کہ حق ادا کر دیا۔ باوجودیکہ حضورؐ کے دعوئ نبوت کے بعد سارے مکہ اور اس کے مضافات میں مخالفت کا طوفان اُمڈ آیا تھا۔ لوگ حضورؐ کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ خود ابوطالب کی زندگی اور اعزاز بھی خطرے میں تھا۔ مگر انہوں نے حضورؐ کے مقابلے میں ان چیزوں کی قطعاً پرواہ نہ کی اور ہر موقع پر پوری ثابت قدمی سے حضورؐ کی مدافعت کی۔ بعض موقعوں پر اکابرِ قریش وفد لے کر ابوطالب کے پاس آئے اور ان سے پُر زور درخواست کی کہ آپ اپنے بھتیجے کو بُت پرستی کی مخالفت سے باز آجانے کی تاکید کیجئے مگر ابوطالب نے ان کی درخواستوں کو کبھی درخورِ اعتناء نہ کیا اور حضورؐ کو اجازت دیدی کہ تم بڑی آزادی سے اپنے عقائد کی تبلیغ کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک ابوطالب زندہ رہے حضورؐ بڑی آزادی اور اطمینان سے فریضۂ حق ادا کرتے رہے اور قریشِ مکہ میں سے کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ ابوطالب کے ہوتے ہوئے آپ کو مکے سے جلا وطن کرے۔

ایک بڑا نازک موقعہ آیا جب قریش مکّہ نے حضورؐ اور آپ کے خاندان کا معاشرتی مقاطعہ کرکے آپ کو شعب ابی طالب میں محصور ہونے پر مجبور کر دیا۔ اس موقع پر بھی ابوطالب نے حیرت انگیز ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا اور حضورؐ کے ساتھ اپنے تمام خاندان کو لے کر گھاٹی میں پناہ گزین ہو گئے۔ بھوک اور پیاس کی تکالیف برداشت کیں۔ عزیزوں اور دوستوں کے طعنے سُنے۔ آزادی کی نعمت سے محرومی گوارا کی۔ مگر حضورؐ کی اعانت سے دستکش ہونا گوارا نہ کیا۔ اسلام پر ابوطالب کا یہ وہ احسانِ عظیم ہے، جسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ باوجودیکہ انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان نہیں کیا، مگر اسلام کی مدافعت اور حمایت میں انہوں نے جو کارنامے انجام دیئے، ان کی توقع اعلیٰ درجہ کے مومنوں ہی سے کی جا سکتی ہے۔ ہجرت نبوی سے تین یا سوا تین سال پہلے مکّہ میں ان کا انتقال ہو گیا۔

والدہ

حضرت علیؓ کی والدہ کا اسم گرامی فاطمہؓ تھا۔ یہ اسد بن ہاشم کی بیٹی تھیں۔ اسد حضرت علیؓ کے دادا کے بھائی تھے۔

ابوطالب کی بیوی اور خاندان بنو ہاشم کی اس نیک دل خاتون نے بھی حضور سرورِ کائنات کی پرورش میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اس طرح پرورش کی کہ کوئی اپنے بچوں کی بھی کیا کرے گا۔ حضور سرورِ کائنات اور ابوطالب کے ساتھ اس ہاشمی خاتون کو بھی شعب ابی طالب میں محاصرے کی مصیبت سے دوچار ہونا پڑا مگر بھتیجے کی حمایت میں تکلیفیں اٹھانے کی بنا پر ان کے ماتھے پر معمولی سی شکن یا دل کے کسی گوشے پر ذرا سا میل تک نہ آیا۔ بلکہ بڑے صبر و استقلال سے بھوک پیاس کی مصیبتیں برداشت

کرتی رہیں۔ حضورؐ تمام عمر اپنی اس محسنہ کے احسانات کے معترف رہے اور ۴ھ میں جب فاطمہؓ کی وفات ہو گئی۔ تو حضورؐ کو اس واقعہ کا بے حد دُکھ ہوا۔ جنازے کی نماز آپؐ نے خود پڑھائی۔ اپنا کرتہ ان کے جسم پر ڈالا اور قبر میں اتارنے سے پہلے خود اترے اور اس میں لیٹ کر قبر کو متبرک کیا۔ تاکہ آپ کے جسم کی برکت سے اُمِ علیؑ کا جسم قبر کی تکالیف سے محفوظ رہے۔ فوت ہونے سے پہلے فاطمہ جنہیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کہنا چاہئے اپنا دامن دولت اسلام سے بھر چکی تھیں۔ (اسد الغابہ جلد پنجم)

بچپن

حضرت علیؓ بچپن ہی سے حد درجہ متین و سنجیدہ، انتہا درجہ کے حیادار، کم گو۔ مگر خوش گو، اپنے ہمجولیوں میں سب سے زیادہ طاقتور و توانا اور ذہین تھے۔ قریش کے دوسرے بچوں کی طرح لہو و لعب اور فضول کھیل کود میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے بچپن میں بھی اپنے ہمجولیوں پر کبھی زیادتی نہیں کی۔ انہیں کبھی نہیں ستایا وہ بچپن ہی میں ظالم کی مخالفت اور مظلوم کی حمایت کرتے تھے، اور جب کبھی کمزور بچے پر کسی طاقتور بچے کو ظلم کرتے دیکھتے۔ تو کمزور کے معین و مددگار ہوتے تھے، اور طاقتور سے لڑتے تھے۔ بچپن ہی میں ان کے ہمجولیوں پر ان کی انصاف پسندی کا ایسا اثر اور ان کی شخصیت کا اتنا وقار تھا کہ جب لڑکوں میں لڑائی ہو جاتی تو وہ فیصلہ حضرت علیؓ کے سپرد کر دیتے اور حضرت علیؓ جو فیصلہ کرتے اسے بلا چون وچرا تسلیم کر لیتے تھے بت پرستی سے انہیں فطرتاً نفرت تھی۔ انہوں نے کبھی کسی بت کے آگے سر نہ جھکایا

ہادیٔ اسلام کی آغوش میں

حضرت علیؓ بچے ہی تھے کہ مکہ میں خوفناک قحط پڑا۔ حضور سرورِ کائناتؐ اپنے

چچا حضرت عباسؓ کے پاس تشریف لے گئے اور اُن سے فرمایا۔

"اے عمو! ابو طالب بڑے عیالدار ہیں، اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس وقت لوگوں کو کیا مصیبت پیش آرہی ہے۔ آپ ہمارے ساتھ ابو طالب کے پاس چلئے تاکہ ہم ان کے عیال کو بانٹ لیں۔ ان کا ایک لڑکا میں لے لوں اور ایک آپ لے لیں اور ہم دونوں ان کی کفالت کریں۔"

عباسؓ نے کہا "بہت بہتر بات ہے" دونوں ملکر ابو طالب کے پاس گئے اور کہنے لگے۔ کہ ہم آپ کو آپ کے عیال کے بوجھ سے کسی قدر سبکدوش کرنا چاہتے ہیں، تاوقتیکہ قحط لوگوں کے سر سے ٹل نہ جائے۔ ابو طالب نے کہا۔ عقیل کو میرے لئے چھوڑ دو اور جو چاہو سو کرو۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ کو لے لیا۔ اس کے بعد حضرت علیؓ ہمیشہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہے۔ (زرقانی جلد اول)

قبول اسلام

جب حضورؐ سرورِ کائنات نے اللہ تعالےٰ سے خبر پاکر نبوت کا دعویٰ کیا اور اپنے گھر تشریف لاکر اسلام کی دعوت دی تو خواتین میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ نے اور نوجوانوں میں سب سے پہلے حضرت علیؓ نے اسلام قبول کیا۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ ایک روز حضورؐ سرورِ کائنات اور حضرت خدیجہؓ نماز پڑھ رہے تھے کہ حضرت علیؓ تشریف لے آئے اور بڑے غور سے یہ منظر دیکھتے رہے۔ جب حضورؐ نماز ادا فرما چکے تو حضرت علیؓ نے بڑی حیرانی سے پوچھا کہ آپ دونوں یہ کیا کر رہے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ مجھے خدا تعالیٰ نے اپنی نبوت سے سرفراز کیا ہے، اور اپنی

عبادت کا حکم دیا ہے۔ میں اس کے حکم کی تعمیل کر رہا تھا۔ اس کے بعد آپ نے حضرت علیؓ کے سامنے بھی اسلام کی تعلیم پیش کی اور اُسے قبول کرنے کی تلقین کی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں اپنے والد (ابوطالب) سے اس کے متعلق مشورہ کروں گا۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ اگر اس راہ میں کوئی رکاوٹ معلوم ہوتی ہو۔ تو خود غور و فکر سے کام لو۔ حضرت علیؓ کی فطرت سعید اور سرشت پاکیزہ تھی۔ دوسرے انہیں حضورؐ سے بے پناہ محبت تھی۔ اس لئے دوسرے ہی دن اسلام قبول کر لیا۔ (اسد الغابہ)

سبقتِ ایمان

اس وقت حضرت علیؓ کی عمر دس اور گیارہ سال کے درمیان تھی۔ حضورؐ سرورِ کائنات اور متقدر اصحاب میں سے اکثر نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے سب سے پہلے دعوتِ اسلام قبول کی۔ چنانچہ حضرت سلمانؓ فارسی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلعم فرماتے تھے کہ اس امت میں سب سے پہلے ایمان لانیوالا علیؓ بن ابی طالب ہے۔

حضرت ابوذرؓ غفاری نے بھی اس خیال کی تائید کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ "میں نے حضور سرورِ کائناتؐ کی زبانِ مبارک سے سُنا ہے کہ "اے علیؓ! تو سب سے پہلے مجھ پر ایمان لایا ہے اور تو نے میری تصدیق کی ہے۔"

حضرت عمرؓ نے بھی اس کی تصدیق کی ہے آپ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علیؓ سے فرماتے تھے کہ "تم اسلام لانے والوں میں سب سے اول ہو۔"

حضرت عبداللہؓ بن عباس راوی ہیں کہ "علیؓ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے بعد سب سے پہلے اسلام لائے۔"

حضورؐ کی اعانت کا اعلان

اپنے اہل خانہ کو تبلیغ کرنے کے بعد حضورؐ سرورِ کائنات نے اپنے اہل قبیلہ کو دعوت اسلام دینے کا ارادہ کیا کہ اہل خانہ کے بعد سب سے فائق حق انہیں کا تھا۔ چنانچہ حضورؐ نے قریش کے اکابر کو جن کی تعداد چالیس کے لگ بھگ تھی۔ اپنے گھر پر مدعو کیا اور طعام کے بعد انہیں یوں خطاب کیا ۔

"اے اہلِ مجلس میں تمہاری دنیا اور آخرت دونوں کے لئے خیر لیکر آیا ہوں ۔ سارے عرب میں اپنی قوم والوں کے لئے کوئی شخص اس سے اچھی اور افضل چیز نہیں لایا ہوگا۔ خدا تعالےٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم لوگوں کو بھی اس طرف بلاؤں بتاؤ تم میں سے کون میرا ساتھ دے گا؟"

حضورؐ کی تقریر سُنکر اہل مجلس پر سکوت چھا گیا اور کسی میں جواب دینے یا حضور سرورِ کائناتؐ کی اعانت میں آواز بلند کرنے کی جرأت نہیں پیدا ہوئی۔ اس وقت حضرت علیؓ پہلے شخص تھے جن کی آواز نے مجمع کا سکوت توڑا۔ آپ نے بڑی جرأت سے فرمایا۔

"اے رسولِ خدا! میں حاضر ہوں ۔"

اور پھر تین بار اس کا اعادہ کیا۔ (تاریخ طبری)

حضورؐ کے بستر پر

قبول اسلام کے بعد حضرت علیؓ کی عمر کے بارہ سال مکہ معظمہ میں بسر ہوئے۔ بارہ سال بعد آپ کو بھی ہجرت کرنی پڑی۔ جس کی تفصیل یہ ہے ۔ جب قریش مکہ اپنی شرارتوں، فتنہ و فساد، اور ایذا رسانی میں حد سے بڑھ گئے۔ جب حضورؐ سرورِ کائنات اور آپ کے متبعین پر عرصۂ حیات تنگ ہو گیا۔ تو آپؐ نے خداوند تعالےٰ کے حکم اور منشاء کے

مطابق مکہ سے ہجرت کرنے کا ارادہ فرمایا، اور ہجرت کی رات حضرت علیؓ کو ایک سخت ترین امتحان کی دعوت دی۔ ایسے سخت امتحان کی کہ شاید کوئی بھی اس امتحان کے لئے تیار نہ ہوتا۔ آپؐ نے فرمایا۔ اے علیؓ میں مکہ سے مدینہ کا قصد کر رہا ہوں۔ تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ یہ وہ امانتیں ہیں جو لوگوں نے میرے پاس رکھی تھیں۔ صبح انہیں اُن کے مالکوں کو واپس کر کے میرے پاس چلے آنا۔

قریشِ مکہ حضورؐ کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ ان کے اکابر مکان کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے اور منتظر تھے کہ کب موقع ملے اور وہ حضورؐ پر یکبارگی ٹوٹ پڑیں۔ ایسے خطرناک وقت میں حضرت علیؓ کا ان کے بستر پر لیٹ جانا اپنے آپ کو صریح ہلاکت میں ڈالنے والی بات تھی۔ مگر تاریخ شاہد ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک سیکنڈ کا بھی توقف نہیں فرمایا اور اسی لمحہ حضورؐ کے بستر پر لیٹ گئے۔ علی الصبح جب قریشِ مکہ کو معلوم ہوا۔ کہ حضورؐ نہیں ہیں تو انہوں نے حضرت علیؓ سے پوچھا محمدؐ کہاں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا "مجھے کیا خبر؟ کیا میں پہرہ دے رہا تھا؟" مجمع قابو سے باہر ہو کر حضرت علیؓ پر جھپٹ پڑا اور آپ کو زدوکوب کیا۔ ایک روایت کے مطابق خانہ کعبہ تک لے گیا اور کچھ دیر بٹھا کر چھوڑ دیا۔ (مستدرک حاکم جلد سوم اور طبری کی تاریخ)

حضرت علیؓ تین روز تک مکہ ہی میں رہے اور جب سب لوگوں کی امانتیں واپس کر دیں تو آپ بھی ہجرت کر کے حضورؐ کے پاس مدینہ چلے گئے۔

شادی

جب حضورؐ سرورِ کائنات مدینہ تشریف لے آئے تو آپ کی چہیتی بیٹی حضرت فاطمہؓ سنِ بلوغت کو پہنچ چکی تھیں اور بعض بزرگ صحابہؓ نے اپنے رشتے بھی پیش کئے

تھے مگر حضور نے سکوت اختیار فرمایا۔ آخر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی تحریک سے حضرت علیؓ نے اپنا رشتہ پیش کیا جسے حضورؐ نے منظور فرمالیا۔

نکاح سے پہلے آپؐ نے حضرت علیؓ سے دریافت فرمایا کہ "تمہارے پاس کوئی چیز مہر ادا کرنے کے لئے بھی ہے؟" حضرت علیؓ نے عرض کیا "نہیں"۔ آپؐ نے فرمایا۔ "وہ حطمی زرہ کہاں ہے جو میں نے تم کو دی تھی۔" حضرت علیؓ نے کہا وہ تو ہے۔ حضورؐ نے فرمایا اسی کو فروخت کر دو۔ غرض مہر و شادی کے اخراجات اس زرہ کی قیمت میں سے ادا کئے گئے۔ یہ زرہ حضرت علیؓ نے حضرت عثمان کے ہاتھ ۴۸۰ درہم میں فروخت کی تھی۔ ایک روایت کے مطابق حضرت علی نے اپنا اونٹ اور گھر کا بعض سامان فروخت کر کے شادی کے انتظامات کئے اور نہایت سادگی سے رخصتانہ کی تقریب عمل میں آئی۔ حضرت فاطمہؓ جہیز میں جو سامان لائیں، اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ایک نقشی تخت، ایک چمڑے کا تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ ایک پیالہ، ایک مشکیزہ، دو چکیاں اور دو ڈول، خود حضرت علی کی بے سرو سامانی کا یہ عالم تھا کہ رخصتانہ کے بعد آپ نے حضرت فاطمہؓ کو صرف تین چیزیں نذر دیں۔ ایک زرہ ایک مشکیزہ اور ایک پرانی یمنی چادر۔ شادی کے بعد ولیمہ کی تقریب ہوئی۔ اس کا اہتمام یوں کیا گیا۔ کہ حضرت سعدؓ نے اپنا ایک بکرا پیش کیا اور ایک صحابی نے کچھ جو دیئے۔ باقی اخراجات حضرت علیؓ نے اس رقم سے پورے کئے جو آپ نے اپنا اونٹ اور گھر کا کچھ سامان فروخت کر کے حاصل کی تھی۔ رخصتانہ سے پہلے حضورؐ کی ہدایت کے مطابق حضرت علیؓ نے ایک علیحدہ مکان کرایہ پر لیا اور اس میں حضرت فاطمہؓ کو رخصت کر کے لائے۔ یہ مکان حارث بن نعمان کا تھا۔ (اصابہ جلد ہشتم)

حضورؐ کا اظہار مسرّت

حضورؐ سرورِ کائنات اس رشتہ پر ہمیشہ اظہار خوشنودی فرمایا کرتے تھے چنانچہ روایت ہے کہ جب حضرت فاطمہؓ کے رخصت ہونے کا وقت قریب آیا۔ تو آپ اپنے مشفق باپ کی جدائی کا خیال کرکے زار قطار رونے لگیں۔ اس اثنا میں حضورؐ سرورِ کائنات گھر میں تشریف لے گئے اور حضرت فاطمہؓ کو روتے دیکھکر فرمایا۔

"بیٹی رونا کیسا؟ میں نے تمہاری شادی اس شخص سے کی ہے۔ جو علم و حلم میں سب سے افضل اور اسلام قبول کرنے میں سب سے اوّل ہے"

دوسرے موقع پر آپؐ نے پھر اسی خیال کا اظہار فرمایا۔ جب حضرت فاطمہؓ رخصت ہو کر حضرت علیؓ کے یہاں گئیں تو حضورؐ آپؓ سے ملنے تشریف لے گئے اور آپ کو مخاطب کرکے فرمایا۔ "میں نے اپنے خاندان میں سب سے افضل شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے"

شادی کے وقت حضرت علیؓ کی عمر اکیس سال پانچ ماہ اور حضرت فاطمہؓ کی عمر پندرہ[15] سال ساڑھے پانچ ماہ تھی۔ یہ واقعہ ہجرت کے دوسرے سال پیش آیا۔

اولاد

حضرت علیؓ کے یہاں حضرت فاطمہؓ کے بطن سے جو اولاد پیدا ہوئی۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

(۱) حضرت امام حسنؓ (۲) حضرت امام حسینؓ (۳) حضرت زینبؓ (۴) حضرت اُم کلثومؓ (۵) محسنؓ جن کا شیر خواری ہی کے زمانے میں انتقال ہو گیا تھا۔

میدانِ کارزار میں

میدانِ کارزار میں

تاریخ شاہد ہے کہ اسلام کی مدافعت میں جتنی جنگیں لڑی گئیں حضرتِ علیؓ ان سب میں پیش پیش رہے، اور اس حیرت انگیز شجاعت کا مظاہرہ کیا جو آج ضرب المثل بن چکی ہے۔ البتہ ایک جنگ ایسی تھی جس میں حضرت علیؓ شرکت نہیں کر سکے، اور وہ تھا غزوۂ تبوک۔ اس جنگ میں حضورؐ سرورِ کائنات نے حضرت علیؓ کو اپنا قائم مقام بنا کر اہل بیت کی نگہداشت کے لئے مدینہ میں رہنے کی ہدایت فرمائی۔ مگر حضورؐ سرورِ کائنات کی روانگی کے بعد جہاد میں حصہ لینے کے لئے بیقرار ہو کر آپ بھی حضورؐ کے پیچھے پاپیادہ ہی روانہ ہو گئے۔ شدید گرمی میں طویل مسافت طے کر کے اس حالت میں حضورؐ کے سامنے پہنچے کہ پاؤں سوج گئے تھے اور ان میں چھالے بھی پڑ گئے تھے۔ انہیں اپنے سامنے

کھڑا دیکھکر حضورؐ نے فرمایا :-

"اے علیؓ ! کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ تم میرے لئے بمنزلہ ہارونؑ ہو"

(بخاری تذکرہ علیؓ)

یہ سنکر حضرت علی کو طمانیت قلب حاصل ہوئی، اور وہ بغیر جنگ کئے حضورؐ کے ارشاد کی تعمیل کرنے مدینہ واپس چلے گئے۔

ذیل میں ان جنگوں کا حال بیان کیا جاتا ہے جن میں حضرت علیؓ نے حصہ لیا اور اپنی غیرت اسلام اور بے مثل شجاعت کے جوہر دکھائے۔

جنگِ بدر میں

جنگِ بدر وہ پہلی لڑائی ہے جس میں قریش مکہ اور مسلمان ایک دوسرے کے خلاف منظم ہوکر صف آرا ہوئے حضرت علیؓ کے لئے بھی یہ پہلا موقع تھا۔ اس جنگ میں حضرت علی نے پہلی بار اپنی تلوار کے جوہر دکھلائے اور دشمن سے بھی اپنی شجاعت اور طاقت کا لوہا منوالیا۔ اس وقت حضرت علیؓ کی عمر اکیس، اور بائیس سال کے درمیان تھی۔ "مطالب السئول" کے مصنف کمال الدین بن طلحہ شافعی اور "کفایت المطالب" کے مصنف علامہ بن یوسف الکنجی نے اپنی تصانیف میں جنگ بدر کے وقت حضرت علیؓ کی عمر ستائیس سال قرار دی ہے۔ مگر تاریخ کی روشنی میں یہ درست نہیں۔ کیونکہ جب حضرت علیؓ کی حضرت فاطمہؑ سے شادی ہوئی۔ اس وقت حضرت علیؓ کی عمر اکیس[۲۱] سال پانچ ماہ تھی۔ (ملاحظہ ہو الاستیعاب) اور جنگ بدر حضرت علیؓ کی شادی کے چند ماہ بعد ۱۷ رمضان ۲ھ کو ہوئی۔ اس حساب سے جنگ بدر کے وقت حضرت علیؓ کی عمر اکیس[۲۱] اور بائیس[۲۲] سال کے درمیان بنتی ہے۔

واقعاتِ جنگ

جب اسلامی فوجیں اور قریش کے لشکر ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہو گئے تو عتبہ ابنِ ربیعہ نے مسلمانوں کو للکارا۔ حضورؐ نے حضرت علیؓ کو مقابلہ کے لئے بھیجا۔ حضرت علیؓ کو دیکھکر اور آپ کا نام و نسب دریافت کر کے عتبہ نے اپنے بیٹے ولید سے کہا کہ "جا اور علیؓ کا مقابلہ کر"۔ ولید بن عتبہ تمام قریش بلکہ تمام قبائل میں اپنی شجاعت اور مردانگی کے لئے مشہور تھا اور قریش مکہ اس بات پر فخر کرتے تھے کہ ان کے قبیلے میں ولید جیسا شیر دل جوان موجود ہے۔ میدان میں نکل کر ولید نے حضرت علیؓ پر وار کیا۔ مگر حضرت علیؓ نے پہلو بچا کر اس قدر سرعت سے تلوار کا ہاتھ مارا کہ ولید کا بایاں بازو کٹ گیا اور پھر چشم زدن میں دوسرا وار کیا۔ ولید حضرت علیؓ کے حملے کی تاب نہ لا کر گر پڑا اور وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اس کے بعد قریش مکہ کے دوسرے اکابر عاص بن سعید اور حنظلہ بن ابوسفیان آپ کے مقابلے کے لئے نکلے۔ حضرت علیؓ نے ان کا بھی بڑی مردانگی اور شجاعت سے مقابلہ کیا اور دونوں کو یکے بعد دیگرے قتل کر دیا۔ اس کے بعد عدی اور نوفل بن خویلد مقابلے کے لئے نکلے مگر ان دونوں کا بھی وہی حشر ہوا۔ جو ان کے پیش رو جنگ آزماؤں کا ہوا تھا۔ غرض یہ کہ جنگِ بدر میں جو شخص حضرت علیؓ کے مقابلے میں نکلا وہ ذبح ہو گیا۔ اس جنگ میں حضرت علیؓ کے ہاتھ سے قتل ہونے والوں کی تعداد اکیس ہے (سیرت النبوت)

ان میں سے چند کے نام یہ ہیں۔

عامر بن عبداللہ، مسعود بن مغیرہ، ابو قیس بن الفاکہ، عبداللہ المنذر، عاص بن المنبہ بن الحجاج اور حاجیب بن سائب۔

جنگِ اُحد میں

جنگ اُحد دوسری جنگ تھی جس میں حضرت علیؓ نے اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے۔
یہ جنگ، شوال ۳ھ کو ہوئی۔ اس جنگ میں ..۷ مسلمانوں نے پانچ ہزار قریش کا مقابلہ
کیا۔ اس وقت حضرت علیؓ کی عمر بائیس اور تیئس سال کے درمیان تھی۔

جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابلے میں صف آرا ہوئے تو قریش
مکہ کے لشکر کا علم بردار طلحہ بن ابی طلحہ میدان میں آیا اور مسلمانوں کو للکار کر کہا:۔

"اے محمدؐ کے ساتھیو! تمہیں زعم ہے کہ قریش مکہ تمہاری تلواروں سے جہنم
رسید ہوں گے (لیکن یاد رکھو) تم مسلمان ہماری تلواروں سے جنت میں جاؤ گے۔
تم میں سے کوئی ہے جو میرا مقابلہ کر سکے"

یہ سُنکر حضرت علیؓ کا پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا اور وہ اس کے مقابلے میں یہ کہتے
ہوئے نکلے کہ:۔ "مَیں تجھے اُس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک میری
تلوار تجھے جہنم رسید نہ کر دے" یہ کہہ کر آپ نے اس کے پیر پر تلوار کا ایسا وار
کیا کہ وہ تلملا کر گر پڑا۔ اُس کے بعد چاہتے تھے کہ دوسرے وار سے اس کا کام تمام
کردیں کہ اس نے گِڑ گِڑا کر گِڑ گڑا کر رحم کی درخواست کی اور خدا کا واسطہ دیا۔
حضرت علیؓ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور اُسے میدان جنگ میں سسکتا چھوڑ کر واپس
آ گئے۔

غرض جنگ اُحد میں یکے بعد دیگرے قریش مکہ کے جتنے علمبردار میدان میں
آئے۔ وہ سب کے سب حضرت علیؓ کے ہاتھ سے ہلاک ہوئے۔ اس کے بعد
حضور سرورِ کائنات نے قریش کی ایک جماعت کی طرف اشارہ کر کے حضرت علیؓ

سے فرمایا کہ ان پر حملہ کرو۔ حضرت علیؓ نے ان پر اس شدّت سے حملہ کیا کہ وہ مقابلے کی تاب نہ لاکر فرار ہو گئے۔ اسی طرح حضورؐ نے دوسری جماعت کی طرف اشارہ کر کے حضرت علیؓ سے فرمایا ان پر بھی حملہ کرو۔ حضرت علیؓ نے اس جماعت پر بھی حملہ کیا۔ اور یہ جماعت بھی میدان چھوڑ کر بھاگ گئی۔ ان حملوں میں قریش کے بہت سے آدمی ہلاک اور زخمی ہوئے۔

جنگِ اُحد میں حضرت علیؓ کے ہاتھ سے قریش کے جو اکابر ہلاک ہوئے ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:۔ طلحہ بن ابی طلحہ، عبداللہ بن جمیل، ابو الحکم بن الاخنس، سبا بن عبدالعزیٰ، اور ابو امیہ بن المغیرہ،

اس جنگ میں حضرت علیؓ کے جسم پر سترہ زخم لگے تھے۔ جن میں چار بڑے ہی سخت تھے۔ (کفایت الطالب)

جنگِ خندق میں

تیسری جنگ جس میں حضرت علیؓ نے اپنی شمشیر زنی کا مظاہرہ کیا، جنگ خندق ہے۔ یہ جنگ ذی قعدہ ۵ھ میں ہوئی۔ اس جنگ کے وقت حضرت علیؓ کی عمر پچیس سال کے لگ بھگ تھی۔ اس جنگ میں چند سو مسلمانوں نے دس ہزار قریش مکہ اور یہودیوں کے مشترکہ لشکر کا مقابلہ کیا۔ چونکہ مسلمانوں کی تعداد دشمنوں کے مقابلہ میں بہت کم تھی، اس لئے فیصلہ کیا گیا کہ شہر کے گرد خندق کھود کر مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ مدینہ کے تین طرف ایک گہری خندق کھودی گئی اور مسلمان اس میں محصور ہو گئے۔ کفار کے ٹڈی دل لشکر نے ہر طرف سے مسلمانوں کو گھیر لیا۔ دشمن کا نامور شہ سوار عمر بن عبد ود جو تنہا ایک ہزار سواروں کے برابر

سمجھا جاتا تھا۔ اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ گھوڑے پر سوار ہو کر خندق کے قریب آیا اور نسبتاً تنگ راستے سے اندر داخل ہو گیا، اور مسلمانوں کے قریب پہنچ کر ان کو للکارنے لگا :-

حضرت علیؓ حضور سرورِ کائناتؐ کے پاس گئے اور آپؐ سے عرض کیا کہ آپ مجھے اجازت دیں کہ میں اس کے مقابلے پر جاؤں۔ حضور صلعم نے فرمایا: "اے علیؓ! تمہیں معلوم ہے یہ عمرو بن عبدود ہے" حضرت علیؓ نے جواب دیا۔ درست ہے ہوا کرے۔ آپؐ مجھے اس کے مقابلے پر جانے کی اجازت عطا فرما دیجئے۔ چنانچہ حضورؐ نے حضرت علیؓ کو اجازت دیدی، حضرت علیؓ اجازت لیکر عمرو کی طرف چلے، وہ اس وقت یہ اشعار پڑھ رہا تھا۔ (ترجمہ)

"تمہیں (مقابلے کے لئے) پکارتے پکارتے میری آواز بیٹھ گئی۔ جب بہادر نامردی کا ثبوت دیتا تھا۔ اس وقت میں بہادروں کی صف میں ہوتا تھا میں ہمیشہ اسی شان سے لوگوں کی طرف دوڑ دوڑ کر جاتا تھا۔ کیونکہ شجاعت اور سخاوت ہی جوانمرد کو زیب دیتی ہے"

حضرت علیؓ نے اس کے جواب میں یہ اشعار پڑھے۔ (ترجمہ)

"اے عمرو تیرے پاس وہ شخص آرہا ہے جو پکارنے والے کا جواب دینے سے عاجز نہیں، اور نیت اور بصیرت والا ہے، اور حق سب پر فائز ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میں تجھ پر بین کرنے کے لئے بوڑھی عورتوں کو مجبور کردوں گا۔ میری ایک ہی ضرب تجھے فنا کر دے گی، اور جنگ کی داستانوں میں اس معرکے کا ذکر ہمیشہ یاد رہے گا"

اس کے بعد حضرت علیؓ اور عمرو بن عبد ود ایک دوسرے کے مقابل ہو کر وار کرنے لگے۔ عمرو نے تلوار کا ایک بھر پور حملہ کیا۔ حضرت علیؓ نے اُسے سپر پر روکا۔ مگر عمرو کی تلوار حضرت علیؓ کی خود کو کاٹتی ہوئی آپ کے سر تک پہنچ گئی اور سر کو زخمی کر دیا یہ دیکھکر حضرت علیؓ نے عمرو کو مخاطب کیا اور اس سے فرمایا۔

"اے عمرو! تو عرب کا مشہور و معروف جنگ آزما ہے۔ پھر تجھے مددگار بلانے کی کیا ضرورت تھی۔ کیا تو تنہا میرے لئے کافی نہیں ہے" عمرو نے مڑ کر دیکھا ابھی اس نے گردن کو جنبش ہی دی تھی کہ حضرت علیؓ کی تلوار فضا میں بلند ہوئی اور پھر نیچے آکر عمرو کی پنڈلیوں کو کاٹتی چلی گئی۔ عمرو چکرا کر گر پڑا۔ حضرت علیؓ بجلی کی سی سرعت کے ساتھ اس کی چھاتی پر سوار ہو گئے اور اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اور پھر دوسری ساعت میں اس کے بیٹے حسن کی طرف بڑھے اور اُسے بھی ہلاک کر دیا۔ یہ دیکھکر عکرمہ بن ابو جہل اور عمرو کے دوسرے ساتھی میدان سے بھاگ کھڑے ہوئے بعض اپنے نیزے اور گھوڑے تک چھوڑ گئے۔ (مطالب السئول)

بنو سعد کی گوشمالی

مسلمانوں کے ہاتھوں عبرتناک شکست کھانے کے باوجود بعض شر پسند لوگوں کے دلوں میں جنگ آزمائی کا شوق موجود تھا۔ انہیں میں قبیلہ بنو سعد کے لوگ بھی شامل تھے۔ اُدھر خیبر کے یہودی مسلمانوں کو مٹانے کے درپے تھے۔ چنانچہ ۶ھ میں خیبر کے یہودیوں اور بنو سعد میں گٹھ جوڑ ہوا۔ حضورؐ کو بھی اس کی اطلاع ہو گئی کہ بنو سعد خیبر میں جمع ہو رہے ہیں اور عنقریب مسلمانوں پر حملہ آور ہوا چاہتے ہیں۔ آپؐ نے حضرت علیؓ کو ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ حضرت علیؓ ایک سو

سواروں کے مختصر سے دستے کے ساتھ روانہ ہوئے اور ماہ رمضان میں بنو سعد پہ حملہ کر دیا معمولی سی جھڑپ کے بعد بنو سعد میدان سے بھاگ نکلے۔ اس جنگ میں پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں حضرت علیؓ کے ہاتھ آئیں جنہیں لے کر آپ کامیاب و کامران حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

جنگ خیبر میں

جنگ خیبر چوتھی جنگ تھی جس میں حضرت علیؓ نے میدان شجاعت میں اپنی شمشیر زنی اور بہادری کے انمٹ نقوش ثبت کر دیئے۔ یہ جنگ محرم ۷ھ کو مسلمانوں اور لشکر یہود کے درمیان ہوئی۔ اس جنگ میں حصہ لینے والے اسلامی لشکر کی تعداد سولہ سو تھی جس میں چودہ سو پیدل اور دو سو سوار تھے اور دشمن اسلام کے اہل لشکر چودہ ہزار جنگ آزماؤں پر مشتمل تھے۔ اس جنگ کے وقت حضرت علیؓ کی عمر ستائیس سال کے لگ بھگ تھی۔ یہ جنگ بھی مسلمانوں نے بطور مدافعت لڑی تھی۔ اور اس کی طرح ڈالنے والے خیبر کے یہودی تھے۔

خیبر ایک قصبہ کا نام ہے۔ جو مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر ملک شام کی جانب واقع ہے۔ یہاں خالص یہودیوں کی آبادی تھی۔ یہ لوگ اسلام کے پرانے دشمن تھے۔ اور وقتاً فوقتاً مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے رہتے تھے۔ چنانچہ جنگ احزاب بھی انہیں کی شر پسندی کا ایک ادنیٰ کرشمہ تھی۔ مگر اس جنگ میں انہیں شرمناک شکست ہوئی تھی۔ اسی شکست کا بدلہ لینے کے لئے انہوں نے خیبر میں اپنی عسکری تنظیم شروع کر دی حضورؐ سرورِ کائنات کو بھی ان کی پوشیدہ تیاریوں کا حال معلوم ہو گیا۔ چنانچہ پیشتر اس کے کہ یہودی مسلمانوں پر حملہ کر کے ان کا محاصرہ کر لیں آپؐ نے مسلمانوں کو روانگی

کا حکم دیا۔ اس جنگ میں حصہ لینے کے لئے بیس صحابیاتؓ نے بھی اپنی خدمات پیش کیں۔ حضورؐ نے انکی بھی خدمات قبول فرمالیں۔ ان بزرگ اور خدمتِ اسلام کے جذبات سے معمور صحابیات نے میدان جنگ میں زخمیوں کی خبرگیری اور پیاسوں کو پانی پلانے کی خدمت انجام دی۔

رات کو لشکر اسلام خیبر پہنچا اور ایک میدان میں مقیم ہوگیا۔ طلوعِ سحر کے ساتھ ہی جنگ کا آغاز ہوا۔ خیبر کی بستی دائیں اور بائیں یہودیوں کے مضبوط قلعوں سے گھری ہوئی تھی۔ ان قلعوں کی تعداد دس تھی۔ ان میں سے ہر ایک قلعہ میں سامانِ جنگ سے لیس ایک ہزار جنگ آزما رہتے تھے۔ ان قلعوں کے نام یہ ہیں:۔

ناعمؔ۔ نطاۃ۔ حصنؔ بن معاذ۔ حصنؔ الزبیر۔ حصنؔ قترہ۔ حصنؔ البر۔ حصنؔ ابی حصنؔ قموص طبری۔ حصنؔ وطیح۔ حصنؔ سلالم یا حصن بنی الحقیق۔ (فتح الباری)

حضور سرورِ کائناتؐ نے اسلامی لشکر کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصۂ لشکر کو ایک ایک مقتدر صحابی کی سرکردگی میں ان قلعوں پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ پانچ روز تک جنگ ہوتی رہی۔ مگر خاطرخواہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ آخر چھٹے روز حضورؐ نے فرمایا کہ کل اس شخص کو علم دیا جائے گا۔ خدا تعالےٰ جس کو فتح عطا کرے گا۔ چنانچہ دوسرے روز صبح کو حضورؐ نے جس شخص کو علم عطا فرمانے کے لئے بلایا اُس کا نام علیؓ بن ابی طالب تھا۔ حضرت علیؓ تشریف لائے۔ اس وقت آپ کو آشوبِ چشم کی تکلیف تھی۔ آپؐ نے ان کے لئے دعا کی اور فرمایا کہ:۔

"اے علیؓ جاؤ اور خدا کے راستے میں جہاد کرو۔ مگر پہلے اسلام کی دعوت دو۔"

غرض حضرت علیؓ فرمان مصطفویؐ لے کر ایک جمعیت کے ساتھ قلعۂ ناعم کی طرف روانہ ہوئے۔ قلعہ کا سردار عرب کا مشہور جنگجو مرحب مقابلے کے لئے نکلا۔ جسے دعویٰ تھا کہ میں تنہا ایک ہزار بہادروں کے برابر ہوں۔ حضرت علیؓ نے عامر بن الاکوع کو اس کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ مرحب نے ان پر تلوار کا وار کیا۔ جسے عامر نے سپر پر روک لیا۔ اس کے بعد مرحب پر تلوار چلائی۔ مگر ان کی تلوار چھوٹی تھی۔ اس لئے مرحب کو لگنے کے بجائے خود ان کے گھٹنے پر لگ گئی۔ بہت کاری زخم آیا اور اسی زخم نے ان کی جان لے لی۔ یہ کیفیت دیکھکر حضرت علیؓ خود میدان میں نکلے۔ حضرت علیؓ کو آتا دیکھکر مرحب یہ شعر پڑھتا ہوا پھر بڑھا۔

"خیبر واقف ہے کہ میرا نام مرحب ہے میں آلات جنگ سجانے والا تجربہ کار بہادر ہوں جب میدان میں شیر ڈکار رہے ہوتے ہیں اور مرحب کو آتا دیکھتے ہیں۔ تو سامنے سے ہٹ جاتے ہیں۔"

اس کے جواب میں حضرت علیؓ نے یہ اشعار پڑھے:۔

"میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام شیر غضب ناک رکھا ہے میں تمہیں تلوار کے بڑے پیمانے دوں گا۔ ایسی ضرب لگاؤں گا۔ جو تمہاری ریڑھ کی ہڈی کے ایک ایک مہرے کو الگ کر دے گی۔ میرا نیزہ سخت زمین کو پھاڑ دیتا ہے" (طبری جلد سوم)

اس کے بعد حضرت علیؓ نے بڑھ کر تلوار کا ایک ایسا بھرپور وار کیا کہ اپنے آپ کو ایک ہزار بہادروں کے برابر سمجھنے والا مرحب چکرا کر زمین پر گر پڑا۔ اور حضرت علیؓ کی تلوار نے مرحب کے آہنی خود کو کاٹ کر سر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور گردن تک پہنچ کر دم لیا۔

مرحب کے قتل کے بعد اس کا بھائی یاسر میدان میں نکلا اس کے مقابلے
کے لئے زبیر بن العوامؓ تلوار لے کر آئے اور اُسے بھی اس کے بھائی کے پاس پہنچا
دیا۔ اس کے بعد حضرت علیؓ کی قیادت میں مسلمانوں نے حملۂ عام کیا اور آن کی
آن میں وہ قلعہ فتح ہو گیا۔ جو پانچ یا چھ روز کی سرتوڑ کوششوں کے باوجود کسی سے
فتح نہ ہو سکا تھا۔

اس کے بعد ہر طرف فتح کے ڈنکے بجنے لگے اور صعب کے قلعے کو حبابؓ
بن المنذر نے حصن ابی کو ابو دجانہؓ نے اسی طرح مختلف قلعوں کو مختلف مسلمان
سپہ سالاروں نے فتح کر لیا۔

فتح مکّہ اور علیؓ

فتح مکّہ کا واقعہ تاریخ اسلام کے عظیم الشان واقعات میں سے ہے۔ اس واقعہ
میں یوں تو تمام مسلمانوں نے حصہ لیا لیکن اس میں حضرت علیؓ کی دو خصوصیتیں ایسی ہیں
جو اور کسی کے حصے میں نہ آئیں۔

پہلی خصوصیت یہ ہے کہ جب حضور سرورِ کائنات ۱۰ رمضان المبارک ۸ھ
کو مدینہ سے مکہ روانہ ہوئے۔ تو فوج کا علم حضرت سعد بن عبادہ کے ہاتھ میں تھا۔ حضرت
سعد بہت جوشیلے اور تیز مزاج آدمی تھے۔ جوش و خروش کے عالم میں یہ رجز پڑھتے چلے
جاتے تھے۔

"آج سخت جنگ والا دن ہے۔ آج کعبہ میں بھی خونریزی جائز ہے۔"

جب حضورؐ کو اس رجز کا علم ہوا تو آپ نے اسے ناپسند کیا اور فرمایا۔ کہ
"آج تو کعبہ کی عظمت قائم کرنے کا دن ہے۔" اور پھر فوج کا علم حضرت سعد

بن عبادہ سے لیکر حضرت علیؓ کو عطا فرمایا اور حکم دیا کہ ایک حصۂ فوج لے کر شہر میں داخل ہوجاؤ۔ چنانچہ جو شخص کداء کی طرف سے مکہ میں داخل ہوا اس کا نام علی بن ابی طالب تھا۔ (بخاری کتاب المغازی)

دوسری خصوصیت جو فتح مکہ کے واقعہ میں حضرت علیؓ کو حاصل ہے بلکہ جسے امتیازی خصوصیت کہنا چاہیئے یہ ہے کہ فتح کے بعد حضورؐ سرور کائنات جب کعبہ میں داخل ہوئے اور اُسے بتوں سے پاک کرنے کے لئے ہر بُت کو اپنے دستِ مبارک سے توڑنا شروع کیا تو سارے بُت ٹوٹ گئے۔ ہاں ایک بت جو سارے بتوں سے بڑا تھا باقی رہ گیا۔ یہ بُت سطح زمین سے بہت اونچائی پر نصب تھا اور اس تک حضورؐ کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس لئے آپؐ نے حضرت علیؓ کے کندھوں پر چڑھکر اس تک پہنچنے کی کوشش فرمائی۔ لیکن جب حضورؐ نے حضرت علیؓ کے کندھوں پر چڑھنا چاہا۔ تو حضرت علیؓ حضورؐ کے جسم مبارک کو نہ سنبھال سکے۔ اس لئے آپ نیچے اتر آئے اور حضرت علیؓ سے ارشاد فرمایا کہ تم میرے کندھے پر کھڑے ہو کر اس بُت کو پاش پاش کردو۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے حضورؐ کی دوش مبارک پر کھڑے ہو کر لوہے کی سلاخ سے اس بت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اس طرح خانۂ کعبہ کے سب سے بڑے بُت کو پاش پاش کرنے کا شرف حضرت علیؓ کو حاصل ہوا۔ (بخاری کتاب المغازی)

جنگ حنین میں

فتح مکہ کے واقعہ سے جہاں دشمنان اسلام پر مسلمانوں کی سطوت و شوکت کا رعب بیٹھ گیا۔ وہاں مضافات کے بعض قبائل نے سوچا کہ اب مسلمان ہمیں کسی حالت میں زندہ نہ چھوڑیں گے۔ اس لئے جتنی جلد ہو سکے متحدہ حملہ کر کے ان کی طاقت

توڑ دینی چاہیئے۔ چنانچہ اس خیال کے ماتحت ہوازن اور ثقیف کے قبائل نے مضر و بنی ہلال کے قبائل کو اپنے ساتھ ملا کر مکہ پر حملہ کرنے کے ارادے سے کوچ کر دیا۔ ان قبائل کی فوج کی تعداد چار ہزار جنگ آزما سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ جب حضورؐ سرور کائنات کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی۔ تو آپ بھی مسلمانوں کا لشکر مرتب کر کے مکہ سے نکلے اور حنین کی طرف روانہ ہو گئے اسلامی لشکر میں بارہ ہزار سپاہی تھے جس میں نومسلم اور غیر مسلم بھی شامل تھے۔ فوج کے آگے وہ لوگ تھے۔ جو جنگ کے فن سے ناواقف اور لاپرواہ تھے۔ ایک روایت کے مطابق اس حصۂ فوج میں غیر مسلموں اور نومسلموں کی تعداد زیادہ تھی۔ بہر حال جب یہ لوگ تنگ درے کے قریب پہنچے۔ تو دشمن کے تیر اندازوں نے جو پہلے سے چھپے بیٹھے تھے۔ اچانک تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ اس اچانک حملے سے ان لوگوں کے اوسان خطا ہو گئے اور گھبراہٹ میں بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس بھگدڑ کا اثر عام فوج پر بھی پڑا۔ اور پچھلے حصوں میں بھی سراسیمگی پھیل گئی۔ سوائے ایک سو جان نثار صحابہ کے جن میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ بھی شامل تھے۔ باقی ساری فوج منتشر ہو گئی۔ یہ دیکھکر حضورؐ اپنے خچر پر سے اتر پڑے اور اپنے چچا حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ لوگوں کو نام لے لیکر واپس بلاؤ۔ حضرت عباسؓ کی ایک ہی آواز پر مسلمان پلٹنا شروع ہو گئے اور تھوڑی ہی دیر میں سارے مسلمان واپس آ گئے۔ اب فوج کو از سر نو مرتب کیا گیا۔ (بخاری)

پیشتر اس سے کہ مسلمان جمع ہوتے غنیم کے سالار لشکر ابوجرول نے سواروں کی ایک جمعیت کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ یہ دیکھکر حضرت علیؓ چند جان نثار صحابہ کی معیت میں ابوجرول کے مقابلہ کیلئے بڑھے۔ ابوجرول عرب کا نامور

جرنیل تھا۔ اسے اپنی طاقت پر بجا طور پر گھمنڈ تھا۔ چنانچہ اس نے بڑی پھرتی سے
حضرت علیؓ پر حملہ کیا مگر حضرت علیؓ اس کا ہر وار روکتے رہے۔ دیر تک تلوار چلتی رہی
آخر ابو طالب کے بیٹے کی تلوار ابوجرول کی تلوار پر غالب آئی اور حضرت علیؓ کے ایک
کاری وار نے ابوجرول کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے بپھرے
ہوئے شیر کی طرح دشمن کے سواروں پر اس قدر بے جگری سے حملہ کیا کہ دشمن کے
پیر اکھڑ گئے۔ اس اثنا میں گھبرائے ہوئے مسلمانوں کے ہوش و حواس بجا ہو
چکے تھے۔ اب سب نے مل کر تھوڑی ہی دیر میں غنیم کا صفایا کر دیا۔

حضرت علیؓ

عہدِ رسالت اور خلفاؓئے ثلاثہ کے عہد میں

حضرت علیؓ

عہدِ رسالتؐ اور خلفائے ثلاثہ کے عہد میں

عہدِ رسالتؐ میں

حضرت علیؓ نے ابتدائے عمر سے لے کر فتح مکہ تک اسلام کی جو خدمات انجام دیں ان کا جائزہ گزشتہ صفحات میں پیش کیا جا چکا ہے۔ تاریخ کے صفحات شہادت دیتے ہیں کہ حضور سرورِ کائنات کو جس قدر مشکلات پیش آئیں۔ ان میں سے ہر مشکل کے موقعہ پر حضرت علیؓ آپ کے معین و مددگار رہے۔ جب قریش مکہ نے حضورؐ اور آپ کے متبعین کا مقاطعہ کر کے ایک گھاٹی میں محصور ہو جانے پر مجبور کر دیا۔ تو اس نازک موقعہ پر بھی حضرت علیؓ

نے آنحضورؐ کی رفاقت ترک نہ کی۔ بلکہ بڑے استقلال سے تین سال تک دیگر صحابہ کے ساتھ بھوک پیاس اور متعدد قسم کے مصائب برداشت کرتے رہے۔

ہجرت کے نازک بلکہ ہلاکت آمیز موقعہ پر بلا جھجک حضورؐ کے بستر پر لیٹ گئے۔ اور اس طرح انہوں نے آپ کے حقیقی جان نثار ہونے کا اتنا بڑا ثبوت دیا کہ تاریخ کے صفحات اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

اسلام کے لئے جتنی جنگیں لڑی گئیں۔ ان میں جنگ تبوک کے سوائے وہ ہر جنگ میں حضورؐ کے ساتھ رہے، اور آپؐ کی حفاظت میں تلوار کے ایسے جوہر دکھائے کہ ان کی تلوار ذوالفقار ضرب المثل کی حیثیت رکھتی ہے۔ انہوں نے ان جنگوں میں اسلام کے بیسیوں دشمنوں کو موت کی نیند سلانے کے ساتھ ساتھ اپنے جسم پر بھی متعدد زخم کھائے جن میں سے بعض بیحد خطرناک تھے۔ انہوں نے حضورؐ کی حفاظت اور اسلام کی مدافعت کے لئے کتنی ہی بار اپنی جان کو ہر خطرے میں ڈال دیا۔

انہوں نے اسلام کی خدمت صرف تلوار اٹھا کر ہی نہیں کی۔ ان کے قلم نے بھی اسلام کی خدمت میں بیش از بیش حصہ لیا۔ حضورؐ سرورِ کائنات نے جن چند اکابر صحابہ کو وحی قلمبند کرنے کے لئے منتخب کیا۔ ان میں حضرت علیؓ کا نام بھی شامل تھا۔ نزول وحی کے آغاز سے لے کر اس روز تک جب دین کے مکمل ہونے کی اطلاع آئی۔ حضرت علیؓ کاتب وحی کی حیثیت سے کتاب الٰہی کو قلمبند فرماتے رہے۔

حضورؐ سرورِ کائنات نے اہم امور میں مشورے لینے کے لئے جو مجلس مشاورت قائم کی تھی۔ حضرت علیؓ اس کے اہم رکن تھے اور حضورؐ نے بعض بڑے نازک مواقع پر ان سے مشورے طلب کئے تھے۔

یمن میں تبلیغ

حضورؐ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا اصل مقصد تبلیغ اسلام تھا اس مقصد کے حصول کے لئے آپ نے ساری عمر کوشش جاری رکھی۔ اس کے طریقے مختلف تھے۔ خود حضورؐ نے فرداً فرداً بھی تبلیغ کی۔ اجتماعات کو بھی خطاب فرمایا۔ وطن میں بھی تبلیغ کی۔ تبلیغ کے لئے وطن سے باہر بھی تشریف لے گئے۔ رؤسا و امراء ملک کو تبلیغی خطوط بھی لکھے اور اپنے معتمدین کو بھی مختلف علاقوں میں تبلیغ اسلام پر مامور فرمایا ایسا ہی ایک امر یمن میں پیش آیا۔ یمن میں آپؐ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا۔ حضرت خالدؓ نے چھ ماہ تک پوری کوشش کی کہ لوگ اسلام کی دعوت قبول کر لیں مگر اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ تب حضورؐ نے حضرت خالدؓ کی بجائے حضرت علیؓ کو اس مقدس فریضے کی ادائیگی کے لئے منتخب فرمایا۔ ابتدا میں حضرت علیؓ نے اس بارِ گراں کو اٹھانے سے پس و پیش ظاہر کیا اور کہا کہ "یارسولؐ اللہ! آپؐ مجھے ایسی قوم میں بھیج رہے ہیں. جہاں مجھ سے زیادہ تجربہ کار اور زیادہ عمر والے لوگ موجود ہیں۔ مجھے تو بہت دشواری پیش آئے گی۔" یہ سنکر حضورؐ نے ان کے حق میں دعا فرمائی۔ کہ اے اللہ اس کی زبان کو راستی عطا فرما..... پھر اپنے دستِ مبارک سے حضرت علیؓ کے عمامہ باندھ کر علم عطا فرمایا، اور تبلیغ اسلام کے لئے یمن بھیج دیا۔ حضرت علیؓ نے یمن پہنچ کر اس قدر موثر اور دل نشین طریقے سے لوگوں کے سامنے اسلام کی تعلیم پیش کی کہ چند ہی روز میں بہت سے لوگ اسلام لے آئے اور ایک قبیلہ ہمدان تو سارے کا سارا مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

(زرقانی جلد سوم و فتح الباری جلد ہشتم)

حضرت علیؓ نے حضورؐ کے عہد مبارک میں بعض بڑے اہم مناصب پر بھی کام کیا۔

جن میں سے یمن کی تحصیل وصول کا کام خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ موجودہ اصطلاح میں ہم انہیں یمن کا وزیر مال کہہ سکتے ہیں۔ جب ایک ایسے صاحب عقل و فہم اور دیانت دار شخص کی ضرورت پیش آئی جو یمن جا کر وہاں تحصیل وصول کا فریضہ انجام دے اور حسابات کی نگرانی بھی کر سکے تو حضورؐ کی نگاہ انتخاب حضرت علیؓ پر پڑی اور آپ نے انہیں کو اس اہم خدمت پر مامور فرمایا۔ حضرت علیؓ نے یمن تشریف لے جا کر بڑی دیانت داری اور بغیر رو رعایت تحصیل وصول اور حسابات کی نگرانی کا کام انجام دیا۔ شاید اسی بے رو رعایت کام کرنے کا نتیجہ تھا کہ بعض لوگ حضرت علیؓ سے ناراض ہو گئے۔ اُن کے طور طریق پر اعتراض کئے گئے۔ مال غنیمت کی تقسیم کا معاملہ بھی زیر تنقیص آیا اور سرور کائناتؐ کی خدمت میں بھی ان کی شکایت کی گئی۔ چنانچہ حجۃ الوداع سے واپس ہوتے وقت غدیر کے مقام پر جب حضرت علیؓ کی حضورؐ سے ملاقات ہوئی۔ تو آپؐ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر لوگوں کو مخاطب کیا اور فرمایا:۔

"مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ" (سنن ترمذی و ابن ماجہ)

(جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے)۔ یہاں مولا کے معانی دوست کے ہیں)

یہ بہت بڑا اعزاز تھا۔ جو حضور سرور کائنات کی طرف سے حضرت علیؓ کو عطا ہوا تھا۔ اس ارشاد میں جہاں الزامات سے حضرت علیؓ کی بریت ثابت کی گئی تھی۔ وہاں حضرت علیؓ کے مرتبہ کا بھی تعین کیا گیا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ مستقبل میں پیش آنے والے واقعات میں حضرت علیؓ کے کردار کی طرف بھی واضح اشارہ فرما دیا گیا تھا۔

اس کے علاوہ رسول اللہؐ نے ایک بار انہیں یمن کا قاضی بھی مقرر فرمایا تھا اور یمن میں جس قدر مقدمات پیش آتے تھے۔ وہ سب حضرت علیؓ کی عدالت سے

فیصلے ہوتے تھے۔ اس اعتبار سے آپ یمن کے چیف جسٹس تھے۔

(مسند ابن حنبل جلد اول)

خلفائے ثلاثہ رضا کے عہد میں

حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد سے لے کر حضرت علیؓ کی بیعت خلافت تک کے زمانے پر نظر ڈالنے کے بعد ایک قاری کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے اس دور میں حضرت علیؓ پس منظر میں چلے گئے تھے۔ کیونکہ اس دور میں نہ تو ان کی طرف سے کسی جنگ میں شرکت کا ثبوت ملتا ہے، نہ انہیں کسی صوبہ کی گورنری پر فائز کیا گیا اور نہ ان کے ہاتھ سے بظاہر کوئی اہم کارنامہ سرانجام پایا۔ اس صورت حال نے تاریخ اسلام میں بعض بڑے اُلجھے ہوئے ابواب کا اضافہ کیا اور امت بڑی بڑی غلط فہمیوں کا شکار ہو گئی۔

اس میں شک نہیں کہ جب ہم اس امر پر غور کرتے ہیں۔ تو ہماری حیرانی کی کوئی حد نہیں رہتی کہ ایک ایسا جلیل القدر اور جری دل انسان جس نے اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ خدمتِ اسلام میں گذارا۔ اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈال دیا۔ مگر اسلام پر آنچ نہ آنے دی۔ جس کا علم و فضل، زہد و تقویٰ اور شجاعت مثالی حیثیت رکھتی تھی۔ وہ رسول کریمؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی یک بیک گوشہ نشین کیوں ہو گیا اور اس وقت تک میدان میں نہ آیا جب تک مسندِ خلافت پر فائز ہونے کی وجہ سے مجبور نہ ہو گیا۔

بظاہر اس کا ایک ہی جواب ہے اور وہ یہ کہ حضورؐ کے تینوں خلفاءؓ کے نزدیک حضرت علیؓ کا وجود بے حد قیمتی تھا۔ حضورؐ سرورِ کائنات تو دنیا سے تشریف لے جاچکے تھے آپؐ کے بعد حضرت علیؓ کا وجود ہی ایسا وجود تھا جس نے حضورؐ کی صحبت سے

سب سے زیادہ فیض اٹھایا تھا۔ جو خلوت وجلوت میں حضورؐ کے ساتھ رہا تھا۔ وہ حضورؐ کا براہ راست تربیت یافتہ تھا۔ خلفائےؓ ثلاثہ نہیں چاہتے تھے کہ ایسے قیمتی وجود کو ضائع کر دیں۔ وہ اسے ہر وقت اپنی آنکھوں کے سامنے رکھنا چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ کو نہ تو کسی جنگ میں بھیجنا پسند کیا اور نہ کسی صوبہ کا گورنر بنا کر مدینہ سے باہر رکھنا گوارا کیا۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ حضرت علیؓ نے خلفائے ثلاثہ کے عہد میں ملکی اور انتظامی معاملات میں کوئی حصہ ہی نہیں لیا۔ اس زمانے کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ تینوں خلفاء نے حضرت علیؓ کی خدمات سے فائدہ اُٹھایا اور حضرت علیؓ نے ان سے پوری طرح تعاون کیا۔ انہوں نے ہر نازک موقعہ پر حضرت علیؓ سے مشورے طلب کئے اور ان کے مشوروں پہ کاربند بھی ہوئے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ خلفائے ثلاثہ کے عہد میں حضرت علیؓ کی حیثیت مشیر خصوصی کی تھی۔ اس دور میں اہم امور کے متعلق فتوے دینے کا کام بھی حضرت علیؓ کے سپرد تھا بلکہ حضرت علیؓ اس عہد کے مفتیٔ اعظم تھے۔

جب اسلامی فوجیں مشرق ومغرب اور شمال وجنوب کی طرف پیش قدمی کرتی ہوئی فتح ونصرت کے پرچم اڑا رہی تھیں۔ اس وقت حضرت علیؓ گوشۂ تنہائی میں بیٹھے صرف اللہ اللہ ہی نہیں کر رہے تھے۔ بلکہ وہ اس وقت مسجد نبوی میں دینیات فلسفہ و منطق اور تاریخ کے علوم پر درس دے رہے تھے۔ اس طرح انہوں نے خلفائے ثلاثہ کے عہد میں مسلمانوں کی ذہنی تربیت اور علمی ترقی میں اہم ترین کردار ادا کیا۔ اس لئے یہ سمجھنا درست نہیں ہے کہ رسول اللہؐ کی وفات کے بعد سے لے کر اپنی بیعت خلافت تک کے درمیانی عرصے میں انہوں نے مسلمانوں کے انتظامی اور دینی امور میں کوئی حصّہ

نہیں لیا اور ہر معاملے سے دست کش رہے۔

حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں

اس میں شک نہیں کہ حضور سرور کائناتؐ کے وصال کے بعد جب اہل مدینہ نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی تو ابتدا میں حضرت علیؓ نے بیعت کرنے سے احتراز کیا۔ مگر یہ مسلّمہ امر ہے کہ کچھ عرصے کے بعد انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کو اپنے گھر بلایا۔ دونوں میں گفتگو ہوئی جو خالص مصالحانہ تھی۔ کچھ شکوہ و شکایات ہوئیں اور پھر حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ ابتدا میں حضرت علیؓ کی بیعت سے دست کشی تاریخ اسلام میں بہت سے اختلافی موضوعات کا باعث بنی اور مورخین کی اکثریت اس نتیجہ پر پہنچی کہ حضرت علیؓ اپنے آپ کو خلافت کا زیادہ مستحق سمجھتے تھے اور چونکہ ان کا حق انہیں نہیں دیا گیا تھا۔ اس لئے وہ بیعت سے دستکش ہو گئے۔ مگر پھر اپنے حق کی قربانی منظور کر کے اور اسلام کے استحکام کے پیش نظر انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی کہ مبادا ان کے بیعت نہ کرنے سے امت میں تفرقہ نہ پیدا ہو جائے۔ گو مورخین کا یہ خیال درست نہیں کہ حضرت علیؓ خلافت کے خواہشمند تھے۔ تاریخ ثابت کرتی ہے کہ وہ نہایت بے نفس اور مستغنی المزاج انسان تھے۔ لیکن اگر یہ خیال درست بھی تسلیم کر لیا جائے۔ تو بھی اعتراف کرنا پڑے گا۔ کہ حضرت علیؓ نے غیر معمولی ایثار سے کام لیا۔ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر کے نظم و ضبط اور تعاون کا بے مثال نمونہ قائم کیا اور امت کو بہت بڑے ابتلا سے بچا لیا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے مسندِ خلافت پر بیٹھتے ہی منکرینِ زکوٰۃ، مرتدین اور جھوٹے مدعیانِ نبوت کے ہاتھوں اسلام بہت بڑی مصیبت میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اگر اس وقت

حضرت علیؓ اپنے عقیدت مندوں کو منظم کر کے اپنے حق کے لئے صف آرا ہو جاتے۔ تو حالات اس درجہ نازک صورت اختیار کر لیتے کہ ہم ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔
مگر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ حضرت علیؓ نے نہ صرف حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کر لی بلکہ انہوں نے عملی امداد بھی فرمائی۔ چنانچہ جب مدینہ اور اہل مدینہ بلکہ بالفاظ دیگر اسلام سخت فتنوں میں مبتلا ہو گیا اور باغیوں نے مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں تو حضرت ابو بکرؓ نے اہل مدینہ کو جمع کر کے ایک لشکر مرتب کیا۔ جسے تین حصوں میں تقسیم کر کے مدینہ کے اہم ناکوں پر متعین کر دیا۔ ان میں سے ایک حصۂ لشکر کے سالار حضرت علیؓ تھے۔ تاریخ شہادت دیتی ہے کہ حضرت علیؓ نے آخر تک مدینہ کی حفاظت کی، اور تا وقتیکہ فتنوں کا سدِ باب نہ ہو گیا اور اہل مدینہ نے اپنے آپ کو محفوظ تصور نہ کیا۔ حضرت علیؓ نے اپنی جگہ نہ چھوڑی۔

حضرت ابو بکرؓ کو بھی حضرت علیؓ کے تعاون اور اس ابتلا میں ثابت قدم رہنے کا پورا احساس تھا۔ پھر وہ حضرت علیؓ کے بلند مرتبہ، ان کے علم و فضل اور اصابت رائے کے بھی قائل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے آخر تک حضرت علیؓ کی دلداری کی۔ وہ حضرت ابو بکرؓ کی مجلس مشاورت کے اہم رکن تھے۔ اس کے علاوہ تین اہم محکموں کے بھی انچارج تھے۔ داخلی اور خارجی امور کے متعلق ساری خط و کتابت انہیں کی زیر نگرانی ہوتی تھی اسیرانِ جنگ کی نگہداشت بھی ان ہی کے سپرد تھی۔ زرِ فدیہ کا حساب بھی وہی رکھتے تھے

حضرت عمرؓ کے عہد میں

حضرت ابو بکرؓ کی وفات کے بعد جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو دوسرے صحابہ کی طرح حضرت علیؓ نے بھی بغیر کسی پس و پیش کے ان کی بیعت کر لی اور آخر تک

ان کے ساتھ تعاون کرتے رہے۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی حضرت علیؓ اُن کے مشیر خصوصی تھے۔ وہ ان کے مشوروں کی بے حد قدر کرتے تھے اور ان کے مشوروں کو دوسروں کے مشوروں پر ترجیح دیتے تھے۔ بلکہ حضرت علیؓ نے جس قدر انتظامی اور اصلاحی اقدامات کئے تھے۔ ان میں سے بعض حضرت علیؓ کے مشوروں کے رہین منت تھے۔

تاریخ کے ابتدائی طالب علم کی نظر سے بھی حضرت عمرؓ کے یہ الفاظ گذرے ہونگے کہ :-

"اگر علیؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتا"

اس سے جہاں حضرت عمرؓ کے عہد میں حضرت علیؓ کی خدمات کا اندازہ ہوتا ہے وہاں حضرت علیؓ کی عظمت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ حضرت عمرؓ کی نظر میں حضرت علیؓ کی حیثیت کتنی بلند تھی اور ان کے دورِ خلافت میں حضرت علیؓ نے کیا رول ادا کیا۔ یہ معلوم کرنے کے لئے ذیل کے واقعات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

جب عراق کی جنگ میں اسلامی فوجوں کے سپہ سالار ابو عبیدؓ ایرانی فوج کے ایک ہاتھی کے پیر تلے کچلے گئے اور مسلمانوں کو شکست ہو گئی تو اس خبر نے سارے مدینہ میں غم و غصہ کی آگ لگا دی۔ حضرت عمرؓ کو اس واقعہ کا بے حد قلق ہوا اور انہوں نے اس شکست کا بدلہ لینے کے لئے اسلامی فوجوں کی از سرِ نو تنظیم کی۔ نہ صرف یہ بلکہ خود سپہ سالار بن کر میدانِ جنگ میں جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس موقع پر اپنا قائم مقام بنانے کے لئے ان کی نظر جس شخصیت پر پڑی وہ حضرت علیؓ تھے۔ انہوں نے حضرت علیؓ کو اپنا نائب مقرر کیا اور خود مدینہ سے کوچ کر دیا۔ مگر تین میل باہر جا کر جب پڑاؤ کیا تو اکابر

صحابہؓ نے انہیں مشورہ دیا کہ آپ کا جنگ میں جانا مناسب نہیں ہے اگر خدانخواستہ آپؓ شہید ہو گئے تو ہر طرف انتشار پیدا ہو جائیگا، اور اسلام کو سخت ضعف پہنچے گا۔ حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف یہ رائے دینے میں پیش پیش تھے۔ آخر حضرت عمرؓ نے سعدؓ بن ابی وقاص کو افواج اسلامی کا سپہ سالار بنایا اور خود مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

دوسرا واقعہ ــ جس سے حضرت علیؓ کے مرتبہ کے ساتھ ساتھ اس امر کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی نظر میں ان کی حیثیت کیا تھی ــ جب مسلمانوں نے بیت المقدس کا پوری شدت کے ساتھ محاصرہ کر لیا تو عیسائیوں نے تنگ آکر صلح کی درخواست کی۔ مگر شرط یہ رکھی کہ مسلمانوں کا امیر خود یہاں آئے اور اپنے ہاتھ سے امان نامہ لکھ کر دے۔ جب حضرت عمرؓ کو اس واقعہ کی اطلاع دی گئی۔ تو آپ نے تمام اکابر صحابہ کو جمع کیا۔ جن میں حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ بھی تھے اور ان حضرات سے پوچھا کہ اس معاملے میں ان کی کیا رائے ہے؟

حضرت عثمانؓ نے مشورہ دیا کہ عیسائی مسلمانوں سے مرعوب ہو چکے ہیں اور ان میں لڑنے کی سکت نہیں ہے۔ وہ ہر حالت میں صلح کریں گے۔ اگر ان کی درخواست رد کر دی گئی تو یہ امران کے لئے اور بھی ذلت کا باعث ہو گا اور اس سے مسلمانوں کی برتری ثابت ہوگی۔

حضرت علیؓ نے اس رائے سے اختلاف کیا اور حضرت عمرؓ کو یہ مشورہ دیا کہ میری رائے میں آپ کو بیت المقدس جاکر امان نامہ لکھنا چاہیئے۔ ان کے پیش نظر یہ نکتہ تھا کہ اس سے عیسائیوں کی دلجوئی ہو گی، وہ مسلمانوں کے اخلاق اور عالی ظرفی سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہیں گے اور یہ امر تبلیغ اسلام کے لئے بے حد مفید ثابت ہو گا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی یہ جچی تلی اور انتہائی دانشمندانہ رائے قبول فرمائی۔

اب سوال یہ پیدا ہوا کہ اپنے پیچھے اپنا قائم مقام کسے بنائیں۔ مدینہ صحابہ سے

بھرا پڑا تھا۔ جن میں ایک سے ایک پایہ کے بزرگ موجود تھے۔ مگر اس موقعہ پر بھی حضرت عمرؓ کی نگاہِ انتخاب جس شخصیت پر پڑی وہ حضرت علیؑ تھے۔ انہوں نے خلافت کے کاروبار حضرت علی کے سپرد کئے اور خود بیت المقدس روانہ ہو گئے۔ (ابن خلدون جلد ۲)

تاریخ گواہی دیتی ہے کہ حضرت علیؓ نے اس امانت کی بڑی دیانت اور قابلیت سے حفاظت کی۔ اور جب صاحب امانت واپس آگیا۔ تو اس امین نے یہ امانت اس کے سپرد کر دی۔ صرف یہی نہیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے بعض ایسے مشورے بھی حاصل کئے جن پر عمل کرنے کے بعد مسلمانوں کی عظیم الشان سلطنت کے انتظامی امور میں زبردست انقلاب آیا بلکہ بعض اصلاحات صرف اور صرف حضرت علیؓ کے مشوروں سے جاری ہوئیں۔ ان اصلاحات میں سب سے بڑی اور اہم اصلاح سن ہجری کا اجرا ہے۔

اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ سنہ ۱۶ھ میں حضرت عمرؓ کی خدمت میں ایک چک پیش کیا گیا۔ جس پر "شعبان" کا لفظ درج تھا۔ حضرت عمرؓ نے یہ لفظ پڑھکر فرمایا کہ اس سے یہ کس طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ گذشتہ شعبان مراد ہے یا موجودہ۔ چنانچہ صرف اسی ضرورت کے لئے فوری طور پر مشاورتی اجلاس بلایا گیا۔ حضرت عمرؓ نے مقتدر صحابہ کے سامنے یہ معاملہ پیش کر کے ان حضرات کی رائے طلب کی۔ طے یہ پایا کہ ہمیں بھی ایرانیوں کی طرح اپنا سنہ جاری کرنا چاہیے۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ اسلامی سنہ کی ابتدا کب سے کی جائے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اسلامی سنہ کی ابتدا ہجرت نبویؐ کے تاریخی واقعہ سے کی جائے۔ حضرت عمرؓ اور دیگر ارکینِ مشاورت نے بھی حضرت علیؑ کی رائے سے اتفاق کیا اور اسی روز سے اسلامی سنہ جسے آج ہم سنہ ہجری کہتے ہیں جاری ہو گیا۔

اس واقعہ کے پانچ سال بعد یعنی ۲۱ھ میں پھر ایک ایسا نازک موقع پیش آگیا جب حضرت عمرؓ کو صحیح مشورے کی ضرورت پیش آئی اور انہوں نے حضرت علیؑ کی طرف دیکھا۔ واقعہ یوں ہے کہ جب اسلامی لشکر نے عراق کے بعد خوزستان بھی فتح کرلیا۔ تو ایران میں ہر طرف تہلکہ پڑ گیا۔ ابتدا میں ایرانی یہی سمجھتے تھے کہ اسلامی لشکر سرحدی مقامات پر حملہ کرنے کے بعد لوٹ مار کرے گا اور پھر واپس چلا جائیگا۔ مگر خوزستان کی فتح کے بعد انہیں ہوش آیا۔ شہنشاہ ایران بھی اس واقعہ سے بہت برافروختہ ہوا اور اس نے تمام فوجوں اور جنگجو قوموں کے نام حکم بھیجا کہ جلد سے جلد مسلمانوں کا مقابلہ کرنے اور انہیں خوزستان سے نکالنے کی تیاری کرو۔ چنانچہ ہر طرف تیاریاں شروع ہوگئیں۔ فوجیں بھرتی کی جانے لگیں اور چند ہی روز میں ڈیڑھ لاکھ انسانوں کا سمندر موجیں مارتا ہوا خوزستان کی طرف بڑھنے لگا۔ جب حضرت عمرؓ کو ان واقعات کی اطلاع دی گئی تو انہوں نے صحابہ کو مسجد نبوی میں جمع کیا اور کہا کہ آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ سارا ایران مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے کمربستہ ہوگیا ہے۔ اس معاملے میں آپ لوگوں کی کیا رائے ہے طلحہ بن عبید اللہ نے کہا کہ امیر المومنین! آپ کا تجربہ بہت وسیع ہوچکا ہے۔ آپ جو حکم دیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے۔

حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میری رائے میں بصرہ، یمن اور شام کے گورنروں کو لکھا جائے کہ اپنی فوجیں لے کر عراق کی طرف روانہ ہوجائیں اور آپ اہل مدینہ کو لیکر تشریف لے جائیں۔ یہ ساری فوجیں کوفہ میں جمع ہوں۔ اس کے بعد نہاوند کی طرف کوچ کردیا جائے۔ سب لوگوں نے حضرت عثمانؓ کی رائے سے اتفاق کیا۔

حضرت علیؑ ابھی تک خاموش بیٹھے تھے۔ آخر حضرت عمرؓ نے انہیں مخاطب

کر کے پوچھا۔ آپ کی کیا رائے ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر شام اور بصرہ سے فوجیں ہٹا لی گئیں تو میدان صاف پاکر دشمن ان علاقوں پر قبضہ کر لیگا اور اگر آپ مدینہ چھوڑ کر چلے گئے۔ تو عرب کے امن کے لئے خطرہ پیدا ہو جائیگا اور یہ اندرونی انتشار بڑی تباہی کا باعث ہوگا۔ اس لئے میری رائے میں آپ مدینہ نہ چھوڑیں۔ بلکہ شام، بصرہ اور یمن وغیرہ کے گورنروں کو لکھیں کہ اپنی فوجوں کا ایک تہائی حصہ مدینہ روانہ کر دیں۔

حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی رائے سے اتفاق کیا اور اس پر عمل کیا۔ اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو فتح عنایت کی اور دشمن خائب و خاسر ہوا۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں

جب حضرت عمرؓ پر ابو لولو نامی ایک عجمی نے قاتلانہ حملہ کیا اور انہیں زخموں سے جانبر نہ ہونے کا یقین ہو گیا تو انہوں نے خلیفہ کے انتخاب کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی۔ یہ کمیٹی اچھے افراد پر مشتمل تھی۔ اس میں دیگر حضرات کے علاوہ حضرت علیؓ بھی شامل تھے حضرت عمرؓ کی خواہش تھی کہ ان کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ ہوں۔ مگر چونکہ قریش کے ساتھ حضرت علیؓ کے مراسم اچھے نہ تھے۔ کیونکہ کفر و اسلام کی ابتدائی جنگوں میں ان کے ہاتھ سے قریش کے بڑے بڑے نامی گرامی سردار مارے جا چکے اور مقتول سرداروں کے پسماندگان ان سے کبیدہ خاطر تھے۔ اس لئے حضرت عمرؓ کو اندیشہ تھا کہ وہ لوگ حضرت علیؓ کی اطاعت سے منحرف ہو جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ امت کو اختلاف و انتشار سے بچانے کے لئے انہوں نے حضرت علیؓ کو نامزد نہ کیا۔ دوسرے کسی کو نامزد کرنا انہوں نے اس لئے بھی پسند نہ کیا کہ یہ امر اسلامی جمہوریت اور خود عربوں کے مزاج و روایات

کے خلاف تھا۔ بہر حال اگر یہ دو رکاوٹیں نہ ہوتیں تو غالب خیال یہی ہے کہ حضرت عمرؓ کے بعد حضرت علیؓ کا انتخاب عمل میں آتا۔

حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد جب خلیفہ کا انتخاب کرنے والی کمیٹی نے حضرت عثمانؓ کو خلیفہ منتخب کیا تو حضرت علیؓ نے بھی ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی، اور حضرت عثمانؓ بھی حضرت علیؓ کے مشوروں سے فائدہ اُٹھاتے رہے۔ یہاں تک کہ مفسدین کے ایک گروہ نے حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت کر کے یورش کی اور اسلام ایک خطرناک خلفشار سے دوچار ہو گیا۔ اس نازک ترین موقعہ پر حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کی پوری طرح مدد کی۔ اُنہیں قیمتی مشورے بھی دیئے۔ ان کی مدافعت میں تقریریں بھی کیں۔ باغیوں کو سمجھایا بھی، اور آخر کار حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لئے باغیوں کے ساتھ جنگ کی پیشکش بھی کر دی (آئندہ صفحات میں ان واقعات پر ایک علیحدہ باب باندھا گیا ہے) اس کے بعد وہ لرزہ خیز واقعہ پیش آیا جس کے نتیجے میں حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے اور اسلام میں اختلافات کا ایسا دروازہ کھلا جو آج تک بند نہ ہو سکا۔

حضرت علیؓ

اور

شہادتِ عثمانؓ
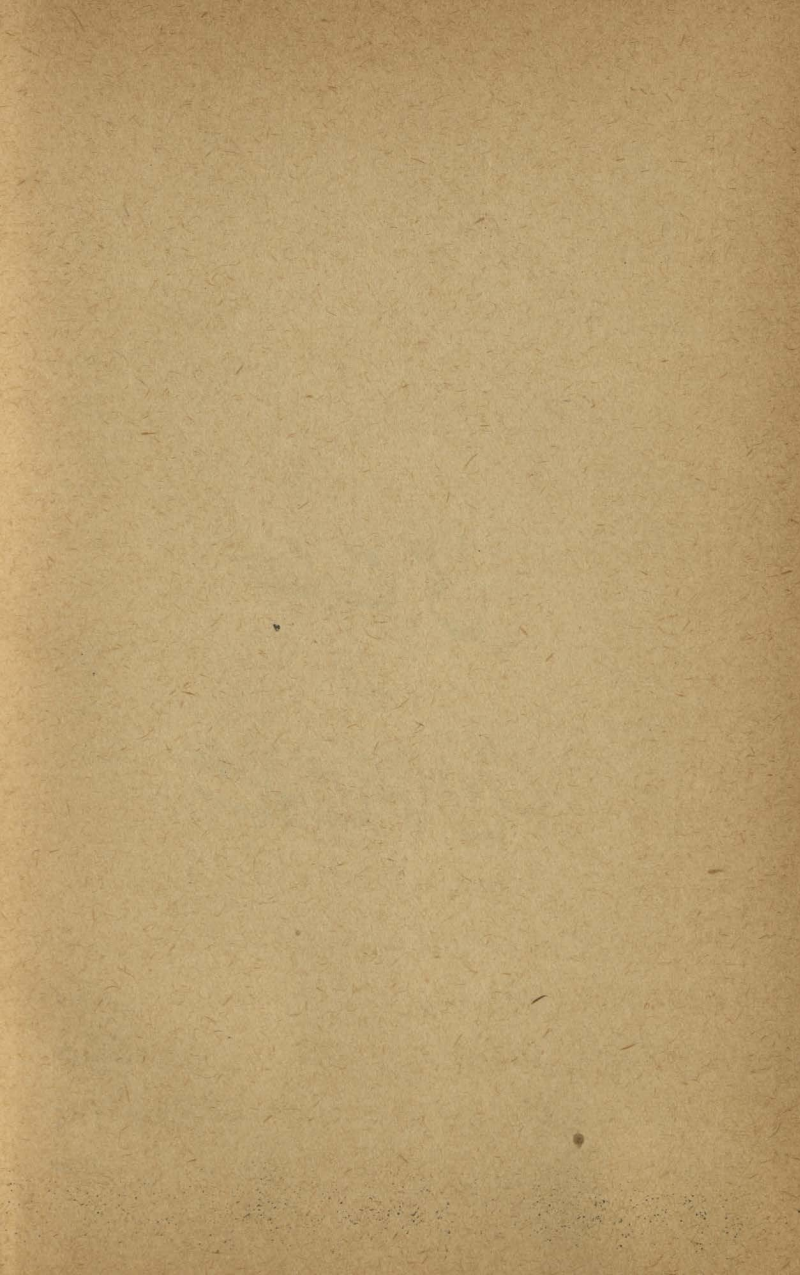
حضرت علیؓ
اور
شہادتِ عثمانؓ

حضرت عثمانؓ کی خلافت کا زمانہ بارہ دن کم بارہ سال بنتا ہے۔ اس میں سے ابتدائی چھ سال تو امن وامان سے گذر گئے۔ لیکن آخری چھ سال پے در پے مصائب کا ایک طویل سلسلہ لے کر آئے۔ اس زمانے میں نت نئے فتنوں نے سر نکالا۔ حضرت عثمانؓ کے طور طریقوں پر اعتراضات شروع ہوئے ان کے مقرر کردہ عمال کے طرقِ کار پر کڑی تنقید کی گئی۔ مختلف اطراف وجوانب سے وفود پر وفود شکایات لے کر آنے لگے۔ حضرت عثمانؓ کو خلافت سے معزول کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ آخر کار اس مظلوم

خلیفہ رسول کو انتہائی بے بسی کے عالم میں نہایت بے دردی سے ذبح کر ڈالا گیا۔

حضرت عثمانؓ پر اعتراضات صحیح تھے یا غلط؟ ان کے اعمال وافسران پر تنقید بجا تھی یا بے جا؟ اس بحث کا یہ موقع نہیں اور نہ موضوع اس کی اجازت دیتا ہے کیونکہ ہم گفتگو حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت پر کر رہے ہیں۔ نہ کہ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت پر۔ انشاء اللہ ہم اپنی آئندہ تصنیف "عثمانؓ اور ان کی خلافت" میں اس موضوع پر تفصیلی بحث کریں گے۔ یہاں مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے خلاف جو فتنے اُٹھے۔ ان میں کسی غلط فہمی کی بنا پر حضرت علیؓ کو بھی ملوث کر دیا گیا۔ حالانکہ ان کا دامن ان فتنوں اور آلائشوں سے بالکل پاک تھا۔ حضرت علیؓ کی بے گناہی کی تائید یا تردید کرنے اور یہ بتانے کے لئے کہ ان واقعات میں انہوں نے کیا کردار ادا کیا۔ ضروری ہے کہ ان واقعات کے اس سلسلے پر ضرور گفتگو کی جائے۔ جو حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے درمیان قائم کیا جا سکتا ہے یا قائم ہو سکتا ہے۔

ابن سبا کی تحریک

حضرت عثمان کے خلاف سازش تو عرصے سے ہو رہی تھی اور یہ سازش بڑی منظم تھی۔ مفسدین کا ایک جال تھا جو تمام عرب اور عجم میں پھیلا ہوا تھا۔ اس کے مرکز تین تھے۔ کوفہ، بصرہ اور مصر، مگر مصر اصل اور سب سے بڑا مرکز تھا۔ جہاں عبداللہ بن سبا نامی یہودی جو بظاہر اسلام لے آیا تھا مگر بباطن اسلام کا شدید دشمن تھا ان سازشیوں کی قیادت کر رہا تھا۔ ابن سبا یمن کا رہنے والا اور اپنے دور کا بڑا ذہین و ذکی اور بہترین منصوبہ باز شخص تھا۔ حضرت عثمانؓ کے خلاف جاری کی ہوئی ساری تحریک اسی کے سازشی ذہن کا ادنیٰ کرشمہ تھی۔ اس نے اپنی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے سب سے

پہلے اسلامی سلطنت کے طول وعرض میں سفر اختیار کیا۔ تاکہ لوگوں سے مل کر حالات معلوم کرے اور دیکھے کہ اس کی تحریک کے پروان چڑھنے میں کیا دقتیں ہیں اور کن کن مقامات کی زمین اس شجر سازش کی تخم ریزی کے لئے مفید ہو سکتی ہے۔ چنانچہ یہ یمن سے چل کر سب سے پہلے بصرہ گیا۔ بصرہ سے کوفہ۔ کوفہ سے دمشق اور دمشق سے فسطاط علاقہ مصر گیا۔ وہ جہاں جہاں ٹھہرا اور جدھر جدھر سے گذرا اپنی تحریک کے لئے زمین ہموار کرتا گیا۔ سوائے شام کے جہاں حضرت معاویہ رض جیسے باخبر، مدبر اور اعلیٰ درجہ کے منتظم گورنر کی حکومت تھی اسے ہر جگہ کامیابی ہوئی۔ اس کا طریق کار یہ تھا کہ جس شہر میں جاتا وہاں کے جرائم پیشہ لوگوں سے ملتا۔ جن لوگوں کو مختلف جرائم کی پاداش میں حکومت کی طرف سے سزا مل چکی تھی انہیں اپنے ہاتھ میں لیتا ان سے اظہار ہمدردی کرتا اور انہیں بتاتا کہ تمہاری ساری تکلیف کا باعث حضرت عثمان رض کے مقرر کردہ عمال ہیں۔ اگر انہیں تبدیل کر دیا جائے۔ تو تمہیں کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔ وہ لوگ تو پہلے ہی اپنی جرائم کی وجہ سے حضرت عثمان رض کے عمال کے زخم خوردہ ہوتے تھے ابن سبا کی انگیخت سے اور بھڑک اُٹھتے اور عمالِ عثمانی کے خلاف مشتعل ہو جاتے کچھ سادہ لوح لوگ بھی اس کے دامِ تزویر میں پھنس جاتے۔ اس طرح اس نے سلطنتِ اسلامی کے تمام بڑے بڑے شہروں میں اپنا اثر و نفوذ قائم کر لیا اور ان مقامات پر اپنے نائب مقرر کر دیئے تاکہ ان سے رابطہ قائم کر کے سازش کی تکمیل کی جائے۔ اس نے اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ضروری سمجھا کہ مسلمانوں کے عقائد میں بھی تحریف کی جائے۔ چنانچہ ایسے عقائد اختراع کئے جو اس کی تحریک کو پروان چڑھانے میں ممد و معاون ہو سکتے تھے۔ مثلاً

(۱) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوئے بلکہ زندہ ہیں اور عنقریب واپس تشریف لائیں گے۔

(۲) ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے۔ رسول اللہؐ کے وصی حضرت علیؓ ہیں۔

اس شخص نے ان عقائد کا خوب پراپیگنڈا کیا اور رفتہ رفتہ ایک طبقے کے ذہن میں یہ خیالات قائم کر دیئے۔ اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ خلافت کے مستحق نہیں ہیں۔ خلافت کا مستحق تو وہ شخص ہو سکتا ہے۔ جو نبی کا وصی ہو۔ چونکہ نبی کریمؐ کے وصی حضرت علیؓ ہیں۔ اس لئے خلافت انہیں کا حق ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جب کسی خلیفہ کی خلافت ہی مشکوک ہو جائے بلکہ لوگ اسے غاصب سمجھنے لگیں۔ تو اس کے ساتھ وفاداری اور اس کے احکام کی تعمیل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس طرح اس نے عامۃ المسلمین کے دلوں میں درپردہ حضرت عثمانؓ کے خلاف نفرت کا بیج بو دیا۔ مگر چونکہ بلا کا ذہین وفطین شخص تھا اس لئے ابتدا میں نہ خود حضرت عثمانؓ کے خلاف زبان کھولی اور نہ اپنے نائبین کو اس کی اجازت دی۔ بلکہ صرف حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ عمال کے خلاف لوگوں کو مشتعل کیا اپنے نائبین اور داعیوں کو ہدایت کر دی کہ جہاں جاؤ تقویٰ ظاہر کرو لوگوں کو نیکی اور اعمالِ خیر کی تلقین کرو۔ اس سے مقصد یہ تھا کہ لوگ اس کے داعیوں کا ظاہر التقوے دیکھکر اور پاکیزہ خیالات سن کر ان کی بے نفسی اور نیکی کا یقین کر لیں۔ انسانی نفسیات یہی ہے کہ جب کوئی شخص کسی کی نیکی، بے نفسی اور تقویٰ سے متاثر ہو جاتا ہے۔ تو عام طور پر اس کی ہر بات بلا چون وچرا تسلیم کر لیتا ہے۔ چنانچہ یہی ہوا اور رفتہ رفتہ ابن سبا کے نائبوں اور واعظین نے ایک طبقے کو اپنا ہم خیال بنا لیا۔ جب ان کا جادو چل گیا تو انہوں نے حضرت عثمانؓ کو بھی مطعون کرنا شروع کر دیا اور عمال کے ساتھ ان کی

شخصیت اور ذات بھی ہدفِ ملامت بننے لگی۔

فتنہ کا ظہور

جب زمین ہموار ہو گئی، فصل بو دی گئی اور وہ پکنے کے قریب آگئی، تو اسے کاٹنے کے لئے ابن سبا نے اپنے کارندوں کو اشارہ کیا اور وہ گروہ در گروہ مختلف مقامات سے مدینہ کی طرف روانہ ہونے کے لئے تیار ہو گئے۔ پہلے سال صرف مصر کے لوگوں کا ایک گروہ مدینہ روانہ ہوا اور مدینہ پہنچ کر شہر سے دو تین میل دور خیمے نصب کر دیئے ایک سوچی سمجھی سکیم کے مطابق اس گروہ کے سربرآوردہ لوگ مدینہ آئے اور حضرت علیؓ سے مل کر ان کے سامنے اپنی شکایات پیش کیں، جن کی فہرست وہ پہلے سے مرتب کر کے اپنے ساتھ لائے تھے۔ انہوں نے حضرت علیؓ سے درخواست کی کہ ہم صرف اتنا چاہتے ہیں کہ آپ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں ہماری شکایات پہنچا دیں۔ تاکہ ہم ان کے ازالے کی کوشش کر سکیں۔ چونکہ یہ کوئی قابل اعتراض بات نہ تھی۔ بلکہ ایک آئینی طریقہ تھا۔ اپنے مطالبات اور شکایات پیش کرنے کا۔ اس لئے حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں تشریف لے گئے اور انہیں باغیوں کے خیالات و شکایات سے مطلع کیا۔ اس موقع پر آپ نے ایک تقریر کی جو ذیل میں درج کی جاتی ہے:۔

حضرت علیؓ کی تقریر

"لوگ میرے پاس آئے ہیں اور انہوں نے تمہاری بابت مجھ سے گفتگو کی ہے واللہ میں نہیں سمجھتا کہ تم سے کیا کہوں، وہ کون سی بات ہے جسے میں جانتا ہوں اور تم نہ جانتے ہو۔ نہ مجھے تم پر کسی معاملے میں سبقت حاصل ہے کہ میں تمہیں بتاؤں۔ نہ کوئی بات ہے جو مجھے معلوم ہو اور میں تم کو نہ بتاؤں۔ تم نے رسولؐ اللہ کو دیکھا ہے اور تمہیں

ان کی صحبت حاصل ہوئی ہے۔ تم نے ان کی زبان مبارک سے بہت کچھ سنا ہے۔ تمہیں ان کی دامادی کا شرف بھی حاصل ہے۔ نہ ابنِ قحافہ تم سے افضل تھے اور نہ ابن خطاب کیونکہ ان دونوں کو رسول اللہ کی دامادی کا شرف حاصل نہ تھا۔[1] پس اللہ اللہ تم اپنے متعلق غور کرو۔ ایسا نہیں ہے کہ تم بے بصیرت ہو اور نہ ایسا ہے کہ تم جہالت کی وجہ سے بے خبر ہو۔ بیشک راستہ واضح اور صاف ہے اور دین کی نشانیاں قائم ہیں۔ اے عثمانؓ غور کرو۔ اللہ تعالےٰ کے بندوں میں سے افضل وہ امام ہے جو عدل پسند ہے کہ وہ خود بھی ہدایت یافتہ ہے اور دوسروں کو بھی ہدایت دیتا ہے پس اس نے سنت کو قائم اور بدعت کو مسترد کیا۔ واللہ یہ دونوں کھلے ہوئے امور ہیں۔ بے شک سنتیں بھی قائم ہیں اور بدعتیں بھی اور ان کی نشانیاں بھی اور بے شک اللہ کے نزدیک ظالم امام شریروں میں سے ہے کہ خود بھی گمراہ ہوا اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ اس نے سنت کو مردہ اور بدعت کو زندہ کیا اور میں تم کو اللہ تعالےٰ کی سطوت اور انتقام سے ڈراتا ہوں کہ تم اس امت کے امام مقتول ہو۔ تمہارے قتل سے اس پر قیامت تک کے لئے جدال و قتال کا دروازہ کھل جائے گا اور اس کے لئے شک وشبہ اور تلبیس کے مواقع پیدا ہو جائینگے اور ایک گروہ باطل کی وجہ سے حق کو نہ دیکھ سکے گا اور وہ الگ ہو جائے گا اور اس

---

[1] دل نہیں مانتا کہ حضرت علیؓ نے یہ الفاظ کہے ہوں۔ اس لئے کہ حضرت علیؓ سے بہتر اس حقیقت سے اور کون واقف ہو سکتا تھا کہ اسلام میں فضیلت نبیؐ کے ساتھ قرابت داری کی بنا پر کوئی معنی نہیں رکھتی۔ یہاں تو فضیلت کا صرف ایک معیار ہے اور وہ یہ کہ

"ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم"

ہنگامے میں بڑا انتشار اور اختلاف پیدا ہوگا۔ (ابن خلدون)

غرض حضرت علیؓ نے اپنی تقریر میں حضرت عثمانؓ کے سامنے عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرنے پر زور دیا اور نتائج سے آگاہ کیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے وہ شکایات بھی بیان کیں جو مفسدین نے ان تک پہنچائی تھیں۔ حضرت علیؓ نے ان شکایات کے ازالہ کی بھی تحریک کی اور خصوصاً اس معاملے پر زیادہ زور دیا کہ عمال کے تقرر اور ان کے افعال کی نگرانی سختی سے کرنی چاہئے۔

حضرت عثمانؓ کا جواب

حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کی تقریر سن کر فرمایا کہ:۔

"میں نے تو ان بہت سے عمال کو برقرار رکھا ہے جنہیں میرے پیشرو مقرر کر گئے تھے۔ مثال کے طور پر مغیرہؓ بن شعبہ کو حضرت عمرؓ نے والی بنایا تھا۔ میں نے بھی ان کی ولایت برقرار رکھی۔ امیر معاویہؓ بھی حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ ہیں۔ اس لئے میں نے بھی انہیں قائم رہنے دیا۔ ابن عامر سے میری قرابت داری کا حال تمہیں بخوبی معلوم ہے۔" (ابن خلدون)

اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ:۔

یہ صحیح ہے کہ ان لوگوں کو عمرؓ نے مقرر کیا تھا۔ مگر عمرؓ جسے مقرر کرتے تھے۔ اس کو اس کے اعمال کی سزا بھی دیتے تھے اور معمولی سی غلطی پر سخت گرفت کرتے تھے۔ مگر تم تو نرمی کا برتاؤ کرتے ہو۔ عمرؓ کے مقرر کردہ عمال کا تو یہ عالم تھا کہ وہ عمرؓ سے اتنا ڈرتے تھے کہ شاید ان کا غلام یرفا بھی ان سے اتنا نہ ڈرتا ہو اور معاویہؓ تمہارے مشورے کے بغیر جو چاہتا ہے کرتا ہے اور پھر ان امور کو تم سے منسوب کر دیتا ہے

مگر تم قطعاً باز پرس نہیں کرتے۔ (ابن خلدون)

حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ کی باتوں سے بہت متاثر ہوئے اور ان سے کہا کہ میں جائز شکایات کے ازالے کی پوری کوشش کروں گا۔ آپ ان لوگوں کو سمجھا بجھا کر واپس کر دیجئے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے باغیوں کو سمجھا بجھا کر مدینہ سے مصر واپس بھیج دیا۔ (ابن اثیر جلد سوم)

دوسرا حربہ

یہ طریق کار باغیوں کے حق میں کچھ مفید ثابت نہ ہوا۔ انہیں حضرت علیؓ سے جو توقعات تھیں وہ پوری نہ ہوئیں۔ کیونکہ ان کا خیال تو یہ تھا کہ حضرت علیؓ عزل عثمانؓ میں باغیوں کا ساتھ دیں گے۔ مگر حضرت علیؓ نے تو معاملہ رفع دفع کر کے انہیں واپس بھجوا دیا۔ اس لئے فیصلہ کیا گیا کہ اگلے سال حج کے موقعہ پر صرف مصر سے نہیں۔ بلکہ کوفہ، بصرہ اور مصر تینوں جگہ سے باغیوں کے گروہ مدینہ جائیں اور حضرت عثمانؓ کو خلافت سے معزول کرنے کی کوشش کریں۔ اگر وہ معزول ہونے سے انکار کریں تو انہیں قتل کر دیا جائے چنانچہ اس فیصلہ کے مطابق اگلے سال کوفے، بصرے اور مصر سے باغیوں کے تین گروہ حج کے بہانے سے مصر روانہ ہوئے۔ (ابن اثیر جلد سوم)

مدینہ پہنچ کر تینوں گروہ ایک دوسرے سے مل گئے۔ شہر سے دو تین میل دور ان لوگوں نے پڑاؤ ڈال لیا اور پہلے سے سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق تینوں گروہوں کے سربرآوردہ لوگ شہر میں داخل ہوئے۔ یہ لوگ باری باری حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے سامنے اپنی شکایات کی فہرست پیش کر کے کہا کہ چونکہ حضرت عثمانؓ امور خلافت کی انجام دہی میں نااہل ثابت ہوئے ہیں اور ان کی وجہ سے

انتشار اور بددلی پیدا ہو گئی ہے اس لئے انہیں معزول کر دیا جائے۔ اس صورت میں ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے مگر ان دونوں حضرات نے باغیوں اور مفسدوں کو سخت سست کہہ کر اپنے پاس سے اٹھا دیا۔ آخر اس طرف سے مایوس ہو کر یہ لوگ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بھی وہی باتیں کیں جو حضرات طلحہؓ و زبیرؓ سے الگ الگ مل کر کر چکے تھے۔ حضرت علیؓ ان کی گفتگو سن کر سخت غضبناک ہوئے اور فرمایا کہ تم لوگ میرے سامنے سے دور ہو جاؤ آئندہ اس قسم کی گفتگو نہ کرنا۔ (ابن خلدون)

آخر حضرت عثمانؓ تک بھی یہ اطلاع پہنچ گئی کہ باغی مدینہ کے باہر ڈیرے ڈالے پڑے ہیں اور آپ کے خلاف اعتراض کرتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے ان کے نمائندوں کو طلب کیا اور فرمایا کہ تم اعتراضات بیان کرو میں جواب دوں گا۔ باغیوں نے تفصیل سے اپنے اعتراضات پیش کئے اور حضرت عثمانؓ نے دلائل کے ساتھ ہر اعتراض کا کافی و شافی جواب دیا۔ آخر لاجواب ہو کر یہ لوگ حضرت عثمانؓ کے پاس سے اُٹھ گئے اور شہر سے باہر اپنے خیموں میں چلے گئے۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کو بلا کر فرمایا کہ آپ ان لوگوں کو سمجھا بجھا کر واپس کر دیں۔ حضرت علیؓ ان لوگوں کے پاس تشریف لے گئے اور ان لوگوں کو سمجھا بجھا کر ان مقامات کی طرف واپس بھیج دیا جہاں سے یہ لوگ آئے تھے۔ (ابن خلدون)

پھر یورش

اہل مدینہ نے اطمینان کا سانس لیا اور لوگوں نے سمجھا کہ اب یہ بلا ٹل گئی مگر اہل مدینہ کو اس وقت معلوم ہوا کہ ان کا خیال غلط تھا جب مدینہ کی گلیاں اللہ اکبر کے نعروں سے گونجنے لگیں اور گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں آنے والے خطرات کا اعلان کرنے لگیں۔ لوگ اپنے گھروں سے نکل آئے۔ مدینہ باغیوں سے بھرا ہوا تھا اور ہر طرف سے انتقام انتقام کی آوازیں آ رہی تھیں۔ حضرت علیؓ بھی اپنے گھر سے باہر تشریف لائے اور باغیوں سے پوچھا کہ تم دوبارہ مدینہ میں کیوں داخل ہوئے۔ اس پر مصری گروہ نے حضرت علیؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم تو اپنے گھروں کو واپس جانے کی نیت کر کے مدینہ سے روانہ ہوئے تھے مگر ابھی راستے ہی میں تھے کہ ہمیں ایک شتر سوار ملا ہمیں اس پر شبہ ہوا جب ہم نے اسے روک کر

تماشی لی تو اس کے پاس سے امیرالمومنین کا خط نکلا جس میں حاکم مصر کے نام ہمیں سزا دینے اور ہم میں سے بعض کو قتل کر دینے کا فرمان درج تھا یہ ہمارے ساتھ بدعہدی اور کھلا ہوا ظلم ہے اس لئے ہم انتقام لینے آئے ہیں۔

حضرت علیؓ کی ذہانت۔

مصری گروہ کا بیان سنکر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ شتر سوار کو تو تم نے (جو مصر کی طرف جا رہے تھے) گرفتار کیا جبکہ تم کئی منزلیں طے کر چکے تھے اور لازمی طور پر اتنی ہی منزلیں کوفے اور بصرے کی طرف جانیوالے لوگ بھی طے کر چکے ہونگے پھر یہ کوفے اور بصرے والوں کو اس واقعہ کا علم بیک وقت کیسے ہو گیا جو تم سب ایک ہی وقت مجتمع ہو کر مدینے میں داخل ہو گئے واللہ تم سب کا جو ایک دوسرے سے مخالف سمت کو جا رہے تھے بیک وقت واپس آجانا صاف ظاہر کرتا ہے کہ تمہاری نیتیں ٹھیک نہیں۔ مگر مفسدین نے کہا کہ نہیں اس کے علاوہ ہمارا اور کوئی مقصد نہیں کہ ہم اس وعدہ خلافی اور سازش کی تحقیق چاہتے ہیں۔ آخر حضرت علیؓ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے حضرت عثمانؓ کے سامنے یہ معاملہ پیش کیا۔ اس موقعہ پر حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ میں جو گفتگو ہوئی۔ وہ ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

حضرت علیؓ۔ امیرالمومنین یہ اونٹنی آپ کی ہے؟

حضرت عثمانؓ۔ ہاں میری ہی ہے۔

حضرت علیؓ۔ اس خط پر مہر بھی آپ کی ہے؟

حضرت عثمانؓ۔ ہاں میری ہی مہر ہے۔

حضرت علیؓ۔ یہ خط بھی آپ نے لکھا ہے؟

حضرت عثمانؓ۔ میں خدا تعالیٰ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ نہ میں نے یہ خط لکھا ہے نہ کسی سے لکھوایا ہے اور نہ مجھے اس کے متعلق کچھ علم ہے۔

حضرت علیؓ۔ عجیب بات ہے کہ اونٹنی آپ کی، خط پر مہر آپ کی اور خط کے متعلق آپ کو کچھ معلوم نہیں؟ (ابن خلدون)

ایک روایت کے مطابق حضرت علیؓ کی استعجابیہ گفتگو کے جواب میں حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ "کیا مہر جیسی مہر نہیں بنائی جاسکتی اور کیا اونٹ چرایا جانا ممکن نہیں؟"

اس مکالمے کی حقیقت

حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کا یہ مکالمہ تاریخ ابن خلدون سے نقل کیا گیا ہے ابن اثیر اور طبری نے بھی کسی قدر اختلاف کے ساتھ یہ واقعہ بیان کیا ہے ہمیں اس سے انکار نہیں کہ ابن خلدون، ابن اثیر اور طبری بڑے پائے کے مؤرخ تھے اور تاریخ کی کوئی کتاب ایسی نہیں جس کی بنیاد ان مورخین کے بیانات پر نہ رکھی گئی ہو۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اگر ایک مورخ کے بیان کردہ دس واقعات صحیح ہیں تو باقی پانچ بھی ضرور ہی صحیح ہوں گے۔ اس لئے تاریخ پر قلم اُٹھانے والے ہر شخص کا فرض ہے کہ اس دَور کے ہر واقعہ پر غیر جانبدارانہ نقد کرے کیونکہ یہ بڑے ہنگامے کا دور تھا، اس دور کی روایات اور حضرت امام حسینؓ کے دور کی روایات کو جس قدر خلط ملط اور مسخ کیا گیا ہے تاریخ اسلام کے کسی دور کی روایات اور واقعات کے ساتھ اس قدر زیادتی کا سلوک نہیں ہوا۔ اس مکالمے کے سلسلے میں مندرجہ ذیل نکات خاص طور سے غور طلب ہیں۔

(۱) جیسا کہ اس مکالمے سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت علیؓ نے شتر سوار کے خط لے جانے والا واقعہ سن کر اہل مصر سے فرمایا کہ یہ سوار تو تمہیں ملا تھا۔ کوفے اور بصرے کے لوگوں کو اس کی خبر کیسے ہوگئی۔ جو تم بیک وقت واپس آگئے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ تمہاری نیتوں میں فتور ہے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ جب حضرت علیؓ نے اپنی فراست سے پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ فریب ہے اور انہوں نے ایک نہایت وزنی دلیل سے باغیوں کی سازش کے سارے تار و پود بکھیر دیئے تھے۔ پھر اس کے بعد حضرت عثمانؓ سے مناظرہ کرنا اور ان کے بیان کو تعجب انگیز قرار دینا کہاں تک درست ہے۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے درمیان اس قسم کا کوئی مکالمہ نہیں ہوا۔ یہ ایک فرضی روایت ہے۔ جسے ابن خلدون جیسے مورخ نے بھی اپنی کتاب میں شامل کر لیا۔

(۲) حضرت عثمانؓ نے خدا کی قسم کھا کر فرمایا کہ نہ میں نے یہ خط لکھا ہے نہ کسی سے لکھوایا ہے اور نہ مجھے اس کے متعلق کچھ علم ہے۔ اس کے بعد حضرت علیؓ کا یہ فرمانا کہ "عجیب بات ہے کہ اونٹنی آپ کی خط پر مہر آپ کی اور پھر بھی آپ کو اس خط کے متعلق کچھ علم نہیں"۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ کی قسم پر بھی اعتبار نہ آیا۔ حالانکہ اس گئے گذرے دور میں بھی جب دو آدمیوں میں تنازعہ ہو جاتا ہے اور ان میں سے ایک حلف اٹھا کر اپنی سچائی کا اقرار کرتا ہے۔ تو دوسرا فریق درگذر سے کام لیتا ہے۔ کیا حضرت علیؓ کی نظر میں حضرت عثمانؓ ایسے گئے گزرے تھے کہ وہ خدا کے مقدس وجود کو درمیان میں لا کر اس کی قسم کھا رہے تھے اور حضرت علیؓ کو یقین نہیں آتا تھا۔ اگر یہ واقعہ صحیح تسلیم کر لیا جائے۔ تو دونوں بزرگوں کی ایمانی حالت مشکوک ٹھہرتی ہے۔ اس لئے ہم ایک منٹ کے ہزارویں حصے کے لئے بھی ان بزرگوں میں سے کسی بزرگ کے تقدس اور دیانت پر شک کرنے کو تیار نہیں۔ نہ صرف اس لئے کہ ہماری عقیدت ہمیں ایسا کرنے پر مجبور کرتی ہے بلکہ ان حضرات کی سابقہ زندگی' ان کی خدمت اسلام اور حق گوئی و راستبازی کی خاطر طرح طرح کی اذیتیں برداشت کرنا۔

یہ امور ثابت کرتے ہیں کہ زندگی کے آخری دَور میں اگر یہ لوگ غلط بیانی اور دروغ گوئی سے کام نہ لے سکتے تھے۔ پھر یہ کہ ہمیں ان کی سابقہ زندگی میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا جس سے یہ ثابت ہو کہ انہوں نے کبھی خلافِ حقیقت کوئی بات کہی۔

مروان پر الزام؟

بعض حضرات نے جن میں امام طبری بھی شامل ہیں حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کا دامن بچانے کے لئے ایک تیسرے شخص کو درمیان لا کھڑا کیا۔ ہماری مراد مروان سے ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ طبری یا کسی اور مؤرخ نے مروان پر الزام اپنی طرف سے نہیں لگایا۔ یہ الزام باغیوں ہی نے لگایا تھا۔ قابلِ اعتراض بات تو یہ ہے کہ ان مؤرخین نے بغیر تحقیق کئے یہ الزام مروان سے وابستہ کرکے اس کی تصدیق کردی۔ حالانکہ یہ الزام واقعات کے خلاف ہے۔ ہمیں یہ امر تسلیم کرنے میں ذرہ برابر شک نہیں کہ مروان اپنے دَور کا بہت شریر اور مفسد انسان تھا۔ وہ بڑا ابن الوقت تھا۔ اس کے ہاتھوں اسلام پر...... بڑی بڑی مصیبتیں نازل ہوئیں۔ مگر اس سے یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ جس شخص نے ایک موقعہ پر شرارت یا فتنہ آرائی کی اس نے دوسرے موقع پر ضرور شرارت کی ہوگی۔ یہ صرف قیاس ہی نہیں۔ بلکہ واقعات اس کی تائید کرتے ہیں۔

(۱) کہا جاتا ہے کہ جب اس خط کو بغور دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ مروان کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس لئے فسادیوں نے مطالبہ کیا کہ مروان کو ہمارے حوالے کیا جائے مگر حضرت عثمانؓ نے یہ مطالبہ تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ خط مروان نے اس لئے لکھا تھا کہ مفسدین

کو عبرتناک سزائیں ملیں اور ان کے سرغنہ قتل کئے جائیں، تو اس نے صرف مصر ہی کے گورنر کو کیوں لکھا۔ کوفہ اور بصرہ کے گورنروں کو بھی کیوں نہ لکھ دیا۔ اس میں کون سی مصلحت تھی کہ ایک صوبے کے مفسد تو سزا پا جائیں اور باقی صوبوں کے مفسد اپنی من مانی حرکات کرنے کے لئے آزاد پھریں۔ مروان کا مقصد تو اسی صورت میں حاصل ہو سکتا تھا۔ جب ہر صوبے کے باغیوں کا قلع قمع ہو جاتا۔ اس لئے اگر یہ خط مروان نے لکھا تھا تو اسے مصر، بصرہ اور کوفہ تینوں ولایتوں کے گورنروں کو لکھنا چاہئے تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کارروائی مروان کی نہیں بلکہ انہیں مفسدین کی تھی۔

(۲) اگر یہ خط مروان نے اپنے ہاتھ سے لکھکر اور خلیفہ کی مہر لگا کر (جو بقول بعض لوگوں کے اس کی تحویل میں رہتی تھی) بیت المال کے غلام کے ذریعہ اسے مصر کی طرف روانہ کیا تھا۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ غلام کیوں نہ پیش کیا گیا۔ اس مقدمے میں سب سے مضبوط گواہ جو اس سارے واقعہ کا رازدار اور فیصلہ کن شاہد تھا۔ شروع سے آخر تک اس ڈرامے کے سٹیج پر نہیں آیا۔ اگر باغی اپنے دعوے میں صادق تھے اور یہ ان کی سازش نہیں تھی تو خط اور اونٹنی کے ساتھ وہ غلام بھی پیش کرنا چاہئے تھا جو یہ خط لے جا رہا تھا کیونکہ خط اور اونٹنی تو بول نہ سکتی تھی۔ غلام تو اپنی زبان سے شہادت دے سکتا تھا۔ اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ مروان کا اس واقعہ سے قطعاً تعلق نہیں یہ سارا شاخسانہ انہیں مفسدین کا پیدا کردہ تھا۔

(۳) حقیقت یہ ہے کہ اس خط کو مروان کی طرف منسوب کرنے میں باغیوں کے پیش نظر ایک خاص نکتہ تھا۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ خط مروان کا لکھا ہوا نہیں ہے نہ اس کا کوئی ثبوت تھا۔ جب اس کا لکھا ہوا نہیں تھا تو لازمی بات تھی کہ مروان کو

کسی طرح ان کے حوالے نہ کیا جاتا، اور جب مروان کو ان کے حوالے نہ کیا جاتا تو وہ اس الشوع کو بنیاد بناکر بآسانی یہ ہنگامہ بپا کرسکتے تھے کہ دیکھو جب مجرم کی نشان دہی کردی گئی تو پھر اسے ہمارے حوالے کیوں نہیں کیا جاتا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ خود خلیفہ بھی اس سازش میں شریک ہے۔ اس لئے اسے معزول کردینا چاہیے، اور انہوں نے ایسا ہی کیا کیونکہ یہی امر ان کی مقصد براری میں ان کا ممد و معاون ہوسکتا تھا۔ اس لئے کہ حضرت عثمانؓ کی بے گناہی تو ثابت ہوچکی تھی اور اب کوئی امر ایسا نہ تھا جسے بنیاد بناکر وہ اس فتنے کو ہوا دیتے۔ یہ وجہ تھی کہ انہوں نے اس خط کو مروان کی طرف منسوب کیا۔ ورنہ مروان کا اس سے کوئی تعلق نہ تھا۔

بہرحال حضرت علیؓ اور دوسرے مقتدر صحابہ نے انہیں سمجھا بجھا کر اس وقت تو واپس کردیا اور وقتی طور پر معاملہ رفع دفع ہوگیا۔ لیکن جب جمعہ کا دن آیا ـ تو مفسدین کی فتنہ آرائی نے شدت اختیار کرلی اور جس وقت حضرت عثمانؓ نماز جمعہ پڑھانے کے لئے مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر چڑھکر خطبہ دینے لگے۔ تو فسادیوں نے یورش کرکے ان پر پتھراؤ شروع کردیا۔ اس پتھراؤ سے حضرت عثمانؓ بے ہوش ہوکر منبر سے نیچے گر پڑے۔ (ابن اثیر)

اس حالت میں آپ کو اٹھا کر گھر لے جایا گیا۔ یہ دیکھکر حضرت حسینؓ بن علیؓ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص۔ حضرت ابوہریرہؓ۔ حضرت زیدؓ بن ثابت اور حضرت علیؓ اپنی جگہ سے اٹھے اور فسادیوں پر جھپٹ پڑے۔ اسی اثنا میں حضرت عثمانؓ کو ہوش آگیا اور انہوں نے حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ کو پیغام بھجوایا کہ میں اپنی جان کی خاطر مسلمانوں کا خون بہانا پسند نہیں کرتا اس لئے مفسدین سے لڑائی نہ کی جائے۔ (تاریخ طبری)

مجبوراً حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ نے جنگ کا خیال ترک کر دیا اور مسجد سے نکل کر حضرت عثمانؓ کی عیادت کے لئے ان کے گھر تشریف لے گئے۔

اس کے بعد مفسدین کی شرارتوں میں اضافہ ہونے لگا اور انہوں نے کھلم کھلا اعلان کر دیا کہ اگر عثمانؓ نے خلافت سے معزولی گوارا نہ کی، تو انہیں قتل کر دیا جائے گا مگر حضرت عثمانؓ نے یہ کہہ کر معزول ہونے سے انکار کر دیا کہ "ایک بار رسولؐ اللہ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اے عثمانؓ اللہ تعالےٰ تجھے ایک قمیض پہنائے گا۔ لوگ کہیں گے اسے اُتار دو۔ تو مت اتاریو۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ قمیض یہی خلافت ہے۔ حضرت عثمانؓ کے اس جوابِ صاف نے باغیوں کی لگائی ہوئی آگ پر تیل کا کام کیا۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور ایسی ناکہ بندی کی کہ کھانے پینے کی معمولی سے معمولی چیز بھی پہنچنی محال ہو گئی۔

اس دوران میں حضرت علیؓ اور بعض دوسرے اکابر صحابہ نے بار بار حضرت عثمانؓ کی خدمت میں درخواست کی کہ اگر آپ ہمیں اجازت دیں تو ہم ان مفسدین کا قلع قمع کر دیں مگر حضرت عثمانؓ نے ہر بار نہایت سختی سے یہی فرمایا کہ میں اپنی جان کی خاطر امت میں قتل و خون ریزی کسی قیمت پر گوارا نہ کروں گا۔ بلکہ ایک بار تو یہاں تک کہدیا کہ آج میری سب سے بڑی حمایت یہی ہے کہ میری خاطر کوئی مسلمان تلوار نہ اٹھائے۔ یہ دیکھکر حضرت علیؓ نے اپنے دو بیٹوں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو اسی طرح، حضرات طلحہؓ و زبیرؓ اور دوسرے صحابہ نے بھی اپنے اپنے بیٹوں کو حضرت عثمانؓ کے مکان کی حفاظت کے لئے بھیج دیا اور یہ لوگ بڑی مستعدی سے قصرِ خلافت کے دروازے پر پہرہ دینے لگے۔ آخر کار مفسدین نے حضرت عثمانؓ کے پاس صحابہ کی آمد و رفت بھی روک دی۔ تمام اکابر صحابہ کی نقل و حرکت

کی نگرانی ہونے لگی۔ بلکہ انہیں ان کے مکانوں یا ان کے علاقوں میں پابند کر دیا گیا۔
ایک بار حضرت علیؓ نے پانی کے تین مشکیزے اور کھانے کا کچھ سامان حضرت عثمانؓ کے
لئے بھجوایا۔ مگر وہ ان تک نہ پہنچنے دیا گیا۔ یہ کیفیت دیکھکر حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ
کو پیغام بھیجا کہ آپ مجھ سے مل لیں۔ حضرت علیؓ فوراً ان کے مکان کی طرف روانہ ہو گئے
مگر راستے میں باغیوں نے انہیں روک لیا اور آگے بڑھنے سے منع کر دیا۔ مجبوراً
حضرت علیؓ نے اپنا عمامہ اُتار کر حضرت عثمانؓ کی خدمت میں بھجوا دیا۔ یہ اپنی بے بسی کا
اظہار تھا۔ (ابن سعد)

اسی طرح دوسرے صحابہ نے بھی حضرت عثمانؓ تک پہنچنے کی کوشش کی مگر باغیوں
نے ہر ایک کو روک دیا۔ ایک بار رسول اللہ کی زوجہ مطہرہ ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضؓ
کھانے اور پینے کی کچھ چیزیں لیکر حضرت عثمانؓ کی خدمت میں جانے کے ارادے سے
روانہ ہوئیں تو باغیوں نے آپ کے ساتھ سخت کلامی کی اور انتہا یہ ہے کہ اس خچر کو ڈنڈوں
سے مارا جس پر ام حبیبہؓ سوار تھیں بعض مفسدوں نے آگے بڑھکر خچر کے بند کھول دیئے اور
اگر کچھ لوگ بڑھکر حضرت ام حبیبہؓ کو سنبھال نہ لیتے، تو وہ خچر سے گر پڑتیں اور معلوم نہیں اس
افراتفری میں ان کا کیا حال ہوتا؟

شہادتِ عثمانؓ

آخر اسی محاصرہ کے عالم میں چند اشخاص کنانہ بن بشر، سودان بن حمران، عمرہ بن
حمق اور محمد بن ابوبکرؓ مکان کی پچھلی جانب سے حضرت عثمانؓ کے گھر میں داخل ہو گئے
اس دن حضرت عثمانؓ کا روزہ تھا اور وہ قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے۔ محمد بن ابوبکرؓ
نے آگے بڑھکر حضرت عثمانؓ کی ریش مبارک پکڑ کر جھٹکا دیا اور کہا کہ اے بوڑھے تجھے ابھی

تک خلافت کی ہوس باقی ہے۔ حضرت عثمانؓ نے بڑی نرمی سے فرمایا کہ "اے میرے بھتیجے! اگر آج تمہارا باپ زندہ ہوتا اور وہ یہ منظر دیکھتا تو اسے کبھی پسند نہ کرتا۔" حضرت عثمان کے ان الفاظ نے محمد بن ابوبکرؓ کا سارا جوش وخروش ٹھنڈا کر دیا اور وہ شرمندہ ہو کر باہر آ گئے مگر باقی مفسدوں نے انہیں بڑی بے دردی سے شہید کر دیا۔ حضرت عثمانؓ کی بیوی حضرت نائلہ انہیں بچانے دوڑیں تو باغیوں کی ایک تلوار سے ان کی بھی انگلیاں کٹ گئیں۔ اس طرح رسول اللہ کا فدائی، شرم وحیا کا مجسمہ اور اسلام کے لئے اپنا سب کچھ لٹا دینے والا بزرگ صحابیٔ رسولؐ امت کو خونریزی سے بچانے کے لئے خود خاک وخون میں نہا کر اپنے مولا سے جا ملا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

جب حضرت علیؓ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو وہ اُفتاں وخیزاں حضرت عثمانؓ کے گھر تشریف لائے۔ یہاں حضرت عثمانؓ کی لاش خاک وخون میں لتھڑی پڑی تھی۔ آپ حضرت حسنؓ اور حسینؓ پر سخت ناراض ہوئے۔ باوجودیکہ جب فسادیوں نے حضرت عثمانؓ کے مکان پر یورش کی تھی، تو حضرت حسنؓ وحسینؓ نے ان کی پوری مدافعت کی بلکہ ایک صاحبزادے تو زخمی بھی ہو گئے۔ مگر حضرت علیؓ نے پھر بھی ان کی سرزنش کی۔ صرف زبانی نہیں بلکہ مکوں اور تھپڑوں سے انہیں مارا اور فرمایا کہ تمہارے پہرہ دینے سے کیا فائدہ ہوا جب امیر المومنین شہید کر دیئے گئے۔

افراتفری اور بدنظمی کا یہ عالم تھا اور لوگ مفسدوں سے اتنے خائف تھے کہ حضرت عثمانؓ دو دن تک بے گور وکفن پڑے رہے۔ تیسرے روز حضرت علیؓ کی ہدایت پر چند لوگوں نے رات کی تاریکی میں چھپ کر انہیں دفن کیا۔

حضرت علیؓ پر اعتراضات

یہ ہے ان واقعات کا ایک اجمالی خاکہ جو شہادتِ عثمانؓ کے سلسلے میں پیش آئے

پیشتر اس سے کہ ہم ان واقعات کا خلاصہ نکالیں اور انہیں ایک لڑی میں پرو کر دیکھیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ اعتراضات بھی بیان کر دیں جو شہادتِ عثمان کے سلسلے میں حضرت علیؓ پر عائد کئے جاتے ہیں۔

(۱) حضرت علیؓ جیسا صاحبِ اقتدار اور بزرگ صحابی مدینہ میں موجود تھا اور پھر بھی حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مفسدین کو حضرت علیؓ کی حمایت حاصل تھی۔

(۲) حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کو بچانے کی عملاً کوئی کوشش نہ کی۔

(۳) حضرت علیؓ مفسدین کے خلاف ایک بار بھی تلوار لے کر میدان میں نہ نکلے۔ حالانکہ وہ اپنے دور کے سب سے بڑے صاحبِ شمشیر تھے۔ اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ انہیں حضرت عثمانؓ سے کوئی ہمدردی نہ تھی۔

ایک طرف ان اعتراضات کو پیشِ نظر رکھئے اور دوسری طرف ان واقعات کے مندرجہ ذیل خلاصے پر نظر ڈالئے۔ جو گزشتہ صفحات میں بیان کئے جا چکے ہیں۔ پھر خود ہی نتیجہ نکل آئے گا کہ ان اعتراضات کی حیثیت کتنی بودی ہے۔

واقعات کا خلاصہ

(۱) حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں بعض شرارت پسند لوگوں نے ان کے خلاف ایک تحریک چلائی۔ انہیں اور ان کے عمال کو بدنام کرنا شروع کیا اور ایک طبقے کو اپنا ہم خیال بنا لیا۔

(۲) اہل مدینہ اور صحابہ جن میں حضرت علیؓ بھی شامل ہیں اس تحریک سے بالکل الگ رہے
(۳) جب فسادیوں نے پہلی بار مدینہ آکر حضرت عثمانؓ کی خدمت میں اپنی شکایات پیش کرنا چاہیں تو حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کو باغیوں کے خیالات سے مطلع کیا اور عمال وافسران کی کڑی نگرانی کرنے کا مشورہ دیا۔
(۴) حضرت علیؓ کی فہمائش پر باغی مدینہ سے واپس چلے گئے۔
(۵) جب مفسدین دوبارہ مدینہ آئے تو انہوں نے دیگر صحابہ کے علاوہ حضرت علیؓ کو بھی اپنی مقصد براری کے لئے استعمال کرنا چاہا۔ مگر حضرت علیؓ نے انہیں سختی سے ڈانٹ کر اپنے پاس سے بھگا دیا۔
(۶) اس بار بھی باغی حضرت علیؓ کی فہمائش پر مدینے سے چلے گئے۔
(۷) جب مفسدین تیسری بار مدینے آئے اور خط والے واقعہ کو بہانہ بنا کر انتقام کا نعرہ لگایا تو سب سے پہلے حضرت علیؓ ہی نے ان پر سخت جرح کی اور صاف صاف الفاظ میں کہا کہ تمہاری نیتیں ٹھیک نہیں ہیں تم فریب کر رہے ہو۔
(۸) نماز جمعہ کے موقعہ پر جب حضرت عثمانؓ پر پتھراؤ کیا گیا اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے تو حضرت علیؓ نے چند صحابہ کے ساتھ مل کر مفسدین کی سرکوبی کا ارادہ کیا۔ مگر حضرت عثمانؓ نے سختی سے منع کر دیا۔
(۹) اس کے بعد بھی متعدد بار حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ نے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں درخواست کی کہ آپ ہمیں اجازت عطا فرمائیں تو ہم باغیوں کا قلع قمع کر دیں مگر حضرت عثمانؓ نے اس کی اجازت نہ دی۔
(۱۰) حضرت علیؓ نے اپنے پیارے بیٹوں کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت پر مامور کیا جن میں سے ایک

حضرت عثمانؓ کی مدافعت کرتے ہوئے زخمی بھی ہو گیا۔

(۱۱) محاصرہ کے دوران میں حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے لئے پانی کے تین مشکیزے بھجوائے۔ مگر وہ ان تک نہ پہنچنے دیئے گئے۔

(۱۲) ایک بار حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کو بلایا تو آپ فوراً روانہ ہو گئے۔ مگر باغیوں نے آگے بڑھنے سے روک دیا آخر حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں اپنا عمامہ بھجوا کر واپس آ گئے۔

واقعات کے اس سلسلے پر نظر ڈالنے کے بعد صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ حضرت علیؓ کا شہادتِ عثمانؓ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ بلکہ حضرت علیؓ نے ہر موقعہ پر حضرت عثمانؓ کی امداد کی۔ زبانی بھی باغیوں کو سمجھایا اور دوبارا نہیں واپس بھجوا دیا۔ ان پر سختی اور ڈانٹ ڈپٹ بھی کی۔ اور جب حضرت عثمانؓ کی جان کے لالے پڑ گئے۔ تو ان کی مدافعت میں جنگ کرنے کی از خود پیش کش بھی کی اور ان کی خاطر تلوار اٹھانے سے ذرا بھی نہ ہچکچائے۔ اگر حضرت علیؓ کے دل میں حضرت عثمانؓ کے خلاف ذرا سی بھی کد ہوتی۔ اور وہ انہیں اپنے راستے سے ہٹانے کے خواہشمند ہوتے۔ تو جب مفسدین نے ان سے درخواست کی تھی کہ عثمانؓ کی معزولی میں ہمارا ساتھ دیں۔ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے، تو حضرت علیؓ ان کی پیشکش فوراً قبول کر لیتے۔ مگر تاریخ شاہد ہے کہ انہوں نے باغیوں کی اس پیشکش کو نہایت حقارت سے ٹھکرا دیا اور اس قدر سختی سے ڈانٹا کہ انہیں بھاگتے ہی بنی۔ ان حالات و واقعات کے پیش نظر ہمارے پاس کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم حضرت علیؓ کے پاک دامن کو حضرت عثمانؓ کے خون سے داغدار کریں۔

بیعتِ علیؓ

بیعتِ علیؓ

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مفسدین کا ایک گروہ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے درخواست کی کہ آپ ہماری بیعت قبول فرمالیں۔ مگر حضرت علیؓ نے بیعت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد مہاجرین و انصار نے حضرت علیؓ کو مجبور کیا اور کہا اس وقت آپ سے بہتر ہم میں اور کوئی نہیں ہے۔ مگر حضرت علیؓ نے انہیں بھی وہی جواب دیا جو پہلے دے چکے تھے اور فرمایا کہ

"میں امیر ہونے سے وزیر ہونا پسند کرتا ہوں۔ تم لوگ جسے خلیفہ منتخب کرو گے میں اس کے ہاتھ پر بیعت کر لوں گا۔" (ابن اثیر جلد سوم)

آخر لوگوں کے بار بار اصرار اور خصوصاً اصحابِ رسول اللہ کے مجبور کرنے سے آپ نے کانٹوں کا یہ تاج زیبِ سر کرنا منظور فرما لیا۔ ایک روایت کے مطابق جس میں تسک د

شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ رسول اللہ کے صحابہ حضرت علیؓ کی خدمت میں آتے تھے اور بار بار فرماتے تھے کہ ہم بغیر امام کے نہیں رہ سکتے۔ حضرت علیؓ جواب دیتے کہ میں ان حالات میں مداخلت نہیں کرتا۔ تم جسے مناسب سمجھو خلیفہ بناؤ۔ میں بھی اس سے اتفاق کر لوں گا۔ صحابہ کرام جواب دیتے۔ ہمیں آپ سے زیادہ کوئی شخص اس امر کا مستحق نظر نہیں آتا اور نہ ہم کسی اور کو پسند کرتے ہیں۔ (کفایت الطالب)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت علیؓ کی بیعت پر مدینہ کے صحابہ اور انصار و مہاجرین کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ انہیں خلیفہ صرف مفسدوں نے بنایا تھا۔ اُن مفسدوں نے جو قتل عثمانؓ میں شریک تھے۔ لیکن مستند تاریخیں اور معتبر روایات اس خیال کی مخالفت کرتی ہیں۔ چنانچہ یہ امر سطور بالا سے بخوبی ظاہر ہو گیا ہوگا۔ ذیل میں ایک غیر مسلم مورخ کی رائے درج کی جاتی ہے۔ اس سے کم از کم اس خیال کی تائید ضرور ہوتی ہے کہ حضرت علیؓ کو بیعت کے معاملہ میں اہل مدینہ کا مکمل تعاون حاصل تھا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے۔

"خاص مدینہ کے لوگ بھی علیؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔ اس لئے کہ جس وقت بنی (اکرم صلعم) نے مکہ سے ہجرت کی۔ اہل مدینہ اسی وقت سے اہل بیت کے معاون اور خیر خواہ تھے اور آخر تک جبکہ علیؓ کی بیعت کا سوال اُٹھا۔ اسی خیال پر قائم رہے ...... اس لئے بمقابلہ دوسرے لوگوں کے علیؓ کے خیر خواہوں اور مددگاروں کی تعداد کئی گنا زیادہ تھی۔"

(تمدن اسلام از جرجی زیدان)

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس سے بھی زیادہ واضح اور غیر مبہم رائے ظاہر کی ہے وہ فرماتے ہیں:۔

"اہل علم کی اکثریت کا بیان ہے کہ مدینہ کے تمام انصار اور مہاجرین نے حضرت علیؓ کی بیعت کر لی تھی اور حضرت علیؓ کی خلافت انہیں کی بیعت سے قائم ہوئی تھی (اس کا ثبوت یہ ہے کہ) حضرت علیؓ نے تمام والوں کو جو خطوط لکھے تھے۔ ان میں اس امر کا ذکر موجود ہے" (ازالتہ الخفا)

بہرحال اہل مدینہ خصوصاً جید صحابہ اور بیشتر انصار و مہاجرین کے اصرار سے مجبور ہو کر حضرت علیؓ نے عنانِ خلافت اپنے ہاتھ میں لینا قبول کر لیا۔ دوسرے حالات بے حد نازک تھے۔ دارالخلافہ میں ہر طرف بدامنی اور انتشار تھا۔ باغیوں اور مفسدوں کا زور تھا۔ امت اسلام کئی روز سے بغیر خلیفہ کے یتیموں کی سی زندگی گذار رہی تھی۔ آخر یہ سوچ کر کہ اگر یہ صورت حالات دیر تک قائم رہی تو معلوم نہیں اس امت کا کیا حشر ہوگا۔ اور وہ وسیع سلطنت جس کی بنیادوں میں ہزاروں صحابہ اور عاشقان رسول اللہ نے اپنا خون دیا تھا کس حالت کو پہنچے گی حضرت علیؓ مسجد میں تشریف لے گئے۔ سب سے پہلے حضرت طلحہؓ نے، ان کے بعد حضرت زبیرؓ نے پھر دوسرے صحابہ اور عام لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ واقعہ ۲۴ ذی الحجہ ۳۵ھ مطابق ۲۳ جون ۶۵۶ء کو جمعہ کے روز پیش آیا۔ (کفایت الطالب)

سب سے پہلا کام

مسندِ خلافت پر بیٹھنے کے بعد حضرت علیؓ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ عمال کو برطرف کر دیا۔ ایک تو اس لئے کہ تمام فتنے کا باعث ایک یہ امر بھی تھا کہ لوگ حضرت عثمانؓ کے عاملوں سے ناراض تھے اور ان کی برطرفی کا مطالبہ کر رہے تھے۔ حضرت علیؓ نے سوچا کہ اس وقت ہر طرف بدامنی ہے اور تقریباً ہر صوبے کے لوگ حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ عمال سے ناراض ہیں۔ اگر انہیں برطرف کر کے نئے عاملوں کو مقرر

کر دیا گیا۔ تو لوگوں کی تالیف قلوب بھی ہو جائے گی اور ایک بہت بڑی شکایت کا ازالہ ہو جائے گا۔ اس سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوگا کہ قیام امن میں بھی امداد ملیگی۔

اس اقدام کی دوسری وجہ تھی کہ حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ عمال میں سے اکثر اموی تھے اور چونکہ حضرت عثمانؓ بھی اموی تھے۔ اس لئے حضرت علیؓ کو اندیشہ پیدا ہوا کہ اموی خلیفہ کے قتل سے اموی عامل دل برداشتہ ہوں گے۔ نسلی عصبیت بھڑکے گی۔ اور اس کا امکان ہے کہ وہ اپنے اپنے صوبوں میں بغاوت کر دیں یا میرے احکام کی تعمیل میں سستی کریں۔ انہیں دور اندیشیوں کی وجہ سے حضرت علیؓ نے یہ اقدام کیا۔

اہل الرائے کا اختلاف

بعض لوگوں نے حضرت علیؓ کی اس رائے سے اختلاف کیا اور انہیں ان کے ارادہ سے باز رکھنے کی کوشش کی ان لوگوں میں مغیرہؓ بن شعبہ اور ابنؓ عباس بھی شامل تھے۔ خاص طور سے ابنؓ عباس نے آخر تک حضرت علیؓ کو سمجھایا اور کہا بہتر یہی ہے کہ آپ حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ عمال کو اس وقت تک معزول نہ کریں۔ جب تک کہ ہر طرف امن قائم نہ ہو جائے۔ اور امورِ خلافت کی بجا آوری میں کوئی امر مانع نہ رہے۔ اگر آپ نے انہیں معزول کر دیا تو وہ بنو امیہ کو لے کر اٹھ کھڑے ہوں گے۔ آپ پر خون عثمانؓ کا الزام لگائیں گے اور قصاص عثمانؓ کا نعرہ بلند کریں گے۔ چونکہ ہر طرف بد امنی اور انتشار ہے۔ اس لئے آپ کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا اور اندیشہ ہے کہ آپ کو ناکامی ہو۔ اور اگر آپ حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ عمال کو برطرف کرنے کا تہیہ ہی کر چکے ہیں۔ تو کم از کم معاویہؓ کو ان کے عہدے پر برقرار رہنے دیجئے۔

حضرت علیؓ نے ابن عباسؓ کی یہ رائے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا " واللہ! ہم تلوار کے سوا معاویہؓ کو اور کچھ نہ دیں گے۔"

اس پر ابن عباسؓ نے کہا تم بہادر ضرور ہو مگر لڑائی کے داؤ پیچ سے ناواقف ہو۔ کیا تم نے رسول اللہ کا یہ قول نہیں سنا کہ "الحرب خدعۃ" (لڑائی داؤ پیچ کا نام ہے) (کفایت الطالب)

حضرت ابن عباسؓ نے یہ مشورہ بھی دیا کہ اچھا پہلے آپ حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ عمال کو اپنی بیعت کی دعوت دیجئے۔ جب وہ بیعت کر لیں گے، اور پھر آپ انہیں معزول کریں گے تو وہ پابند ہو جائیں گے کہ آپ کے حکم کی تعمیل کریں۔ مگر حضرت علیؓ نے ان خدشات کی بنا پر جن کا گذشتہ سطور میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ ابن عباسؓ کا مشورہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ عمال کو معزول کر کے عثمان بن حنیف کو بصرہ کا، عمارہ بن شہاب کو کوفہ کا، عبداللہ بن عباس کو یمن کا، قیس بن سعد کو مصر کا اور سہیل بن حنیف کو شام کا والی مقرر کر کے اپنے اپنے عہدوں کا چارج لینے روانہ کر دیا۔ مگر وہی ہوا جس کا ابن عباسؓ کو اندیشہ تھا یعنی حضرت علیؓ کے مقرر کردہ بیشتر عمال کے راستے میں بڑی دشواریاں پیدا ہوئیں۔ لوگوں نے ان کی امارتیں تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور بہت سے عمال ناکام ہو کر مدینہ واپس آ گئے۔

امیر معاویہؓ کی سرکشی

جن لوگوں کو حضرت علیؓ نے ان کے عہدوں سے معزول کیا تھا ان میں مشہور اموی گورنر معاویہؓ بن ابو سفیان بھی تھے۔ جو عرصہ دراز سے ولایت شام کے عامل تھے۔ جب انہیں حضرت عثمانؓ کی شہادت اور حضرت علیؓ کی خلافت کا علم ہوا تو وہ بہت دل برداشتہ ہوئے۔ اسی اثنا میں ان کے نام حضرت علیؓ کا حکم پہنچا کہ میں تم کو ولایت شام سے معزول کرتا ہوں۔ حضرت امیر معاویہؓ جو پہلے ہی بھرے بیٹھے تھے۔ حضرت علیؓ کا یہ فرمان دیکھ کر چراغ پا ہو گئے اور ان کے حکم کی تعمیل کرنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے اپنے اس

فعل کے لئے جواز خونِ عثمانؓ کو بنایا۔ صرف اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ حضرت عثمانؓ کی خون آلود قمیص اور حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں جو نعمان بن بشیر شام لے آئے تھے۔ دمشق کی جامع مسجد میں رکھدیں۔ تاکہ اس واقعہ کی خوب تشہیر ہو اور لوگوں کو مشتعل کیا جاسکے۔ لوگ آتے تھے اور دھاڑیں مار مار کر رو دیتے تھے۔ انہوں نے اس واقعہ کی تشہیر اس انداز سے کی کہ لوگ حضرت علیؓ کو قتل عثمانؓ میں شریک سمجھنے لگے۔ ان واقعات نے لوگوں کو حضرت علیؓ کے خلاف مشتعل کر دیا اور وہ حضرت علیؓ سے بدظن ہو گئے۔

حضرت علیؓ کو بھی ان واقعات کی خبریں پہنچ رہی تھیں۔ مگر پھر بھی انہوں نے اتمامِ حجت کے طور پر حضرت امیر معاویہؓ کو ایک خط لکھا۔ جو یہاں درج کیا جاتا ہے۔

حضرت علیؓ کا خط

"مجھ سے انہیں لوگوں نے بیعت کی ہے۔ جنہوں نے ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ سے بیعت کی تھی۔ لہٰذا نہ تو حاضر کے لئے حق باقی رہ گیا ہے کہ بیعت میں اختیار سے کام لے اور نہ غیر حاضر کو حق حاصل ہے کہ بیعت سے روگردانی کرے۔ شوریٰ تو صرف مہاجرین و انصار کے لئے ہے۔ اگر انہوں نے کسی آدمی کے انتخاب پر اتفاق کر لیا اور اسے امام قرار دیدیا تو یہ اللہ کی اور پوری امت کی رضامندی کے لئے کافی ہے۔ اب اگر امت کے اس اتفاق سے کوئی شخص اعتراض یا بدعت کی بنا پر خروج کرتا ہے تو مسلمان اسے حق کی طرف لوٹا دیں گے۔ جس سے وہ خارج ہوا ہے؛ انکار کرے گا تو اس سے جنگ کی جائے گی۔ کیونکہ اس نے مومنوں کی راہ سے کٹ کر الگ راہ اختیار کی ہے اور خدا اسے اسکی گمراہی کے حوالے

کر دے گا اور اے معاویہؓ میں بقسم کہتا ہوں کہ اگر تو نفس سے ہٹ کر عقل
سے کام لے گا تو مجھے عثمانؓ کے خون سے بالکل بری الذمہ پائے گا اور
جان جائے گا کہ میرا اس خون سے دور کا بھی لگاؤ نہیں۔ یہ الگ بات ہے
کہ تو اپنے مطلب کے لئے تہمتیں تراشے خیر جو کرنا ہے کرتا رہ!"

(نہجہ البلاغہ اردو ترجمہ)

[اس کتاب میں جہاں نہجہ البلاغہ کے ساتھ اردو ترجمے کے الفاظ لکھے
ہوں۔ وہاں یہ سمجھا جائے کہ مولانا عبدالرزاق اور مولانا رئیس احمد جعفری
والے تراجم سے امداد لی گئی ہے۔ کیونکہ ہماری نظر میں یہ تراجم مستند ہیں]

حضرت معاویہؓ نے تین ماہ تک اس کا کوئی جواب ہی نہ دیا۔ کیونکہ وہ چاہتے
تھے کہ درمیانی عرصہ جتنا طویل ہو جائے اتنا اچھا ہے تاکہ لوگوں کو مشتعل کرنے
اور حضرت علیؓ کے خلاف پوری طرح تیاری کا موقع مل جائے۔ تین ماہ گذرنے کے
بعد انہوں نے قبیصہ عبسی نامی ایک شخص کو سربمہر لفافہ دے کر حضرت علیؓ کے پاس
بھیجا۔ جب حضرت علیؓ نے لفافہ کھولا تو اس میں سے سادہ کاغذ نکلا جس پر صرف
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا تھا۔ یہ دیکھ کر انہوں نے نامہ بر سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے
اس نے کہا کہ میں سفیر ہوں۔ اس لئے مجھے جان کی امان دی جائے تو کچھ
عرض کروں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہاں تمہیں امان دی گئی۔ نامہ بر نے کہا کہ شام کے
لوگ سخت مشتعل ہیں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے کئی ہزار شیوخ کو دیکھا ہے۔ جو دمشق
کی جامع مسجد میں حضرت عثمانؓ کی خون آلود قمیص پر آنسو بہا رہے ہیں۔ حضرت علیؓ نے
یہ سن کر فرمایا کہ یہ لوگ مجھ سے خونِ عثمانؓ کا قصاص مانگتے ہیں۔ اے اللہ تعالیٰ میں

اس سے بری ہوں۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے فرمایا کہ خدا عثمانؓ کے قاتلوں کو تباہ کرے۔ (کفایت الطالب)

ان واقعات سے حضرت علیؓ کو پوری طرح یقین ہو گیا کہ امیر معاویہؓ کی نیت ٹھیک نہیں ہے اور وہ فساد پر آمادہ ہیں۔ اب ان کے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ امیرؓ کی اصلاح اور انہیں راہ راست پر لانے کے لئے میدان میں نکلتے اور امت میں سرکشی اور نافرمانی کے بڑھتے ہوئے جذبہ کو ختم کر کے صحیح اسلامی اصولوں کو قائم کرتے۔ چنانچہ انہوں نے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ اپنے معتبر اور مشیر کار لوگوں کو سلطنت کے اطراف و جوانب میں بھیجا تاکہ لوگوں کو اپنی حمایت اور اسلام کی مدافعت کے لئے آمادہ کریں۔ چنانچہ قیس بن سعد کو مصر میں عثمان بن حنیف کو بصرہ میں اور ابو موسیٰؓ اشعری کو کوفہ میں لشکر فراہم کرنے پر مامور کیا۔ اہل مدینہ بہت بڑی تعداد میں حضرت علیؓ کی امداد پر کمربستہ ہو گئے۔ فوجیں ترتیب دی جانے لگیں لشکر کا علم محمد بن حنیفہ کو دیا گیا اور لشکر کی ترتیب اس طرح کی گئی کہ دائیں بازو پر عبداللہ بن عباسؓ کو بائیں بازو پر عمرؓ بن ابی سلمہ کو اور اگلے دستہ کی کمانڈ پر ابو لیلیٰ بن عمرو الجراح کو مقرر کیا۔ روانگی سے پہلے حضرت علیؓ نے اعلان کیا کہ اس لشکر میں ایسے کسی شخص کو شامل نہ کیا جائے جس نے حضرت عثمانؓ کے خلاف یورش میں حصہ لیا ہو۔

جنگِ جمل

جنگِ جمل

حضرت علیؓ حضرت معاویہؓ کے خلاف لشکر آراستہ کرنے میں مصروف تھے کہ ایک انتہائی افسوسناک خبر ملی اور وہ یہ کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ قصاصِ عثمانؓ لینے آرہی ہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے جھنڈے کے نیچے بہت بڑی تعداد میں ان مسلمانوں کی فوج جمع ہے۔ جو مرنے مارنے کی قسم کھا چکے ہیں۔ یہ صورت بڑی تشویشناک تھی۔ اس لئے حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ سے جنگ کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور حضرت عائشہؓ کی طرف روانہ ہو گئے تاکہ انہیں راستہ ہی میں روک لیں۔

حضرت عائشہؓ کی غلط فہمی

جس وقت حضرت عثمانؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا اس وقت حضرت عائشہؓ حج کی غرض سے مکہ تشریف لے گئی تھیں۔ جب وہ حج کا فریضہ ادا کر کے واپس ہونے

نکلیں تو اثنارِ راہ میں انہیں شہادتِ عثمانؓ کے اندوہناک واقعہ کی اطلاع ہوئی۔ادھر حضرات طلحہؓ و زبیرؓ حضرت علیؓ سے دل برداشتہ ہو کر مدینہ سے چلے آئے اور سیدھے حضرت عائشہؓ کے پاس مکے پہنچے۔ان کی دل برداشتگی کی وجہ بھی یہی تھی کہ بیعت کرنے کے بعد انہوں نے حضرت علیؓ سے کہا کہ آپ سب سے پہلا کام یہ کیجئے کہ قاتلین عثمانؓ کو پکڑیئے اور سزائیں دیجئے۔ لیکن حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ مجھے خود اس کا خیال ہے اور اسی فکر میں ہوں کہ جس طرح ہو عثمانؓ کے قاتلوں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالوں اور عبرتناک سزائیں دوں۔ مگر ابھی حالات سازگار نہیں ہیں۔ہر طرف بدامنی اور انتشار ہے اگر اس وقت میں نے عثمانؓ کے قاتلوں کی گرفت شروع کر دی تو حالات اور خراب ہو جائیں گے اور انتظام قائم کرنا مشکل ہو جائے گا۔ دوسری مشکل یہ تھی کہ چشم دید گواہ نہ ہونے کی وجہ سے اصل قاتلوں کا سراغ نہیں ملتا تھا۔حضرت علیؓ نے اس مشکل کا بھی ذکر کیا مگر حضرات طلحہؓ و زبیرؓ کی اس جواب سے تسلی نہ ہوئی۔ بہر حال کسی غلط فہمی کے تحت وہ مدینہ سے مکہ روانہ ہو گئے اور وہاں جا کر حضرت عائشہؓ کو خونِ عثمانؓ کا قصاص لینے پر ابھارا۔ جب حضرت علیؓ کو یہ معلوم ہوا کہ حضرات طلحہؓ و زبیرؓ حضرت عائشہؓ کے پاس مکہ پہنچ گئے ہیں اور بعض لوگ مشہور کر رہے ہیں کہ علیؓ بھی قتلِ عثمانؓ میں شریک تھا تو انہوں نے پہلے اس امر کی کوشش کی کہ معاملات نرمی اور آسانی سے سلجھ جائیں اور تلوار مسلمانوں کے درمیان حائل نہ ہو۔چنانچہ اس مقصد کے لئے انہوں نے حضرات طلحہؓ و زبیرؓ کے نام ایک خط لکھا جو درجِ ذیل کیا جاتا ہے۔

حضرت علیؓ کا خط

"اما بعد۔ تم اچھی طرح جانتے ہو اگرچہ چھپا رہے ہو کہ میں لوگوں کی طرف نہیں بڑھا

تھا۔ لوگ ہی میری طرف بڑھے تھے۔ میں نے انہیں اپنی بیعت کی طرف نہیں بُلایا تھا وہ خود ہی میری بیعت کے لئے آئے تھے اور میں نے بیعت قبول کرلی۔ تم دونوں بھی میری طرف بڑھے تھے اور تم دونوں نے میری بیعت کرلی تھی۔ لوگوں نے میری بیعت نہ کسی طاقت کے خوف سے نہ کسی لفع کے لالچ میں کی تھی۔ پس اگر تم نے بھی میری بیعت اپنی مرضی سے کی تھی تو لوٹ آؤ اور جلد سے جلد توبہ کرلو اور اگر مجبوری سے کی تھی تو بھی اپنے خلاف میری حجت قائم کر چکے ہو اس لئے کہ ظاہر کرتے رہے فرمانبرداری اور چھپاتے رہے نافرمانی۔ بخدا مہاجرین میں سے تم جیسوں کے لئے تقیہ وکتمان ہرگز مناسب نہ تھا۔ بیعت میں داخل ہونے سے پہلے اس معاملے میں تمہیں مخالفت کی گنجائش تھی اب گنجائش کہاں کہ اقرار کر چکنے کے بعد خارج ہوجاؤ۔

تم دعوے کرتے ہو کہ میں نے عثمانؓ کو قتل کیا ہے تو آؤ ہم اپنے درمیان مدینہ کے ان لوگوں کو حکم بنا دیں۔ جو مجھ سے بھی الگ ہیں اور تم سے بھی الگ ہیں۔ اس کے بعد ہم میں سے ہر ایک کے حصے میں وہی آئے گا جو اس نے بویا ہے اے سن رسیدہ بزرگو! اپنی روش سے باز آجاؤ۔ اس وقت زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ دنیا کی رسوائی اٹھانا پڑیگی۔ مگر یہ بھی تو سوچو کہ بعد میں دنیا کی رسوائی کے ساتھ دوزخ بھی جمع ہوجائے گی۔" (نہجہ البلاغہ اردو ترجمہ)

مکہ پہنچنے کے بعد حضرات طلحہؓ و زبیرؓ کو حضرت علیؓ کا یہ خط موصول ہوا۔ مگر اس کا کوئی خاطرخواہ نتیجہ نہ نکلا اور یہ دونوں حضرات اپنی روش پر قائم رہے اور مسلسل عوام اور حضرت عائشہؓ کو قصاص عثمانؓ پر ابھارتے رہے۔ بعض لوگ تھے مکہ کے عوام اور حضرت عائشہؓ کو اس

غلط فہمی میں مبتلا کر دیا کہ قاتلین عثمانؓ کو علیؓ کی پشت پناہی حاصل ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جو حضرت علیؓ سے دل برداشتہ تھے یا جذبات کی رَو میں بہہ رہے تھے۔ دوسرے خود حضرت عائشہؓ نے سوچا کہ دارالخلافہ مدینہ جیسے اہم مقام پر جہاں بڑے بڑے صحابہ موجود تھے۔ ابن عباسؓ اور علیؓ موجود تھے۔ وہ علیؓ جن کی شجاعت، جن کا مرتبہ، جن کی ہیبت اور اثر رسوخ سے ہر آدمی باخبر ہے۔ وہاں عثمانؓ کو اس قدر کس مپرسی کے عالم میں ذبح کر دیا گیا۔ شہید کرنے سے پہلے پانی تک بند کر دیا اور علیؓ سے کچھ نہ ہوا۔ وہ اسی نتیجے پر پہنچیں کہ اگر یہ سب کچھ حضرت علیؓ کے اشارے سے نہیں ہوا تو ان سے کوتاہی ضرور ہوئی ہے اور اب جبکہ وہ خلیفہ ہو چکے ہیں۔ انہیں قصاص لینے کی قدرت حاصل ہے تو وہ پہلو تہی کر رہے ہیں۔ اس وقت حضرت عائشہؓ کے جذبات کیا تھے اس کا اندازہ ان کی اس تقریر سے ہوتا ہے جو انہوں نے ایک مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے مکہ میں کی تھی۔

حضرت عائشہؓ کی تقریر

"افسوس ہے کہ اطراف وجوانب کے شہروں اور جنگلوں اور مدینہ کے غلاموں نے مجتمع ہو کر بلوہ کیا اور اس مقتول شخص (عثمانؓ) کی اس لئے مخالفت کی کہ وہ نوجوانوں کو حاکم مقرر کرتا تھا۔ حالانکہ اس کے پیشرو بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ پس جب وہ لوگ اپنے دعوے کی کوئی دلیل نہ دے سکے تو اس کی دشمنی پر کمربستہ ہو گئے بدعہدی کی، جس خون کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا تھا اسے بہایا، جس شہر کو اپنے رسولؐ کی ہجرت گاہ بنایا تھا اس میں خونریزی کی، جس مہینہ میں کشت و خون

ممنوع تھا اس میں خون بہایا جس کا مال لینا جائز نہ تھا اس کو لوٹ لیا۔ واللہ عثمانؓ کی ایک انگلی بلوائیوں جیسے تمام عالم سے افضل ہے اور بے شک (بلوائی) جس وجہ سے عثمانؓ کی مخالفت پر کمربستہ ہوئے تھے۔ عثمانؓ اس سے پاک وصاف ہو گیا تھا جیسا کہ سونا کثافت سے اور کپڑا میل سے صاف ہو جاتا ہے۔" (تاریخ ابن خلدون، کتاب ثانی، جلد دوم)

اس تقریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے نزدیک شہادتِ عثمانؓ ہر نوعیت سے بڑا دلدوز واقعہ تھا۔ چونکہ وہ اصل حالات سے باخبر ہونے کی وجہ سے اس نتیجے پر پہنچی تھیں کہ حضرت علیؓ کی کوتاہی سے یہ واقعہ پیش آیا ہے اور اب وہ قصاص لینے میں لیت ولعل سے کام لے رہے ہیں۔ اس لئے وہ راستے ہی سے مدینہ آنے کی بجائے مکہ کی طرف پلٹ گئیں اور لوگوں کو خونِ عثمانؓ کا قصاص لینے پر اُبھارنے لگیں۔

جنگ کی تیاری

ان کی مندرجہ بالا تقریر نے لوگوں پر بہت اثر کیا اور عبداللہ بن عامر حضرمی جو حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ عاملِ مکہ تھے۔ جوش میں آ گئے اور باآوازِ بلند کہا کہ "سب سے پہلے خونِ عثمانؓ کا بدلہ لینے والا میں ہوں۔" ان کے علاوہ سعید بن العاص، ولید بن عقبہؓ اور بعض دوسرے لوگ بھی حضرت عائشہؓ کی امداد پر کمربستہ ہو گئے۔ بنو امیہ کا ایک گروہ جو شہادتِ عثمانؓ کے بعد مکہ آ گیا تھا۔ خونِ عثمانؓ کا بدلہ لینے والوں میں پیش پیش تھا۔ ادھر بصرہ سے عبداللہ بن عامر اور یمن سے یعلی بن منیہ کمک لے کر حضرت عائشہؓ کے پاس پہنچ گئے۔ اس کمک میں چھ لاکھ دینار اور چھ سو اونٹ تھے۔ مروان بن الحکم بھی جسے حضورِ سرورِ کائنات نے اس کے باپ کے ساتھ مدینہ سے نکال دیا تھا حضرت عائشہؓ سے آملا اور لوگوں کو خونِ عثمانؓ کا بدلہ

لینے پر ابھارنے لگا۔ مغیرہؓ بن شعبہ بھی اکابرِ لشکر میں تھے۔

صلاح و مشورے کے بعد طے ہوا کہ مدینہ کی طرف جانے کی بجائے بصرے کا رُخ کیا کیا جائے۔ کیونکہ مدینہ میں حضرت علیؓ کا اثر ہے اور لوگ بہت بڑی تعداد میں ان کی حمایت پر کمربستہ ہیں۔ بعض لوگوں نے شام کی طرف کوچ کرنے کا مشورہ دیا مگر اکثریت نے اس سے اختلاف کیا انہوں نے کہا کہ وہاں امیر معاویہؓ موجود ہیں۔ وہ علیؓ کے لئے کافی ہیں ہمیں بصرہ چلنا چاہئے۔ بصرہ میں علیؓ کے مخالفین کی بڑی تعداد موجود ہے۔ اور ہم آسانی سے بصرہ پر قبضہ کرلیں گے۔ چنانچہ اس رائے پر اتفاق کرنے کے بعد کوچ کا نقارہ بجا اور ندا دینے والے نے ندا دی کہ "ام المومنین عائشہؓ طلحہؓ و زبیرؓ کے ساتھ خونِ عثمانؓ کا بدلہ لینے کے لئے بصرہ کی طرف جا رہی ہیں۔ جو شخص اسلام سے ہمدردی رکھتا ہو وہ ان کے ساتھ مل جائے۔ اگر اس کے پاس سواری نہیں ہوگی تو اسے سواری دیدی جائے گی۔"

اس آواز پر چھ سو آدمی حضرت عائشہؓ کے لشکر میں آملے۔ اس طرح سولہ سو آدمیوں کا لشکر حضرت عائشہؓ کی قیادت میں بصرہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ راستے میں بھی بہت سے لوگ لشکر کے ساتھ ہوگئے۔ اور حضرت عائشہؓ کے لشکریوں کی تعداد تین ہزار تک پہنچ گئی۔

(تاریخ ابن خلدون کتاب ثانی)

لشکر میں اختلاف

ابھی لشکر بصرے کے راستہ ہی میں تھا کہ اس میں اختلاف نمودار ہوگیا۔ ہوا یوں کہ سعید بن العاص اور مروان بن الحکم نے طلحہؓ و زبیرؓ سے پوچھا کہ اگر ہم کامیاب ہوگئے تو خلیفہ کون ہوگا۔ طلحہؓ و زبیرؓ نے جواب دیا کہ ہم دونوں میں سے لوگ جسے منتخب کریں گے۔ وہی خلیفہ ہوگا۔ سعید نے کہا نہیں بلکہ حضرت عثمانؓ کے بیٹے کو خلیفہ بنایا جائے۔ کیونکہ ہم عثمانؓ کے خون

کا قصاص طلب کر رہے ہیں۔ اس لئے انہیں کے بیٹے کو خلیفہ بنانا مناسب ہے طلحہؓ و زبیرؓ نے جواب دیا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم معمر اور اکابر لوگوں کو نظر انداز کرکے نوجوان اور لڑکوں کو اپنا حاکم مقرر کریں۔ اس جواب پر سعید بگڑ اُٹھے اور انہوں نے کہا کہ اس صورت میں مجھ سے امید نہ رکھو کہ میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ غرض اس اختلاف نے نازک صورت اختیار کرلی اور سعید لشکر سے الگ ہوگئے۔ ان کے الگ ہوتے ہی عبداللہ بن خالد بن اسید اور مغیرہؓ بن شعبہ نے بھی لشکر کا ساتھ چھوڑ دیا۔ یہ صورت دیکھکر قبیلہ ثقیف کے لوگوں نے بھی علیحدگی اختیار کرلی اور حضرت عائشہؓ نے باقی لشکر کے ہمراہ پھر سفر شروع کر دیا۔

بصرہ میں

حضرت عائشہؓ کے بصرہ پہنچنے سے پہلے ہی اہل بصرہ کو ان کی آمد کی اطلاع ہوگئی۔ اور حضرت عائشہؓ ابھی بصرہ کے مضافات ہی میں تھیں کہ ایک گروہ ان کی اعانت کے لئے شہر سے روانہ ہوگیا جب وہ مربد کے مقام پر پہنچیں تو اہلِ بصرہ کا گروہ ان کی پیشوائی کو موجود تھا۔ ادھر حاکم بصرہ عثمان بن حنیف اپنا لشکر لے کر حضرت عائشہؓ کے مقابلے پر آئے جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے۔ تو حضرت طلحہؓ صف لشکر سے نکلے اور لوگوں کو مخاطب کرکے حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے کی تحریک کی۔ اسی طرح حضرت زبیرؓ نے بھی لوگوں کو خونِ عثمانؓ کا بدلہ لینے کی ترغیب دی۔ حضرات طلحہؓ و زبیرؓ کی تقریروں کے بعد حضرت عائشہؓ نے تقریر کی اور فرمایا کہ

"لوگ عثمانؓ کے خلاف طعن و تشنیع کرتے تھے۔ ان کے مقرر کردہ حاکموں پر اعتراضات کرتے تھے۔ جب ہمارے پاس مدینہ آتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ وہ جھوٹے

اور فریبی ہیں اور عثمانؓ کا تقویٰ، پرہیز گاری اور عدل و انصاف ظاہر ہوتا تھا مگر اس پر بھی ان کا دل نہ بھرا۔ ان کے گھر پر یورش کی اور محاصرہ کرکے انہیں بڑی بے دردی سے بھوکا پیاسا شہید کر ڈالا۔ جن چیزوں کو خدا نے حرام کیا تھا انہیں بغیر سوچے سمجھے حلال کر دیا۔ تمہارے لئے یہ جائز نہیں کہ تم ان کے قاتلوں سے بدلہ نہ لو اور اللہ تعالےٰ کی کتاب پر عمل کرنے سے گریز کرو۔"

حضرت عائشہؓ کی اس تقریر کا بڑا اثر ہوا اور عثمان بن حنیف حاکم بصرہ کے لشکریوں میں سے بہت سے لوگ انہیں چھوڑ کر حضرت عائشہؓ کے جھنڈے تلے آ گئے یہ دیکھکر عثمان کے ساتھیوں کو بڑا غصہ آیا اور انہوں نے ان لوگوں پر کنکر پھینکے جو الگ ہو کر حضرت عائشہؓ کی طرف چلے گئے تھے۔ ادھر سے بھی کنکروں کا جواب پتھروں سے دیا گیا۔

اس کے بعد حضرت عائشہؓ کا لشکر مربد سے روانہ ہو کر دیاغین میں آگیا۔ ابھی لشکر اسی مقام پر خیمہ زن تھا کہ جاریہ بن قدامہ بھی پہنچ گیا اور حضرت عائشہؓ سے ملنے کی اجازت چاہی۔ حضرت عائشہؓ نے اجازت دیدی۔ جب وہ ان کے پاس پہنچا تو بڑے درد بھرے لہجے میں ان کی خدمت میں عرض کیا کہ :۔

"اے ام المومنین! یہ کہیں اچھا تھا کہ عثمانؓ قتل کر دیئے جاتے مگر تم اس ملعون اونٹ پر سوار ہو کر گھر سے نہ نکلتیں۔ تمہارے لئے خدا تعالےٰ نے پردہ مقرر کیا تھا۔ مگر تم نے اس کی ہتک کی۔ جو شخص تم سے جنگ کرنا چاہتا ہے۔ بلاشبہ وہ کشتنی و گردن زدنی ہے۔ لیکن مناسب یہی ہے کہ اگر تم خود بخود آئی ہو تو مدینہ کو واپس چلی جاؤ اور اگر مجبور کرکے لائی گئی ہو تو اللہ تعالےٰ سے مدد مانگو اور اپنے ہمراہیوں کو واپس جانے کی

تلقین کرو ۔۔۔۔" (ابن خلدون)

جاریہ بن قدامہ کی تقریر جاری تھی کہ حکیم بن جبلہ سواروں کے ایک دستہ کے ساتھ حضرت عائشہؓ کے لشکر پر حملہ آور ہو گیا۔ ادھر سے بھی جوابی کارروائی شروع ہو گئی اور آن کی آن میں میدانِ جنگ گرم ہو گیا۔ اسی اثنا میں رات ہو گئی۔ اس لئے دونوں ایک دوسرے کو چھوڑ کر اپنی اپنی جگہ واپس آ گئے۔ دوسرے دن سورج طلوع ہوتے ہی پھر جنگ شروع ہو گئی اور تمام دن معرکہ کارزار گرم رہا۔ عثمان بن حنیف کے لشکر کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ شام کو جب جنگ بند ہوئی۔ تو فریقین لڑتے لڑتے تھک گئے تھے اور نقصان بھی بہت کافی ہوا تھا۔ اس لئے دونوں طرف سے صلح کی کوشش ہونے لگی۔ آخر اس طور پر فیصلہ ہوا کہ ایک ایسا شخص جو دونوں کے نزدیک قابل اعتماد ہو مدینہ جائے۔ اور وہاں کے لوگوں سے معلوم کرے کہ طلحہؓ و زبیرؓ نے حضرت علیؓ کی بیعت مجبوری سے کی تھی یا بخوشی۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ انہوں نے کسی خوف کے ماتحت مجبوراً بیعت کی ہے تو عثمان بن حنیف بصرہ حضرت عائشہ کے حوالے کر دے۔ بصرہ کے قاضی کعب بن سور پر دونوں فریق متفق ہو گئے اور انہیں مدینہ بھیج دیا گیا انہوں نے مدینہ پہنچ کر لوگوں کو جمع کیا اور اصل حقیقت دریافت کی مجمع میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا کہ سچ یہ ہے کہ طلحہؓ و زبیرؓ نے باکراہ بیعت کی تھی۔ اس کے بیان پر ہنگامہ برپا ہو گیا اور لوگوں نے اس پر حملہ کر کے اتنا مارا کہ وہ قریب المرگ ہو گیا۔ مگر کچھ لوگوں نے بیچ میں پڑ کر اسے چھڑا لیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اہل مدینہ کے جذبات وخیالات حضرت علیؓ کے متعلق کیا تھے۔ بہر حال قاضی بصرہ، مدینہ پہنچ کر حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جو کچھ دیکھا اور سنا تھا بیان کر دیا۔

عثمان بن حنیف کو بلایا گیا اور یہ پیغام بھی بھجوایا گیا کہ تم بصرہ خالی کر دو۔ مگر عثمان نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ دیکھ کر طلحہؓ و زبیرؓ نے لوگوں کو مسجد میں جمع ہونے کی منادی کروائی اور عشاء کے وقت خود بھی مسجد میں گئے مگر وہاں پہلے ہی سے عبدالرحمٰن بن عتاب اپنے آدمیوں کے ساتھ موجود تھا۔ اس نے طلحہؓ و زبیرؓ اور ان کے ساتھیوں پر حملہ کر دیا۔ اس جنگ میں مسجد خون اور لاشوں سے بھر گئی اور چالیس آدمی وہیں ڈھیر ہو گئے۔ حضرت عائشہؓ کے لشکر کے بعض بپھرے ہوئے لوگوں نے عثمان بن حنیف کے مکان پر حملہ کر دیا اور ان کو پکڑ کر داڑھی اور مونچھوں کے بال تک اکھیڑ ڈالے۔ اور اسی حالت میں طلحہؓ و زبیرؓ کے پاس لے آئے۔ جب حضرت عائشہؓ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے حکم دیا کہ عثمان کو چھوڑ دیا جائے۔

اس فتح کے بعد حضرت عائشہؓ کا لشکر بصرہ میں داخل ہوا اور طلحہؓ و زبیرؓ نے لوگوں کے سامنے خطبے دے کر انہیں اپنی امداد پر ابھارا اور بیان کیا کہ عثمانؓ کی شہادت بڑا اندوہناک واقعہ ہے۔ اس پر ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ:۔

"اے مہاجرین کے گروہ! تم ہی وہ لوگ ہو جنہوں نے سب سے پہلا اسلام قبول کیا اور دوسروں پر فضیلت حاصل کی۔ رسولؐ اللہ کے بعد یکے بعد دیگرے تم نے دو آدمیوں کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی۔ ہم نے بھی انہیں خلیفہ تسلیم کر لیا اس کے بعد تم نے خود ہی بغیر ہم سے مشورہ لئے ایک تیسرے شخص کو خلیفہ بنایا اور پھر خود ہی قتل کر دیا۔ پھر علیؓ کی بیعت کی اور وہ بھی ہمارے مشورے کے بغیر اور اب اس کے بھی خلاف ہو گئے اور ہمیں بھی بھڑکاتے ہو۔ آخر وہ کیا چیز ہے جس کی وجہ سے تم انتقام لینے پر اتر آئے ہو اور ہم کیوں تمہارا ساتھ دیکر جنگ و جدل کریں ..."

اسی قسم کی گفتگو حکیم بن جبلہ نے بھی کی جو عثمان بن حنیف کی شکست اور اس کے ساتھ اہانت آمیز سلوک کی خبر سن کر اپنے لشکر کے ساتھ حضرت عائشہؓ کے مقابلہ پر آگیا تھا۔ اس نے عبداللہ بن زبیرؓ کو مخاطب کرکے کہا کہ تم اس وقت تک انتظار کرو جب تک امیرالمومنین علیؓ تشریف نہیں لے آتے۔ نہایت افسوس ہے کہ تم نے وہ خون حلال کیا جو حرام تھا اور پھر طرّہ یہ کہ خونِ عثمانؓ کا قصاص لینے کا دعوے کرتے ہوئے ہم سے ان کا بدلہ لینے آئے ہو۔ حالانکہ تم خود جانتے ہو کہ ہم ان کے قاتل نہیں ہیں۔ اس گفتگو نے طول کھینچا اور بدمزگی پیدا ہو کر جنگ کی صورت نکل آئی۔ آخر رات کو بصرہ کی فوج نے حضرت عائشہؓ کی فوج پر حملہ کردیا۔ دونوں طرف سے تلواریں چلنے لگیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حکیم بن جبلہ اور اس کا سالار ذریح مارے گئے اور اہل بصرہ میں سے بھی بہت سے آدمی کام آئے۔ حضرت عائشہؓ کو فتح ہوئی۔ بصرہ پر حضرت عائشہؓ کا قبضہ ہو گیا۔ اور بہت سا مال غنیمت جو ہاتھ آیا تھا لشکر میں تقسیم کر دیا گیا۔ یہ واقعہ ۲۶ ربیع الآخر ۳۶ھ مطابق ۱۷۔ اکتوبر ۶۵۶ء میں پیش آیا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت عائشہؓ نے کوفہ، مدینہ اور یمامہ کے اکابر کو خط لکھے اور خونِ عثمانؓ کا بدلہ لینے کی دعوت دی اور اپنی امداد کے لئے کمک طلب کی۔ (ابن اثیر، ابن خلدون)

حضرت علیؓ کی روانگی

حضرت علیؓ کو بھی ان تمام واقعات کی خبریں مل رہی تھیں اور وہ ان سے عہدہ برآ ہونے کی تیاری کر رہے تھے۔ یہ تیاری اس وقت اور بھی تیز ہو گئی جب انہیں حاکم بصرہ عثمان بن حنیف کے واقعہ کی اطلاع ہوئی، اور انہوں نے کوفہ، بصرہ، مدینہ اور بعض دوسرے علاقوں میں اپنے معتمدین کو فراہمی لشکر کے لئے روانہ کیا۔ ابتداء میں

حضرت علیؓ کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور جب لوگوں نے سنا کہ ہمیں ام المومنین حضرت عائشہؓ کے خلاف لڑنے پر آمادہ کیا جا رہا ہے تو انہیں بہت دکھ ہوا، مگر جب حضرت علیؓ نے اصل واقعہ بیان کیا تو زیاد بن حنظلہؓ خزیمہ بن ثابت اور ابو قتادہ جیسے لوگ ان کی امداد پر کمربستہ ہو گئے۔ یہ دیکھکر عام لوگ بھی حضرت علیؓ کے ساتھ ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے تمام مدینہ حضرت علیؓ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گیا۔

ربیع الثانی ۳۶ھ کے آخر میں حضرت علیؓ نے بصرہ کا قصد کیا۔ کوفہ اور بصرہ کے نو سو آدمی بھی حضرت علیؓ کے ساتھ ہو گئے۔ ربذہ پہنچ کر قیام کیا۔ یہاں اہلِ طے کا ایک گروہ بھی آپ کی امداد کے لئے آ گیا۔ آپ نے اسے بھی اپنے لشکر میں شامل کر لیا۔

حضرت علیؓ جنگ نہیں چاہتے تھے۔

جب آپ فید کے مقام پر پہنچے تو شیبانی نامی ایک شخص سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے اس سے دریافت کیا کہ ابو موسیٰ اشعری کس حال میں ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ اگر تم صلح کرنے کا ارادہ رکھتے ہو تو وہ تمہارے ساتھ ہیں اور اگر جنگ کرنے کے ارادہ سے جا رہے ہو تو وہ تمہارا ساتھ نہیں دیں گے۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ:-

"واللہ ہم سوائے صلح کے اور کوئی ارادہ نہیں رکھتے ہیں۔ تا وقتیکہ کوئی ایسا واقعہ نہ ہو (جو ہمیں تلوار اٹھانے پر مجبور کر دے)

اسی اثنا میں محمد بن ابوبکرؓ اور محمد بن جعفر کوفہ سے واپس آ گئے جو ابو موسیٰ اشعری کے نام حضرت علیؓ کا خط لے کر گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے بیان کیا کہ ہم نے لوگوں کو آپ کی امداد پر ابھارنے کی پوری کوشش کی مگر ایک شخص بھی تیار نہیں ہوا۔ پھر ہم نے

ابوموسیٰؓ سے اس بارے میں گفتگو کی انہوں نے جواب دیا کہ جنگ کے لئے نکلنا دنیا کا راستہ ہے اور جنگ سے بچنے کے لئے گھر میں بیٹھے رہنا دین کا راستہ ہے۔ واللہ عثمانؓ کی اطاعت کا جوا میرے اور علیؓ دونوں کے کندھے پر ہے۔ اگر جنگ ہی کرنا ہے تو پہلے عثمانؓ کے قاتلوں سے لڑنا چاہئے۔ یہ سنکر حضرت علیؓ نے اشتر اور ابن عباسؓ کو ابوموسیٰؓ کے پاس بھیجا مگر وہ دونوں بھی ناکام واپس آئے۔ اس کے بعد آپ نے اپنے بیٹے حسنؓ کو مامور کیا اور انہیں عمارؓ بن یاسر کے ساتھ ابوموسیٰؓ کے پاس روانہ کیا ابوموسیٰؓ نے بڑی گرمجوشی سے ان دونوں کا استقبال کیا اور حضرت حسنؓ کو گلے لگایا مگر جب حسنؓ اور عمارؓ نے اپنا مدعا بیان کیا۔ تو ابوموسیٰؓ نے حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کا واقعہ بیان کرنا شروع کر دیا اور کہا کہ مسلمان کے لئے مسلمان کا خون بہانا کسی طرح جائز نہیں۔ ابوموسیٰؓ کے اس جواب سے صورت نازک ہو گئی اور تو تو میں میں شروع ہو گئی۔ لیکن خود ابوموسیٰؓ ہی نے حالات درست کر دیئے۔ اس کے بعد حسنؓ، عبداللہ بن قیس اور عبد خیر نے حضرت علیؓ کی حمایت میں تقریریں کیں اور لوگوں کو ان کی امداد پر ابھارا۔ یہ تقریریں ایسی پر اثر تھیں کہ دیکھتے ہی دیکھتے کایا پلٹ گئی اور سینکڑوں ہزاروں افراد حضرت علیؓ کی امداد پر کمربستہ ہو گئے۔ عدی بن حاتم اور حجرؓ بن عدی نے بھی پوری کوشش سے لوگوں کو حضرت علیؓ کا ہم نوا بنایا اور اپنے قبائل کے لوگوں کو تحریک کر کے ان کی طرف سے جنگ کرنے پر آمادہ کر لیا۔ غرض حضرت حسنؓ اور حضرت عمارؓ بن یاسر کوفے سے نو ہزار کا لشکر لے کر کامیاب و کامران واپس ہوئے۔ جب یہ لشکر حضرت علیؓ کی خدمت میں بمقام ذی وقار جہاں اس وقت حضرت علیؓ مقیم تھے پہنچا تو آپ نے بڑی گرمجوشی سے اس کا استقبال فرمایا۔ ان کی تعریف کی اور کہا کہ:۔

"اے اہل کوفہ! ہم نے تمہیں اس غرض کے لئے بلایا ہے کہ اہل بصرہ کے مقابلہ میں ہمارا ساتھ دو۔ اگر انہوں نے اپنے موجودہ خیالات تبدیل کر لئے تو اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے اور اگر وہ اپنی موجودہ روش ہی پر قائم رہے تو ہم نرمی سے ان کی اصلاح کریں گے۔ ہم اپنی طرف سے ظلم کی ابتدا نہیں کرینگے لیکن ایسے امور کی روک تھام سے بھی باز نہیں رہیں گے۔ جن سے فتنہ و فساد پیدا ہو۔" (ابن خلدون)

اصلاح کی کوشش

دوسری طرف حضرت علیؓ نے حضورؐ کے مقتدر صحابی قعقاعؓ کو حضرت عائشہؓ اور حضرات طلحہؓ و زبیرؓ کے پاس اس غرض کے لئے بھیجا کہ ان سے گفتگو کر کے معاملات سلجھانے کی کوشش کی جائے اور اگر فریقین میں کوئی غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے تو باہمی افہام و تفہیم سے دور ہو جائے۔ قعقاعؓ حضرت علیؓ سے ہدایات لے کر ام المومنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے عرض کیا کہ "اے ام المومنین! وہ کیا چیز ہے جس نے آپ کو میدان میں آنے پر ابھارا۔" حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ لوگوں کے اختلافات دور کرنے اور جذبۂ اصلاح نے" اس کے بعد قعقاعؓ نے کہا کہ آپ طلحہؓ و زبیرؓ کو بلوا بھیجئے میں آپ کے سامنے ان سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت عائشہؓ کی طلبی پر طلحہؓ و زبیرؓ تشریف لائے۔ قعقاعؓ نے ان دونوں حضرات سے بھی سوال کیا جو حضرت عائشہؓ سے کر چکے تھے یعنی تم دونوں کو میدان میں آنے پر کس چیز نے ابھارا ان دونوں نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت عائشہؓ دے چکی تھیں یعنی اصلاحِ احوال نے۔ قعقاعؓ نے سوال کیا کیسی اصلاح اور تمہیں اس اصلاح کا

حق کس نے دیا؟ طلحہؓ و زبیرؓ نے جواب دیا کہ اصلاح سے مراد قاتلین عثمانؓ سے قصاص لینا ہے اگر اُن سے خونِ عثمانؓ کا بدلہ نہ لیا گیا تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ہم نے قرآن پر عمل کرنا چھوڑ دیا۔ قعقاعؓ نے کہا کہ تم نے اہل بصرہ میں سے ان چھ سو آدمیوں کو قتل کر دیا جنہیں تم قاتلین عثمانؓ میں سے سمجھتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چھ ہزار آدمی غضبناک اور مشتعل ہو گئے۔ اگر تم ان سے لڑو گے تو وسیع پیمانے پر خونریزی ہوگی اور بہت بڑا فتنہ پیدا ہو جائے گا اور پھر اور بہت سے لوگ بھی آمادۂ فساد ہو جائیں گے۔ سوچو اس صورت میں اصلاح کیسے ہوگی؟

اس مرحلے پر حضرت عائشہؓ نے قعقاعؓ کو مخاطب کر کے فرمایا: "پھر کیا کرنا چاہئیے"؟
قعقاعؓ نے کہا کہ اس کا ایک ہی علاج ہے اور وہ یہ.... کہ صبر و تحمل اور صلح کا راستہ اختیار کرنا چاہیئے۔ آپ لوگ اہل خیر میں سے ہیں، آپ کو فتنہ و فساد میں نہیں پڑنا چاہیئے ورنہ ہم دونوں پر ابتلا آئے گا اور دونوں کو نقصان ہوگا۔ حضرت عائشہؓ اور حضرات طلحہؓ و زبیرؓ کو قعقاعؓ کی رائے پسند آئی اور ان پر اس تقریر کا بہت اچھا اثر ہوا اور سب نے بالاتفاق قعقاعؓ سے کہا کہ تمہاری رائے بہت صحیح ہے۔ علیؓ کے پاس جاؤ اگر انہوں نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا تو ابھی صلح ہو جائے گی۔

جب قعقاعؓ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں ساری روداد سنائی تو ان کی مسرت کی کوئی انتہا نہیں رہی۔ حضرت علیؓ کے ساتھیوں نے بھی اور اہل بصرہ کے ان وفود نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا جو حالات کا جائزہ لینے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ حضرت علیؓ نے اہل لشکر کو جمع کر کے صلح کا مژدہ سنایا اور حضرت عائشہؓ کے لشکر کی طرف چلنے کا حکم دیا تاکہ صلح کی گفتگو کر لی جائے۔ اس کے

ساتھ ساتھ دور اندیشی کے پیش نظر اور فریق مخالف کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے
یہ حکم بھی دیدیا کہ اگر ہمارے لشکر میں ایک بھی ایسا شخص ہو جو حضرت عثمانؓ کے
محاصرین کے ساتھ شامل تھا تو وہ الگ ہو جائے۔ یہ صورت اس گروہ کو ناگوار گذری
جو اسلام کا شیرازہ منتشر کرنا چاہتا تھا۔ جس نے لوگوں کو انگیخت کر کے حضرت عثمانؓ
کی شہادت پر آمادہ کیا تھا اور جو حضرت علیؓ کی ممانعت کے باوجود ان کے لشکر میں شامل
ہو گیا تھا۔ اس گروہ میں اہل مصر کی خاصی تعداد تھی چنانچہ ان کے اکابر ابن سبا،
اور خالد بن ملجم نے نئی صورت حال پر غور و خوض کیا اور کہا کہ اگر علیؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ
کے درمیان صلح ہو گئی تو ہم کہیں کے نہ رہیں گے۔ ان میں سے ایک نے رائے دی کہ بہتر یہ
ہے کہ علیؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ کا خاتمہ کر دیا جائے تاکہ جھگڑا ہی ختم ہو اور ہم بھی مامون رہیں
بعض لوگوں نے رائے دی کہ ہمیں اس جھگڑے سے قطع تعلق کر کے کسی اور طرف کو
نکل جانا چاہیئے۔ مگر ابن سبا نے کہا کہ اگر تم خیریت چاہتے ہو تو میری بات مانو اور وہ یہ
کہ ان لوگوں میں شامل ہو کر چپکے سے انہیں ایک دوسرے سے لڑا دو۔ مفسدین کے
گروہ نے ابن سبا کی رائے کو بہت پسند کیا اور اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ اگر حضرت
علیؓ اور حضرت عائشہؓ میں صلح ہو جائے تو پیشتر اس سے کہ اس کا اعلان ہو کسی طریقے
سے ان کے لشکروں کو ایک دوسرے سے لڑا دیا جائے۔ (ابن خلدون)

غرض ادھر سے حضرت علیؓ اور ادھر سے حضرت عائشہؓ اپنے اپنے لشکر کے ساتھ
روانہ ہوئے اور دونوں نے بصرہ کے قصر امارت میں پہنچ کر قیام کیا۔ یہاں بھی دونوں
گروہوں میں بعض ایسے افراد موجود تھے جو ادھر حضرت علیؓ کو اور ادھر حضرت
عائشہؓ کو جنگ کرنے پر ابھار رہے تھے مگر دونوں نے جنگ سے اجتناب کیا اور

اس قسم کی رائے دینے والوں کو سختی سے منع کیا کئی روز تک نامہ وپیام ہوتا رہا۔ دونوں لشکروں کے لوگ ایک دوسرے سے آزادانہ نہایت خوشگوار فضا میں ملتے جلتے تھے صلح کی گفتگو جاری تھی۔ معاملات قریب قریب طے ہو چکے تھے اور جب آخری دن ابن عباس حضرت عائشہؓ کے پاس اور محمد بن طلحہؓ حضرت علیؓ کے پاس آئے تو یہ قرار پایا کہ صبح جب دونوں لشکروں کے لوگ نماز کے لئے جمع ہوں تو صلح کا اعلان کر دیا جائے۔

مفسدوں نے بات بگاڑ دی

جب فتنہ پردازوں نے دیکھا کہ امت محمدی میں جو تفرقہ پیدا ہو گیا تھا وہ ختم ہوا چاہتا ہے اور دو مخالف گروہ پھر باہم شیر وشکر ہونے والے ہیں تو انہیں اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا۔ انہیں اپنی خیریت اسی میں نظر آئی کہ جس طرح ہو امت کا شیرازہ مجتمع نہ ہونے دیا جائے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کے گروہ کے لوگ جو ابن سبا کی سرکردگی میں طے کر چکے تھے کہ جب حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان صلح ہونے لگے تو انہیں کسی فریب سے لڑا دیا جائے اس موقع پر میدان میں آ گئے۔ دوسری طرف حضرت عائشہؓ کی فوج کے شریر عنصر نے بھی شرارت کی اور رات کی تاریکی میں چپکے سے ایک دوسرے کی طرف تیر باری شروع کر دی۔ دونوں طرف کے کچھ شر پسند تلواریں اور نیزے لے کر ایک دوسرے پر حملہ آور ہو گئے۔ اچانک حملے سے شور وغل اور سراسیمگی کی حالت پیدا ہو گئی اور حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کی فوج نے یہ سمجھ کر کہ ہم پر منظم حملہ کیا گیا ہے۔ باقاعدہ یورش کر دی۔ جب ہنگامہ شروع ہو گیا تو حضرت علیؓ نے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت عائشہؓ کے لشکر نے ہم پر حملہ کر دیا ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا افسوس! طلحہؓ و زبیرؓ خون خرابہ کر کے ہی رہیں گے۔ اسی طرح جب حضرت

عائشہ نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہوگیا۔ تو ان کے لشکر نے جواب دیا کہ حضرت علیؓ کی فوج نے ہم پر حملہ کر دیا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ افسوس علیؓ خونریزی کرا کے ہی دم لیں گے۔
غرض مفسدوں کی فتنہ آرائی رات کی تاریکی اور فریقین کی غلط فہمیوں نے امن و امان اور صلح و آشتی کی فضا کو میدانِ جنگ میں تبدیل کر دیا اور صبح ہوتے ہوتے سینکڑوں آدمی کھیت رہے۔ ان حالات کے باوجود حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ دونوں نے اپنے اپنے لشکروں میں اعلان کروا دیا کہ کوئی شخص بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کرے اور نہ ایک دوسرے کے مال و اسباب پر ہاتھ ڈالے۔ سورج طلوع ہوتے ہی حضرت عائشہؓ کی فوج نے ام المومنین کو اونٹ پر سوار کر کے لشکر کے قلب میں کھڑا کر دیا۔ حضرت عائشہؓ اونٹ پر بیٹھ کر اپنے لشکر کو لڑانے لگیں۔ ہنگامۂ کارزار گرم تھا کہ حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کا سامنا ہو گیا۔ حضرت علیؓ نے حضرت زبیرؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ "اے زبیرؓ! تمہیں وہ دن یاد ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ کیا تم علیؓ سے محبت کرتے ہو، تم نے جواب دیا تھا "ہاں یا رسول اللہ" اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا تھا کہ ایک روز تم ان سے بلا وجہ لڑو گے" حضرت زبیرؓ نے کہا کہ ہاں مجھے یاد آگیا۔

(مستدرک حاکم جلد سوم)

ایک روایت کے مطابق حضرت زبیرؓ نے جواب دیا کہ کاش آپ پہلے ہی یہ واقعہ مجھے یاد دلا دیتے تو میں ہرگز آپ کے مقابلے پر نہ نکلتا۔ یہ کہہ کر حضرت زبیرؓ میدان جنگ سے پلٹ آئے اور اپنے بیٹے عبداللہ کو بھی جنگ سے کنارہ کشی کرنے کی تلقین کی۔ مگر وہ نہ مانے۔ حضرت زبیرؓ کو جنگ سے دست کش ہوتا دیکھ کر حضرت طلحہؓ نے بھی ہاتھ روک لیا اور حضرت زبیرؓ کے پیچھے پیچھے میدان جنگ سے روانہ ہو گئے۔ مروان بن حکم کو

حضرت طلحہؓ کے اس ارادے کا علم ہو گیا۔ چنانچہ اس نے زہر میں بجھا ہوا تیر اپنی کمان میں جوڑ کر حضرت طلحہؓ کی طرف پھینکا جس سے وہ زخمی ہو گئے اور آخر اسی زخم کی حالت میں ان کا انتقال ہو گیا

بہر حال اسے حضرات طلحہؓ و زبیرؓ کی علیحدگی کا اثر کہا جائے یا حضرت علیؓ کے لشکر کی سرفروشی و جاں نثاری کہ تھوڑی ہی دیر میں حضرت عائشہؓ کی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مگر اسی اثنا میں حضرت علیؓ کی فوج کے بہت سے لوگ حضرت عائشہؓ کے ناقہ کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ بھاگتی ہوئی فوج میں سے جب بعض کی نظر اس منظر پر پڑی کہ حضرت عائشہؓ حملہ آوروں کے نرغے میں گھری ہوئی ہیں تو انہوں نے بھاگنے والوں کو ان کی غیرت اور حضرت عائشہؓ کی حرمت کا واسطہ دیا۔ اس آواز نے جنگ کا نقشہ ہی بدل دیا اور لوگ حضرت عائشہؓ کی حفاظت کے جوش میں آ کر پھر پلٹ آئے اور اس دلیری سے لڑے کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ حضرت علیؓ کی فوج کا جو دستہ آگے بڑھتا تھا حضرت عائشہؓ کی فوج اسے پیچھے ہٹا دیتی تھی۔ جب ایک دستہ مارا جاتا تھا تو اس کی جگہ دوسرا دستہ ام المومنین کے ناقہ کے سامنے آتا تھا اور ان کی حفاظت کرتے ہوئے اپنی جانیں دیدیتا تھا۔ حضرت عائشہؓ کی استقامت اور ان کی فوج کی سرفروشی دیکھکر حضرت علیؓ نے خیال کیا کہ اس طرح تو یہ جنگ کبھی ختم نہ ہوگی اور معلوم نہیں کتنے مسلمانوں کا خون بہہ جائے گا یہ سوچ کر آپ نے اپنی فوج کے بعض لوگوں کو حکم دیا کہ آگے بڑھو اور اس اونٹ کی ٹانگیں کاٹ دو۔ جس پر حضرت عائشہؓ سوار ہیں چنانچہ یہ ترکیب کارگر ثابت ہوئی۔ جب اونٹنی کی ٹانگیں کٹ گئیں اور وہ گر پڑی۔ تو حضرت عائشہؓ کو میدان جنگ میں نہ پاکر ان کی فوج کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور وہ میدان سے بھاگ

نکلی۔ اس طرح جمادی الثانی ۳۶ھ مطابق دسمبر ۶۵۶ء میں بصرہ پر حضرت علیؓ کا مکمل قبضہ ہو گیا۔

حضرت عائشہؓ کی اونٹنی گرتے ہی آپ کے بھائی محمد بن ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ قریب پہنچے اور محمد بن ابوبکرؓ نے حضرت عائشہ کا ہودج اتارا حضرت علیؓ نے خیریت دریافت کی اور اس واقعہ پر اظہار افسوس کیا حضرت عائشہؓ نے بھی افسوس کے کلمات کہے اور فرمایا کہ کاش میں اس واقعہ سے بیس سال پہلے مر جاتی۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے حضرت عائشہؓ کو صفیہ بنت الحارث کے مکان پر بغرض قیام و آرام روانہ کر دیا۔ پھر میدان جنگ میں گئے۔ دونوں طرف کے شہدا کو دیکھا حضرت عائشہؓ کی طرف سے شہید ہونے والوں میں بعض اکابر صحابہ نظر آئے۔ جیسے عبدالرحمٰن بن عتاب، طلحہؓ اور کعبؓ بن ثور، قاضی بصرہ۔ انہیں دیکھکر آپ کو بے حد رنج ہوا اور فرمایا کہ لوگوں کا خیال تھا کہ ہمارے مدمقابل عام لوگ ہیں۔ حالانکہ ان میں ایسے ایسے لوگ موجود تھے۔ پھر آپ کے حکم سے شہیدوں کی لاشیں اکٹھی کی گئیں۔ دونوں طرف کے شہدا کی نماز جنازہ خود حضرت علیؓ نے پڑھائی اور پھر انہیں دفن کروا دیا۔ اس جنگ میں طرفین کے لوگ حتی الامکان ایک دوسرے کی گردن، سر اور چھاتی یا پیٹ پر وار کرنے سے گریز کرتے تھے۔ بلکہ ہاتھوں اور پیروں پر حملے کرتے تھے۔ تاکہ جہاں تک ہو مسلمانوں کی جانیں محفوظ رہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں آدمیوں کے ہاتھ اور پیر کٹ کر میدان جنگ میں بکھر گئے۔ حضرت علیؓ نے ان تمام کٹے ہوئے اعضاء کو جمع کیا اور ایک بڑے سے گڑھے میں دفن کروا دیا۔ میدان جنگ سے جو مال و اسباب ملا تھا اسے جمع کر کے اعلان کروا دیا کہ لوگ آئیں اور اپنا اسباب شناخت کر کے لے جائیں۔ صرف وہ ہتھیار جن پر حکومت کے نشان

بنے ہوئے تھے بیت المال میں جمع کروا دیئے گئے۔

پھر حضرت علیؓ شہر بصرہ میں داخل ہوئے۔ لوگوں کو مسجد میں جمع کر کے خطبہ دیا اور اپنی خلافت کی بیعت لی (کیونکہ اس وقت تک اہل بصرہ نے ان کی بیعت نہیں کی تھی)

چند روز کے بعد حضرت عائشہؓ نے مدینہ جانے کی خواہش ظاہر کی جب حضرت علیؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے آرام کی خاطر بصرہ کی چالیس معزز خواتین کو آپ کے ساتھ کیا۔ کئی میل تک بطور مشایعت خود حضرت عائشہؓ کے ساتھ گئے اور پھر دعاؤں کے ساتھ انہیں رخصت کر کے واپس آ گئے۔

اس جنگ میں طرفین کے دس ہزار آدمی کام آئے اور زخمیوں کی تعداد کا کوئی اندازہ نہیں۔ انہیں شہید ہونے والوں میں حضرت زبیرؓ بھی تھے جو میدان میں تو نہیں مارے گئے۔ کیونکہ وہ حضرت علیؓ سے حضورؐ کی ایک حدیث سن کر میدان جنگ سے چلے گئے تھے اور حجاز کی طرف جانے کا قصد تھا۔ مگر ابھی وادی سباع ہی میں تھے کہ عمرو بن جرموز نامی ایک شخص نے انہیں نماز پڑھتے ہوئے شہید کر دیا۔ اس طرح حضور سرور کائناتؐ کا یہ مقتدر اور بزرگ صحابی امت کے ایک فرد کے ہاتھوں عالم فانی سے کوچ کر گیا۔

جنگ سے فراغت پانے کے بعد حضرت علیؓ بصرہ کے بیت المال میں تشریف لے گئے۔ حساب کیا تو چھ ہزار سے زائد رقم نکلی۔ یہ رقم آپ نے ان لوگوں میں مساوی تقسیم کر دی۔ جنہوں نے جنگ میں حصہ لیا تھا۔ (طبری، ابن خلدون، ابن اثیر)

حضرت عائشہؓ کا موقف

حضرت عائشہؓ کا موقف

صفحاتِ گذشتہ میں جو واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ وہ تاریخ اسلام کے نہایت درجہ افسوسناک باب سے تعلق رکھتے ہیں کہ امت کی دو برگزیدہ شخصیتیں (حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ) ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوئیں اور دونوں میں اس زور کی تلوار چلی کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ خون کے دریا بہہ گئے اور سینکڑوں بزرگ صحابیٔ رسولؐ اور امت کے نامور لوگ موت کی آغوش میں چلے گئے۔ پھر تاریخ اسلام کا یہی وہ باب ہے جس سے غلط فہمیوں کا ایک طویل اور لامتناہی سلسلہ عبارت ہے کیونکہ تاریخ کا ایک غیر جانبدار طالب علم جب دیکھتا ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ دونوں اسلام کے مقدس ترین وجود تھے۔ ایک رسولؐ اللہ کا برادر زادہ اور داماد، دوسری شخصیت حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی اور رسولؐ خدا کی محبوب ترین بیوی ـــــ دونوں کا علم و فضل، بے نفسی اور دینی پایہ نہایت بلند۔

تو وہ حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ یہ کیا ہوا اور کیونکر ہوا؟

حضرت علیؓ تو خیر خلیفۂ وقت تھے۔ سلطنت اسلامی کے آئینی سربراہ تھے۔ قیامِ امن ان کے فرائضِ منصبی میں شامل تھا۔ اس لئے ان کا جنگ کی غرض سے نکلنا ایک قدرتی امر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس سارے واقعہ میں ان کی پوزیشن نسبتہً محفوظ نظر آتی ہے۔ مگر حضرت عائشہؓ کے متعلق بعض لوگوں کے دلوں میں طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں اور انہیں شکوک وشبہات کی وجہ سے ایک گروہ نے یہ فرض کر لیا کہ دراصل اس کی وجہ حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کے تعلقات کی دیرینہ کشیدگی اور آپس کی شکر رنجی تھی۔ اس گروہ کے خیال کے مطابق جب حضرت عائشہؓ نے دیکھا کہ علیؓ خلیفہ ہو گئے ہیں تو انہیں عافیت اسی میں نظر آئی کہ حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت کر کے ان کی حکومت کو ناکام بنا دیں۔ بدقسمتی سے غلط روایات اور مسموم پروپیگنڈے نے اس خیال کو مزید تقویت دی اور رفتہ رفتہ ایسے لوگوں کی خاصی تعداد پیدا ہو گئی۔ جو حضرت عائشہؓ کے بارے میں اس جنگ اور اس کے اسباب سے متعلق غلط رائے رکھتے ہیں۔

حضرت عائشہ پر اعتراض۔

اس رائے کا پس منظر خواہ کچھ ہو۔ لیکن حضرت عائشہؓ کی روش اس اعتراض سے محفوظ نہ رہ سکی کہ وہ حضرت علیؓ کے مقابلے میں کیوں آئیں۔ اسی اعتراض سے یہ دوسرا بڑا اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ اس طرح انہوں نے خلیفہ وقت کے خلاف بغاوت کی اور حضرت علیؓ کے لئے بے حد مشکلات پیدا کر دیں۔ حالانکہ حضرت عائشہؓ جن کے متعلق رسول اللہ کا ارشاد ہے کہ "نصف دین عائشہؓ سے سیکھو" اچھی طرح جانتی تھیں کہ اللہ تعالےٰ نے

کا حکم ہے کہ

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم

(اللہ کی اطاعت کرو، اللہ کے رسول کی اطاعت کرو اور حاکم وقت کی اطاعت کرو جو تم پر حکومت کرتا ہو)

اس طرح حضرت عائشہؓ کی روش سے متعلق دو باتیں جواب طلب ٹھہریں۔

(۱) حضرت عائشہؓ میدان میں کس مقصد سے تشریف لائیں؟

(۲) انہوں نے خلیفہ وقت کے خلاف بغاوت کیوں کی؟

اول۔ جہاں تک پہلے اعتراض یا استفسار کا تعلق ہے اس پر نظر ڈالنے سے قبل شہادتِ عثمانؓ اور اس کے فوراً بعد کے واقعات کو نظر میں رکھنا ضروری ہے۔ جب حضرت عثمانؓ کی شہادت کا دل گداز حادثہ پیش آیا تو حضرت عائشہؓ بغرض حج مکہ تشریف لے گئی تھیں۔ فریضہ حج ادا کر کے جب واپس ہوئیں تو انہیں راستے میں اطلاع ملی کہ حضرت عثمانؓ بھوکے پیاسے انتہائی بے دردی سے ذبح کر دیئے گئے ہیں مدینہ پر باغیوں کا تسلط ہے۔ ہر طرف بدامنی اور انتشار کا دور دورہ ہے، لوگ حق و باطل میں امتیاز نہیں کر سکتے ہیں۔ عوام الناس اپنے آپ کو غیر محفوظ پاتے ہیں۔ بعض صحابہ تک کی اہانت کی جا چکی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ واقعات ایسے نہ تھے جنہیں سن کر بھی حضرت عائشہؓ مدینہ چلی جاتیں اور اپنے آپ کو مفسدوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتیں دانشمندی کا تقاضا بھی یہی تھا کہ ایک بزرگ خاتون اور ام المومنین مفسدوں اور باغیوں کی آماجگاہ میں جا کر اپنے آپ کو مصیبت میں مبتلا نہ کریں۔ جہاں ام المومنین ام حبیبہؓ تک کو سخت سست کہا گیا اور باغیوں نے ان کے خچر کو ڈنڈوں سے

اس قدر پیٹا کہ حضرت ام حبیبہؓ گرتے گرتے بچیں۔ وہاں حضرت عائشہؓ کا تن تنہا یا دس پانچ آدمیوں کے ساتھ جانا فتنے اور مصیبت کو خود دعوت دینے کے مترادف تھا۔ اس لئے وہ راستے ہی سے واپس ہو گئیں اور مکہ جا کر قیام کیا۔ ایک روایت کے مطابق راستے ہی میں اور دوسری کے مطابق مکہ پہنچکر حضرت طلحہؓ و زبیرؓ سے ان کی ملاقات ہوئی۔ ان حضرات نے بھی مندرجہ بالا روح فرسا واقعات کی تصدیق کی۔

طلحہؓ و زبیرؓ کا معاملہ

ان کے تصدیق کرنے کی وجہ بھی بظاہر درست تھی۔ کیونکہ جب حضرت علیؓ کی بیعت کا وقت آیا تو اس وقت حضرات طلحہؓ و زبیرؓ اپنے اپنے گھروں میں تھے بعض لوگوں کو خیال پیدا ہوا کہ یہ دونوں حضرات بہت با اثر ہیں۔ اگر انہوں نے بیعت نہ کی تو ہو سکتا ہے کہ آگے بڑھ کر ان کی وجہ سے شر پسند لوگوں کو فتنہ پیدا کرنے کا موقع مل جائے اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ ان سے ہر قیمت پر بیعت لے لی جائے چنانچہ خود حضرت علیؓ نے والئے بصرہ کے نام اپنے ایک خط میں ان دونوں حضرات کے بیعت کے واقعہ پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے۔

"اگر ان لوگوں سے زبردستی بھی بیعت لی گئی ہے تو صرف اس لئے کہ مسلمانوں میں افتراق اور جماعت بندی نہ پیدا ہو جائے"۔ (سیرت عائشہؓ۔ سلیمان ندوی)

کیونکہ اس سلسلہ میں حضرت علی کا موقف یہ تھا کہ جب کسی خلیفہ کے ہاتھ پر مرکز کے عوام و خواص کی اکثریت بیعت کر چکی ہے تو کسی ایک یا دو اشخاص کا بیعت سے انکار کرنا نہ صرف خلافِ اصول ہے بلکہ اس سے مسلمانوں میں انتشار اور فرقہ بندی پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے (نظر انداز نہ کرنا چاہیئے کہ اس خط میں "اگر" کا لفظ صاف ظاہر کرتا

ہے کہ حضرت علیؓ کو اس واقعہ کا علم نہ تھا کہ حضرات طلحہؓ و زبیرؓ سے جبراً بیعت لی گئی ہے)
بہر حال کچھ لوگ حضرات طلحہؓ و زبیرؓ کے گھر گئے اور انہیں جبراً اپنے ساتھ لے آئے۔
مسجد میں پہنچ کر ان دونوں حضرات سے حضرت علیؓ کی بیعت کرائی گئی۔ مگر چونکہ انہیں
سارے واقعات کا علم نہ تھا۔ وہ یہی سمجھے کہ مدینہ میں باغیوں کا زور ہے اور حضرت
علیؓ کی بیعت انہیں لوگوں کے اثر و دباؤ سے کی جا رہی ہے۔ ان کو خیال گذرا کہ جس طرح
ہم دونوں سے جبراً بیعت لی گئی ہے۔ اسی طرح دوسرے بزرگوں اور عوام الناس سے بھی
بزورِ شمشیر حضرت علیؓ کی بیعت لی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ کے سامنے
بیان دیا کہ حضرت علیؓ کی بیعت بہ جبر لی گئی ہے۔ اور صرف باغیوں نے انہیں خلیفہ بنایا ہے۔

بہر حال ان دو بزرگوں اور ذمہ دار حضرات کی تصدیق و شہادت کے بعد حضرت عائشہؓ
نے حالات و واقعات پر پوری طرح غور کیا اور پھر اپنے مقام و منصب کا جائزہ لیا کہ وہ رسولؐ
اللہ کی زوجہ محترمہ امت کی مادر مشفق اور دین کا مستحکم ستون تھیں، ملتِ اسلام انتشار و
نفاق سے دوچار ہو، دار الخلافہ میں طوائف الملوکی پھیلی ہو۔ خلیفۂ اسلام نہایت بیدردی
سے بے قصور ذبح کر دیا گیا ہو اور صلحائے امت تماشائی کی حیثیت سے ایک طرف
بیٹھے تماشہ دیکھتے رہیں۔ حضرت عائشہؓ کے نزدیک یہ بات کسی طرح مناسب نہ تھی۔ چنانچہ
انہوں نے فیصلہ کیا کہ جن لوگوں نے فتنہ کی آگ بھڑکائی۔ ملت میں انتشار پیدا کیا اور
خلیفہ رسولؐ کو شہید کر دیا۔ وہ بہت بڑے مجرم ہیں انہیں کیفر کردار کو پہنچانا چاہیے
حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، بنو امیہ اور بہت سے مسلمانوں کی ایک جماعت جو اس واقعہ
سے مشتعل ہو چکی تھی ان کے پاس موجود تھی۔ ان سب لوگوں نے بیک زبان حضرت
عائشہؓ کو اپنی امداد کا یقین دلایا۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ باغیوں کو سزا دینے اور

خونِ عثمانؓ کا بدلہ لینے کے لئے نکلنے نکلیں۔

دوسرا اعتراض

یہاں پہنچ کر دوسرا اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت عائشہؓ کو معلوم تھا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد امت نے حضرت علیؓ کو خلیفہ منتخب کر لیا ہے۔ وہ سلطنت اسلامی کے سربراہ قرار پا چکے ہیں تو انہوں نے ان کی اجازت یا مشورے کے بغیر فوج کیوں مرتب کی؟ کیا کسی ملک کا قانون کسی شخص کو اجازت دے سکتا ہے کہ وہ اپنے طور پر فوج منظم کرے اور اسے اس ملک میں ایک گروہ کے خلاف استعمال کرے؟ اس اعتراض کی اہمیت اس صورت میں اور زیادہ ہو جاتی ہے جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ یہ فوج لے کر مکہ سے بصرے روانہ ہوئیں اور وہاں پہنچ کر انہوں نے حاکم بصرہ سے جنگ کی اس جنگ میں حاکم بصرے کو شکست اور حضرت عائشہؓ کو فتح حاصل ہوئی معترض سوچتا ہے کہ بصرہ حضرت علیؓ کی حدود سلطنت میں واقع تھا اور بصرے کا گورنر حضرت علیؓ کا مقرر کردہ تھا۔ گویا حضرت عائشہؓ نے حاکم بصرہ پر حملہ کر کے حضرت علیؓ کے اقتدار اور ان کی خلافت کو چیلنج کیا اور ظاہر ہے کہ یہ کھلی بغاوت تھی۔

بزرگانِ امت اور اہلِ علم نے اس گتھی کو سلجھانے کی بڑی بڑی کوششیں کیں اور بلاشبہ ان کی مساعی، مساعیٔ جمیلہ کہلانے کی مستحق ہیں۔ ان بزرگوں کی کوششوں کا رُخ جس سمت رہا وہ یہ تھی کہ امت کی دو بزرگ شخصیتوں کے درمیان جو افسوسناک واقعات رونما ہوئے ان کے پس منظر میں کوئی مخالفانہ جذبہ کار فرما نہ تھا بلکہ ان کا مقصد صرف اصلاح تھا۔ چنانچہ ہمارے قابلِ احترام بزرگ اور مشہور صاحب علم وفضل سید سلیمان ندوی مرحوم نے اپنی کتاب "سیرت عائشہؓ" میں حضرت عائشہؓ کے موقف پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کے

اقدام کو صلح کی کوشش سے تعبیر کیا ہے۔ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ حضرت عائشہؓ کے پیش نظر صرف اور صرف اصلاح کا مقصد تھا۔ لیکن صلح کو اصلاح یا اصلاح کو صلح قرار دینا صحیح نہیں۔ اگر سید سلیمان ندوی مرحوم کے اس خیال سے اتفاق کر لیا جائے کہ حضرت عائشہؓ کا مقصد دو گروہوں میں صلح کروانا تھا، تو اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ فوج منظم کرنا۔ عراق کے رئیسوں کو اپنی امداد کے لئے خطوط لکھنا اور حضرت علیؓ کی سلطنت کے ایک مشہور شہر (بصرہ) پر فوج کشی کر کے قبضہ کر لینا اسے صلح کی کوشش کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ ہاں اگر حضرت عائشہؓ فوج منظم کرنے اور بصرے کی طرف کوچ کرنے کی بجائے چند آدمیوں کے ہمراہ حضرت علیؓ کے پاس مدینہ تشریف لیجاتیں اور ان سے مل کر صلح کی کوشش کرتیں تو اس صورت میں سید صاحب مرحوم کے خیال سے اتفاق کیا جا سکتا تھا۔

حضرت عائشہؓ کا نقطۂ نگاہ

اس سارے واقعہ پر تحقیقی اور غائر نظر ڈالنے کے بعد ہم جس نتیجہ پر پہنچے ہیں وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ حضرت علیؓ کو خلیفہ ہی نہیں سمجھتی تھیں اور اپنے خیال کے مطابق وہ اس میں حق بجانب تھیں۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ کے ارد گرد جن لوگوں کا مجمع تھا۔ اس میں تین قسم کے لوگ شامل تھے اول بنوامیہ۔ دوم سبائی، سوم غلطی خوردہ۔

بنوامیہ:۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے سب سے زیادہ دکھ بنی امیہ کو ہوا تھا۔ کیونکہ حضرت عثمانؓ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ عرب میں نسلی عصبیت جس عروج پر تھی۔ تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی اس سے ناواقف نہ ہوگا۔ اس لئے جب حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے اور حضرت علیؓ خلیفہ ہو گئے تو بنوامیہ کو دوہرا صدمہ ہوا۔ اس لئے کہ ایک طرف تو ان کا ہم قبیلہ خلیفہ شہید کر دیا گیا تھا اور دوسری طرف ان کے پرانے حریف

قبیلہ کا ایک فرد خلیفہ ہو گیا تھا جو اپنی سخت گیری کے لئے بھی مشہور تھا۔ جب اس قبیلہ کے لوگوں نے سنا کہ مکہ میں حضرت عائشہؓ خون عثمانؓ لینے کی تیاریاں کر رہی ہیں تو انہیں اپنی مرادیں بار آور ہوتی نظر آئیں اور اس نے مکہ کی راہ لی۔ بنو امیہ میں بھی مفسدین کی خاصی تعداد تھی۔ جن کا مقصد بقول سید سلیمان ندوی مرحوم اصلاح نہ تھا۔ بلکہ وہ حضرت علیؓ کی خلافت کو ناکام بنانے اور ان کے راستے میں مشکلات پیدا کرنا چاہتے تھے چنانچہ ان لوگوں نے حضرت عائشہؓ کو جو رپورٹ دی وہ یہ تھی کہ مدینہ پر باغیوں کا تسلط ہے۔ انہوں نے حضرت علیؓ کو خلیفہ بنا لیا ہے اور لوگوں سے جبراً بیعت لی ہے۔ چنانچہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ سے جبراً بیعت لینے کا واقعہ انہوں نے ثبوت کے طور پر پیش کیا۔ جب حضرت عائشہؓ نے ان حضرات سے تصدیق چاہی تو انہوں نے رپورٹ دینے والوں کی تائید کی۔

ظاہر ہے کہ خلیفہ کے لئے سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ لوگ اس کی برضا و رغبت بیعت کریں نہ کہ بہ جبر یا بزورِ شمشیر۔ اس لئے اگر حضرت عائشہؓ اس نتیجہ پر پہنچیں۔ کہ حضرت علیؓ کی خلافت قائم نہیں ہوئی ہے تو ان کا خیال درست تھا۔

سبائی:۔ حضرت عائشہؓ کے گرد جمع ہونے والا دوسرا گروہ سبائیوں کا تھا۔ یہ وہی لوگ تھے جن کی سازش سے ملت میں انتشار پیدا ہوا تھا اور جن کی مذموم کوششوں سے حضرت عثمانؓ کو جام شہادت پینا پڑا تھا۔ ان کی سب سے بڑی کوشش یہ تھی کہ ملت دوبارہ متحد نہ ہو جائے ورنہ، نہ صرف ان کا منصوبہ نامکمل رہ جائے گا بلکہ اس صورت میں خود ان کی بھی سخت گرفت کی جائے گی۔ انہیں اپنا عبرتناک انجام نظر آرہا تھا۔ ان مفسدوں کو اپنی خیریت اسی میں نظر آتی تھی کہ ملت کے اکابر کے درمیان

اختلافات اور غلط فہمیوں کی خلیج زیادہ سے زیادہ وسیع کی جائے اس لئے اس گروہ نے بھی حضرت عائشہؓ کو غلط اطلاعات دیں اور من گھڑت داستانیں سنائیں۔ تا کہ حضرت حضرت عائشہؓ کی نظر میں حضرت علیؓ کی خلافت مشکوک ٹھہرے۔ ان لوگوں کا سارا زورِ بیان اس امر پر صرف ہوا کہ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر صرف مفسدوں نے بیعت کی ہے اور اگر اہلِ مدینہ میں سے کسی نے بیعت کی بھی ہے۔ تو خوف اور دباؤ کے تحت۔

غلطی خوردہ: حضرت عائشہؓ کے گرد تیسرا گروہ ان لوگوں کا جمع ہو گیا تھا جنہیں ہم غرض پرست یا مفسد نہیں کہہ سکتے۔ یہ لوگ یا تو غلطی خوردہ تھے یا وقتی جوش کی بنا پر ہر اس شخص کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے تیار تھے۔ جو خونِ عثمانؓ کا بدلہ لینے کے لئے کھڑا ہو۔ یہ لوگ غیظ و غضب کے عالم میں معاملہ کا صرف ایک ہی رخ دیکھتے تھے اور وہ یہ کہ حضرت علیؓ نے قاتلینِ عثمانؓ کو سزا کیوں نہیں دی۔ ان میں سے حضرت علیؓ کی مشکلات کا اندازہ کرنے اور یہ سوچنے کی طاقت ہی سلب ہو چکی تھی کہ پہلا مسئلہ استحکام خلافت اور قیام امن کا ہے۔ مجرموں کو سزا دینے کا مسئلہ اس کے بعد آتا ہے ظاہر بات ہے کہ جب نظامِ حکومت ہی مستحکم نہ ہو تو مجرموں کو سزا کیسی دی جا سکتی ہے اور ایک گروہ کثیر کو سزا دینے کے بعد جو نتائج پیدا ہوں گے اس کا ذمہ دار کون ہو گا

اس گروہ کی کوشش کا رُخ بھی اسی طرف تھا کہ حضرت عائشہؓ کے دل میں حضرت علیؓ کی طرف سے بے اطمینانی پیدا کی جائے اور انہیں خونِ عثمانؓ کا قصاص لینے پر ابھارا جائے تا کہ جن بد فطرت لوگوں نے مظلوم اور بے گناہ خلیفہ کو شہید کیا ہے وہ اپنے کیفرِ کردار تک پہنچ سکیں۔

ان حالات و واقعات پر نظر ڈالنے کے بعد یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت عائشہؓ

کو غلط اطلاعات دی گئیں اور یہ غلط اطلاعات ان تک اس قدر تواتر کے ساتھ پہنچائی گئیں جن سے انہوں نے یہی سمجھا کہ دراصل حضرت علیؓ کی خلافت قائم ہی نہیں ہوئی ہے اور امت ابھی تک بغیر خلیفہ کے ہے۔ باغیوں اور مفسدوں کی حکومت ہے جو اپنی من مانی کارروائیاں کر رہے ہیں۔ ہمارا یہ خیال کسی مفروضہ کی بنا پر نہیں۔ بلکہ حضرت عائشہؓ کی مندرجہ ذیل تقریر اس کی تائید کرتی ہے۔

"ہاں! میں لوگوں کے سوال کا نشانہ بن گئی ہوں کہ کیوں فوج لے کر نکلی، میرا مقصد اس سے گناہ کی تلاش اور فتنے کی جستجو نہیں ہے جس کو میں پامال کرنا چاہتی ہوں، جو کچھ کہہ رہی ہوں، سچائی اور انصاف کے ساتھ، اتمام حجت اور تنبیہ کے لئے، خدائے پاک سے دعا ہے کہ وہ پیغمبر محمدؐ پر درود نازل کرے اور اس کا جانشین پیغمبروں کی جانشینی کے ساتھ تم پر مقرر کر دے"۔[1] (سیرت عائشہؓ۔ سید سلیمان ندوی)

اس تقریر کی خط کشیدہ عبارت صاف بتاتی رہی ہے کہ حضرت عائشہؓ کے خیال میں جانشین پیغمبر (خلیفہ) کا صحیح انتخاب نہیں ہوا تھا۔ ورنہ اللہ تعالٰے سے جانشین پیغمبر مقرر کرنے کی دعا مانگنے کی ضرورت ہی کیوں پیش آتی۔

حضرت عائشہؓ کا موقف

پس حضرت عائشہؓ کا موقف یہ تھا کہ چونکہ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر صرف مفسدوں نے بعیت کی ہے اس لئے وہ ابھی خلیفہ نہیں ہوئے ہیں۔ حضرت عائشہؓ سمجھتی تھیں کہ اس وقت حالات نہایت اندوہناک اور مخدوش ہیں۔ دارالخلافہ باغیوں کے قبضے

---

[1] یہ تقریر "عقد الفرید"، "ازالۃ الخفا" اور "بلاغات النسا" تینوں کتابوں میں موجود ہے۔

میں ہے اور خود حضرت علیؓ ان میں گھرے ہوئے ہیں۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ پہلے مکہ میں بیٹھکر مسلمانوں کو اصلاح کی دعوت دی جائے۔ جب مسلمان کثیر تعداد میں جمع ہوجائیں تو انہیں لے کر باغیوں کے مقابلے پر نکلیں اور ان سے جنگ کر کے انہیں مغلوب کرلیں اس لئے انہوں نے امت کو اصلاح کی دعوت دی اور فوج لے کر عراق کی طرف روانہ ہوئیں۔ کیونکہ اس وقت مدینہ اور مکہ کے بعد کوفہ اور بصرہ سلطنت اسلامی کے مشہور اور بڑے شہر تھے اور یہ دونوں عراق میں واقع تھے۔ ان دونوں شہروں میں حضرت عائشہؓ کے رفقائے کار حضرات طلحہؓ و زبیرؓ کے حامیوں اور مددگاروں کی کثیر تعداد موجود تھی حضرت عائشہؓ کا پروگرام یہ تھا کہ جب یہ دونوں شہر فتح ہوجائیں گے تو سارا عراق ان کے زیر اثر آجائے گا۔ اس سے ایک تو مفسدوں اور باغیوں کے حوصلے پست ہوجائیں گے دوسرے حضرت عائشہؓ کی طاقت مضبوط ہوجائے گی اور انہیں ایک محفوظ مستقر مل جائے گا۔ اس صورت میں مدینہ پر قبضہ کرنا آسان ہوگا۔ مدینہ پر قبضہ کرنے کے بعد جب حالات پُرامن ہوجائیں تو امت کو انتخابِ خلیفہ کی دعوت دی جائے۔ تاکہ مسلمان برضا و رغبت جسے چاہیں اپنا خلیفہ منتخب کرلیں۔ اس طرح منتخب کیا جانے والا خلیفہ ہی مسلمانوں کا متفقہ اور جائز خلیفہ ہوگا۔

ہمارے خیال میں صحیح اندازِ فکر یہی ہے اور اس سے دونوں بزرگوں کی پوزیشن محفوظ رہ سکتی ہے اور واقعات بھی اسی اندازِ فکر کی تائید کرتے ہیں۔ اس طرح یہ اعتراض بھی خود بخود ختم ہوجاتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے خلیفۂ وقت کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے اسلامی تعلیم اور اسلامی قانون کی خلاف ورزی کی۔ کیونکہ ان کے خیال میں جب خلیفہ کا صحیح انتخاب ہی نہیں ہوا تھا۔ تو اس کے خلاف بغاوت کرنے کا سوال

ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں اگر حضرت عائشہؓ کو غلط اطلاعات نہ دی جاتیں۔ بلکہ انہیں صحیح حالات بتا دیئے جاتے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد امت نے حضرت علیؓ کو خلیفہ منتخب کر لیا ہے اور ان کے ہاتھ پر اہل مدینہ کی اکثریت اور انصار و مہاجرین کی بڑی تعداد نے بیعت کر لی ہے۔ صحابہ میں سے حضرت عمارؓ بن یاسر، حضرت حجرؓ بن عدی، حضرت سہیلؓ بن حنیف انصاری، حضرت ابو ایوب انصاریؓ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ وغیرہم جیسے بلند پایہ اور جید صحابہؓ انہیں بخوشی خلیفہ تسلیم کر چکے ہیں تو حضرت عائشہؓ کبھی فوج منظم نہ کرتیں اور نہ بصرہ پر حملہ کرتیں۔ اگر ان حالات سے واقف ہونے کے بعد بھی وہ میدان میں آتیں تو بلاشبہ ان پر خلیفۂ وقت کے خلاف بغاوت کرنے کا اعتراض عاید ہوتا۔ مگر واقعات شہادت دیتے ہیں کہ ان پر یہ اعتراض عاید نہیں ہوتا۔

اس واقعہ کے بعد ان کا بار بار یہ فرمانا کہ کاش میں پتھر ہوتی۔ کاش میں اس واقعہ سے بیس سال پہلے مر جاتی۔ یہ ثابت کرتا ہے کہ مفسدوں کی غلط اطلاعات پر یقین کر لینے کے بعد جو کشت و خونریزی ہوئی اور حضرت علیؓ کے خلاف انہیں جو خروج کرنا پڑا۔ اس کا انہیں بے حد قلق رہا اور تمام عمر وہ اس واقعہ کی وجہ سے ندامت محسوس کرتی رہیں۔ بلکہ اپنے انتقال سے کچھ پہلے انہوں نے وصیت فرمائی کہ:

"مجھے رسول اللہ کے ساتھ دفن نہ کرنا بلکہ بقیع کے قبرستان میں دفن کرنا جہاں دوسری بیویاں دفن ہیں۔ کیونکہ میں نے رسولؐ اللہ کے بعد ایک جرم کیا ہے۔" (بخاری و مستدرک حاکم)

حضرت عائشہؓ کے ان الفاظ سے جہاں اس واقعہ کے متعلق ان کی غلط فہمی پر

روشنی پڑتی ہے۔ وہاں اسی سے حضرت علیؓ کی خلافت حقہ بھی ثابت ہوجاتی ہے۔

ایک سوال کا جواب

حضرت عائشہؓ کے اس اقدام اور اس کے اسباب و علل پر نظر ڈالنے کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب غلط فہمی کی وجہ سے حضرت عائشہؓ کی روش قابل اعتراض قرار نہیں دی جاسکتی۔ تو حضرت معاویہؓ بھی الزام سے بری کیوں نہ قرار دیئے جائیں کیا یہ ممکن نہیں کہ جس طرح حضرت عائشہؓ کو غلط اطلاعات دی گئیں۔ اسی طرح حضرت معاویہؓ کو بھی غلط خبریں پہنچی ہوں اور جس طرح حضرت عائشہؓ غلط فہمی میں مبتلا ہوگئیں۔ اسی طرح حضرت معاویہؓ بھی غلط فہمی کا شکار ہوگئے ہوں۔ بلاشبہ یہ سوال بڑا اہم ہے۔ لیکن اس کا جواب اس سے بھی زیادہ اہم ہے اور وہ یہ کہ غلط فہمی صرف اسی وقت تک قائم رہتی ہے جب تک فریقین کی براہِ راست یا بالمشافہ گفتگو نہ ہو جب دونوں فریق افہام و تفہیم کے ذریعہ معاملات کے سارے پہلوؤں پر تبادلۂ خیالات اور تفتیش و تحقیق کریں تو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہوجاتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب تک حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کی ملاقات نہیں ہوئی اختلافات یا غلط فہمیاں موجود رہیں بلکہ ان میں اضافہ ہی ہوتا گیا لیکن جب دونوں بزرگوں کی بصرہ میں ملاقات ہوئی۔ تو دونوں نے ایک دوسرے کے موقف اور صحیح حالات سے آگاہ ہوکر صلح کرلی۔ گو آخر میں بلکہ عین وقت پر مفسدوں نے بات بگاڑ دی۔ مگر اس سے حضرت عائشہؓ کے صلح کرنے والے واقعہ کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہمیں دیکھنا پڑے گا کہ کیا حضرت معاویہؓ نے بھی اسی طرز عمل کا ثبوت دیا۔ واقعات اس کا انکار کرتے ہیں حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ کو بارہا خط لکھے اور ان میں قسم کھا کر خونِ عثمانؓ سے اپنی

برئیت کا اعلان کیا۔ اپنی خلافت پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی کہ "میری بیعت انہیں لوگوں نے کی ہے۔ جن لوگوں نے میرے پیشرو خلفا کی بیعت کی تھی۔" میدانِ جنگ میں عرصے تک حضرت علیؓ کوشش کرتے رہے کہ معاویہؓ راہ راست پر آجائیں۔ انہوں نے حضرت معاویہؓ کے پاس متعدد وفود اور معزز لوگوں کو بھیجا کہ افہام و تفہیم کے ذریعہ معاملات سلجھ جائیں۔ مگر حضرت معاویہؓ نے ایک نہ سُنی اور آخر تک حضرت علیؓ کے خلاف صف آرا رہے۔ کیا اس سے ثابت نہیں ہوجاتا کہ اگر حضرت معاویہؓ کے دل میں حضرت علیؓ کے متعلق کوئی غلط فہمی تھی تو وہ افہام و تفہیم کے بعد دور ہو جانی چاہئے تھی۔ اگر حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ جیسی بزرگ شخصیت کی قسم پر بھی اعتبار نہ کیا۔ اگر ان کے اعلانات اور خطوط میں تحریر کردہ واقعات کو غلط بیانی پر محمول کیا اور آخر تک انہیں متہم کرتے رہے تو اس کے معنی یہ ہیں، کہ انہیں حضرت علیؓ کے متعلق کوئی غلط فہمی نہ تھی بلکہ حصولِ اقتدار کی وجہ سے وہ حضرتِ علیؓ کو ناکام بنانے کا ارادہ کر چکے تھے۔ ظاہر ہے کہ حضرت عائشہؓ کے ساتھ یہ صورت نہ تھی۔ اس لئے دونوں کو ایک سطح پر نہیں لایا جاسکتا۔

حضرت امیر معاویہؓ

حضرت امیر معاویہؓ

تاریخ اسلام میں حضرت علیؓ کے ساتھ حضرت امیر معاویہؓ کا ذکر لازم وملزوم کی حیثیت اختیار کر چکا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت میں سب سے زیادہ شورش انہیں کی طرف سے بپا کی گئی اور حضرت علیؓ کی ناکامی میں حضرت معاویہؓ کے طریقِ کار کو سب سے زیادہ دخل ہے۔ اس کتاب میں بھی جگہ بہ جگہ حضرت معاویہؓ کا ذکر آئے گا۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک باب میں ان کی سیرت وسوانح کا ایک اجمالی خاکہ پیش کر دیا جائے تاکہ لوگ دیکھ سکیں کہ حضرت علیؓ کے حریف کی شخصیت کس پائے کی تھی۔

ابتدائی حالات

ان کا نام معاویہؓ اور کنیت ابو عبدالرحمٰن تھی۔ مگر مشہور نام سے ہوئے کنیت سے شاید ہی کوئی جانتا ہو۔ ابوسفیان کے بیٹے اور اموی خاندان کے چشم وچراغ تھے۔ ماں کا نام ہندہ تھا۔ یہ وہی ہندہ ہیں جنہوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے چچا سیدالشہدا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبایا تھا۔ والد بزرگوار کی سب سے بڑی خصوصیت جو انہیں دوسرے صحابہ سے ممتاز کرتی ہے یہ بھی کہ وہ رسولِ خدا کی دشمنی میں ابوجہل کے قائم مقام تھے۔ ابوجہل کی موت کے بعد قریش مکہ نے اسلام اور رسولؐ اللہ کی ذات اقدس کو نقصان پہنچانے کے لئے جتنی سازشیں، حملے اور مظالم کئے ان سب کی قیادت ان ہی ابوسفیان نے کی۔ مگر جب مکہ فتح ہوا تو یہ جان کے خوف سے اسلام لے آئے اور سمندر کا سا ظرف رکھنے والے رسولؐ خدا نے انہیں بھی معاف کر دیا۔ اس لئے اب ہمیں بھی معاف کر دینا چاہئے۔ ہندہ نے بھی اسلام قبول کر دیا اور رسولِ خدا نے انہیں بھی معاف کر دیا۔

ماں باپ کے مسلمان ہونے کے ساتھ اولاد بھی مسلمان ہو گئی۔ چنانچہ حضرت معاویہؓ اور ان کے بھائی یزید .... بھی اسلام لے آئے بلکہ رسولؐ اللہ کا قرب بھی حاصل کر لیا۔ ام حبیبہؓ کو زوجۂ رسولؐ بننے کا شرف تو پہلے ہی حاصل تھا۔ اب حضرت معاویہؓ کو کاتب وحی بننے کی سعادت نصیب ہو گئی۔ گو یہ سعادت ایک سال سے زیادہ نہ ملی مگر سعادت بہرحال سعادت ہے۔

خدمتِ اسلام

حضرت معاویہؓ نے مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد اسلام کی خدمت میں جوشِ عمل

کا ثبوت دیا۔ چنانچہ حنین اور طائف کی جنگ میں وہ رسول اللہ کے ساتھ شریک ہوئے اور مالِ غنیمت میں سے وافر حصہ پایا۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ حضور صلعم نے انہیں سو اونٹ اور چالیس اوقیہ سونا یا چاندی عطا فرمایا۔ (ابن سعد جلد ہفتم)

حضورؐ کے وصال کے بعد تینوں خلفاء کی زندگی میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیتے رہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت میں جب اردن پر حملہ کیا گیا۔ تو امدادی فوج کے ایک دستے کے قائد حضرت معاویہؓ ہی تھے۔ بیروت کے حملے کے دوران میں بھی حضرت معاویہؓ ہراول دستے کے کمانڈر تھے اور عرقہ کی فتح کا سہرا تو انہیں کے سر ہے۔ حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں جب شام کے بعض علاقے مسلمانوں کے قبضے سے نکل گئے۔ تو حضرت معاویہؓ ہی نے انہیں دوبارہ فتح کیا۔ قیساریہ کی فتح بھی حضرت معاویہؓ ہی کا کارنامہ ہے یہاں بڑا سخت معرکہ پیش آیا تھا اور اسی ہزار آدمی قتل ہوئے تھے۔ (طبری کی تاریخ)

حضرت معاویہؓ کے بھائی یزید بن ابی سفیان بھی اپنی خدمتِ اسلام اور شجاعت کے اعتبار سے ممتاز فرد تھے انہوں نے متعدد جنگوں میں حصہ لیا اور بڑے بڑے معرکے سر کئے۔ انہیں خدمات کے عوض انہیں دمشق کی گورنری عطا ہوئی تھی۔ مگر ۱۸ھ میں جب ان کا انتقال ہو گیا۔ تو حضرت عمرؓ نے حضرت معاویہؓ کو دمشق کا گورنر مقرر کر دیا۔ حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے۔ تو حضرت معاویہؓ سارے شام کے گورنر بنا دیئے گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ جنگی امور کے نگراں بھی وہی مقرر ہوئے۔ اس عہدے کو انہوں نے بڑی قابلیت اور تدبر سے نباہا۔ طرابلس الشام کی فتح، رومیوں کے جنگی قلعوں کی تسخیر جن سے رومی مسلمانوں کو بڑا نقصان پہنچاتے تھے۔ حضرت معاویہؓ کے قابلِ ذکر کارنامے ہیں۔

ملیطہ، شمشاط اور قبرص کی فتح بھی انہیں کے تدبر کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ (فتوح البلدان)

ایک بڑا کارنامہ

لیکن ان تمام کارناموں سے بڑا کارنامہ بحری بیڑے کا قیام ہے۔ چونکہ رومیوں کے پاس بہت مستحکم بحری بیڑا تھا۔ اسلئے وہ اس کی مدد سے مسلمانوں کے ساحلی علاقوں پر حملے کر کے انہیں نقصان پہنچاتے تھے۔ ساحلی علاقوں کے مسلمان رومیوں کے ہاتھوں سخت مظالم کا شکار ہو رہے تھے حضرت معاویہؓ حضرت عمرؓ ہی کے زمانے سے کوشش کر رہے تھے کہ اسلامی فوجیں بھی بحری بیڑہ تیار کرلیں مگر بعض مصلحتوں کی بنا پر حضرت عمرؓ نے اس کی اجازت نہ دی۔ البتہ جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا تو حضرت معاویہؓ نے انہیں بحری بیڑے کے قیام پر آمادہ کر لیا۔ شروع شروع میں حضرت عثمانؓ بھی ہچکچاتے رہے۔ مگر حضرت معاویہؓ نے کسی نہ کسی طرح ان سے اجازت لے ہی لی۔ بلاشبہ سیاسی اور جنگی نقطہ نگاہ سے حضرت معاویہؓ کا یہ اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ عالم اسلام کو ان کا احسان مند ہونا چاہیئے۔

۲۸ھ وہ تاریخی سال ہے۔ جب حضرت معاویہؓ کی کوششوں سے مسلمانوں کا بحری بیڑہ ساحل سے روانہ ہو کر رومیوں کی سرکوبی کے لئے نکلا۔ اور افریقہ کے دور دراز علاقوں تک فتح و نصرت کے علم بلند کرتا چلا گیا۔ اسی بحری بیڑے کے ذریعہ سے حضرت امیر معاویہؓ نے قیصر روم سے وہ معرکتہ الآرا جنگ لڑی جس کے نتیجے میں طیونس، مراکش اور الجزائر کے علاقے اسلامی سلطنت میں شامل ہو گئے اور قیصر روم کا بحری بیڑا جو چھ سو جنگی جہازوں پر مشتمل تھا۔ عبرتناک شکست کھا کر فرار ہو گیا۔ مسلمانوں کے بحری بیڑے نے نہ صرف مملکت اسلامی میں توسیع کی۔ بلکہ ساحلی

علاقوں کے مسلمانوں کو امن وامان کی زندگی بسر کرنے کا موقع دیا۔ کیونکہ رومیوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ اب مسلمانوں کے پاس بھی ایک مضبوط بحری بیڑا ہے جو ان کے حملوں کا دندان شکن جواب دینے کے لئے ہر وقت ساحلی علاقوں میں کیل کانٹے سے لیس کھڑا رہتا ہے۔

مسند حکومت پر

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی گئی تو حضرت معاویہؓ نے انہیں خلیفہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور ان کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے میدان میں آ گئے (اس موضوع آئندہ صفحات میں روشنی ڈالی جائے گی) آخر کار بڑی خونریز جنگ کے بعد شام اور مصر پر ان کا تسلط قائم ہو گیا اور حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسنؓ کو مسند خلافت سے بہ جبر ہٹا کر حضرت معاویہؓ تمام عالم اسلام کے فرمانروا بن گئے۔

ایک دنیاوی سیاست دان اور بادشاہ کی حیثیت سے ان کا عہدِ حکومت بے حد کامیاب ثابت ہوا۔ ان کے زمانے میں بہت سے غیر ممالک فتح کئے گئے۔ بہت سے مفتوحہ ممالک میں رونما ہونے والی بغاوتوں کا استیصال کیا گیا۔ غیر ممالک میں سے زران، طخارستان، سندھ اور بلوچستان کے سرحدی علاقے، خراسان کے پہاڑی علاقے، رامنی، بیکند، نسف، ترکستان کے علاقے، سمرقند اور اس کے مضافات، جزائر روڈس اور ارواڈ کی فتوحات، عہدِ معاویہؓ کے قابل ذکر واقعات ہیں۔

(ابن اثیر جلد سوم۔ فتوح البلدان، معجم البلدان)

ملکی انتظام

حضرت معاویہؓ کے عہدِ حکومت میں جہاں فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا، بغاوتیں فرو ہونے کے بعد امن و امان قائم ہوا، وہاں ملکی انتظامات میں اصلاحات بھی کی گئیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ حضرت معاویہؓ کے مقابلے میں کوئی مضبوط حریف نہ تھا۔ حضرت علیؓ پہلے ہی شہید کئے جا چکے تھے، حضرت امام حسنؓ اپنی صلح پسندی کی وجہ سے مسندِ خلافت سے دست بردار ہو کر گوشۂ عافیت میں پناہ گزین ہو چکے تھے۔ حضرت معاویہؓ کو مسلمانوں کی مقتدر ہستیوں میں سے کسی کی مخالفت کا مقابلہ نہیں کرنا پڑا تھا۔ اس لئے انہیں ملکی انتظامات کی طرف توجہ کرنے کا خاطر خواہ موقعہ ملا۔ انہوں نے سب سے زیادہ توجہ فوج کی طرف دی خصوصاً بحری فوج کو بہت مضبوط کیا۔ جہاز سازی کے کارخانے قائم کئے۔ بحری اور بری فوجوں کے الگ الگ سپہ سالار مقرر کئے (پہلے دونوں فوجیں ایک ہی سپہ سالار کے ماتحت ہوا کرتی تھیں) نئے اور مستحکم قلعے تعمیر کروائے ملک میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے فوجی چھاؤنیاں بنائیں جو خود مستقل شہروں کی حیثیت رکھتی تھیں۔ خفیہ پولیس کا محکمہ قائم کیا اوباشوں اور مشتبہ لوگوں کے لئے رجسٹر کھلوائے جن میں ان کے نام درج کئے جاتے تھے اور پولیس ان کی نگرانی کرتی تھی۔ پولیس کے محکمے کو وسعت دی اور اس کے عہدیداروں کی تقسیم کی۔ شاہی فرمانوں کی نقول رکھنے اور ان کے اندراج کے لئے ایک علیحدہ محکمہ قائم کیا۔ زرعی پیداوار میں اضافہ کرنے کے لئے بکثرت نہریں کھدوائیں۔ اہل ملک کی شکایات کا ازالہ کرنے کے لئے روزانہ دربارِ عام منعقد کرنے کا طریقہ رائج کیا۔ ڈاک کی ترسیل کا وسیع انتظام کیا۔ حضرت معاویہؓ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے سلطنت،

کے ایک حصے سے دوسرے حصے تک ہر شہر اور قصبے کو ڈاک کے ہرکاروں کے ذریعہ
سے ملا دیا اور اس کے لئے ایک علیحدہ محکمہ قائم کیا ان کے عہد میں بے شمار مساجد تعمیر کی
گئیں۔ چھاونیوں کے علاوہ بہت سے نئے شہر آباد کئے گئے۔ تبلیغ اسلام کا کام نہایت
خوش اسلوبی سے ہوا اور مفتوحہ ممالک میں لاتعداد لوگوں نے اسلام کی دعوت قبول کی
(الفخری، یعقوبی، طبری، فتوح البلدان، مروج الذہب)

وفات

آخر یہ غیر معمولی دل و دماغ رکھنے والا انسان، یہ تدبر و فراست کا پتلا بھی موت
سے مات کھا گیا اور سوا انیس سال تک بڑے طمطراق سے حکومت کرنے کے بعد رجب ۶۰ھ
میں سارا لاؤ لشکر اور سامانِ شان و شوکت چھوڑ کر عالم جاوداں کو سدھار گیا۔

عادات و خصائل

حضرت معاویہؓ بے حد حلیم و بردبار تھے، ان کی بردباری اور حلم ان کی کامیابی
کے بنیادی اسباب میں شامل ہیں۔ وہ حتی الامکان لوگوں پر سختی نہ کرتے تھے اور جہاں تک ہوتا
تھا چشم پوشی سے کام لیتے تھے۔ دنیا کی عظیم الشان سلطنت کا مطلق العنان فرمانروا
ہونے کے باوجود انہوں نے جس حلم اور بردباری کا ثبوت دیا اس کی مثالیں تاریخ
کے صفحات میں بہت کم ملیں گی۔ خود ان کا قول ہے کہ "میرے لئے غصہ پینے سے زیادہ
لذیذ چیز اور کوئی نہیں۔ (طبری کی تاریخ)

اور واقعات ان کے اس قول کی تائید کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک دفعہ کسی نے ان
سے کہا کہ اے معاویہ! تم ہمارے ساتھ سیدھی طرح چلو ورنہ ہم تمہیں سیدھا کر دینگے۔
انہوں نے پوچھا کس چیز سے (یا کیسے؟) اس نے جواب دیا لکڑی سے حضرت معاویہؓ

نے کہا اس وقت سیدھا ہو جاؤں گا۔ (تاریخ الخلفا)

اور حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے حلم سے بہت سے سرکشوں کو سیدھا کر دیا۔ ان کا یہ حلم جہاں ان کی فطرت کے اقتضا کی وجہ سے تھا وہاں اس کی وجہ سیاسی بھی تھی۔ انہیں معلوم تھا کہ عرب بلا کے سرکش ہیں۔ یہ اصیل اونٹ کے مانند ہیں کہ جب ان پر سختی کی جائے یہ چلنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ اس لئے وہ حتی الامکان ان پر سختی کرنے سے گریز کرتے تھے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ انہوں نے اپنی سلطنت بہت سے لوگوں کا حق مار کر قائم کی ہے۔ بہت سے لوگوں کو ناراض کر لیا ہے۔ وہ ہاشمیوں کی سرشت سے بھی خوب واقف تھے جن کی اکثریت حکومت کو اپنا حق سمجھتی تھی۔ انہیں خوش رکھنے اور ان کے منہ بند کرنے کا طریق ان کے نزدیک سب سے بہتر یہی تھا کہ ان کے ساتھ فیاضی کا سلوک کیا جائے۔ ان کے اعتراضات کو تحمل سے سنا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جب تک زندہ رہے سوائے خارجیوں یا بعض مفتوحہ ممالک کے اور کسی نے ان کے خلاف بغاوت نہ کی۔

ان کی فطرت کی دوسری بڑی خصوصیت جود و سخا تھی اور حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اپنی اس فطری خصوصیت سے خوب خوب فائدہ اٹھایا۔ اپنے بڑے بڑے مخالفوں کو اس ہتھیار سے رام کر لیا۔ ان کی جود و سخا کا مینہ بلا امتیاز ہر طرف برستا تھا ان کے عہد کے بڑے بڑے صحابہ ان کے چشمۂ فیض سے فیضیاب ہوتے تھے۔ اموی ہوں یا ہاشمی، غریب ہوں یا امیر، موافق ہوں یا مخالف غرض جو ان کے دروازے پر چلا جاتا تھا جھولی بھر کر واپس آتا تھا۔ بقول حضرت عبداللہ بن عباسؓ "ان کے پاس جانے والے یہ سمجھتے تھے جیسے وہ کسی (سرسبز) وادی میں اترے ہیں۔" (طبری کی تاریخ)

ان کے مزاج میں نام ونمود اور شان وشوکت کا عنصر بھی غالب تھا۔ امارت و حکومت سے انہیں فطرتاً محبت تھی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ایک بار حضرت عمرؓ نے انہیں دیکھکر فرمایا تھا کہ "یہ عرب کے کسریٰ ہیں۔" (تاریخ الخلفاء)

وہ عالیشان محل میں رہتے تھے۔ دروازے پر دربان اور جلو میں زریں کمر غلام ہوتے تھے۔ اعلےٰ درجہ کی پوشاک اور انواع واقسام کی مرغن اور لذیذ غذائیں انہیں بے حد مرغوب تھیں۔ انہیں مزاج کی اس سادگی سے دور کا بھی لگاؤ نہ تھا۔ جو رسول اللہ اور آپ کے خلفاء کا طرۂ امتیاز تھی۔ ان کی ساری زندگی قیصر وکسریٰ کی تقلید میں گذری اور اس اعتبار سے بلاشبہ ان کا مکمل نمونہ تھی۔

سیاست وتدبر

حضرت معاویہؓ نے جن حالات میں اقتدار حاصل کیا وہ ہمیں یہ اعتراف کرنے پر مجبور کرتے ہیں کہ امیرِ موصوف سیاست وتدبر میں بہت اونچا پایہ رکھتے تھے۔ ان جیسے ذہین وفریس اور موقع شناس عالم اسلام نے تو کیا دنیا نے بہت کم پیدا کئے ہوں گے ان کے تدبر وفراست نے بہت کم ٹھوکر کھائی۔ وہ بڑی بڑی مہمات کو یوں سر کر گئے جیسے یہ کوئی بات ہی نہ تھی۔ ان کی پیش بندی ضرب المثل کی حقیقت رکھتی ہے جو بات کل ہونے والی ہوتی تھی۔ وہ اس کے متعلق برسوں پہلے اندازہ لگا کر اپنے طریق کار کا بھی فیصلہ کر لیا کرتے تھے۔ ان کے عہد میں ان سے اچھا منصوبہ بنانے والا شاید ہی کوئی پیدا ہوا ہو۔ جب انہیں شام کی ولایت تفویض کی گئی تو انہوں نے اسی وقت سے پیش آنے والے خطرات کا اندازہ کر لیا اور اپنے معاونین وجان نثار لوگوں کی تعداد بڑھانا شروع کر دی۔ ایک بڑے اور مضبوط قبیلے میں شادی کی

صرف اس مقصد سے تاکہ اس قبیلے کو اپنا مددگار بنایا جا سکے۔ غرض وہ اپنے عہد کے بہت بڑے سیاست دان تھے۔ ان کا اُٹھنا بیٹھنا، ہنسنا بولنا، ملنا جُلنا، شادی بیاہ ہر کام سیاسی نوعیت کا ہوتا تھا۔ شاید اسی لئے بعض لوگوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ ان کی عبادت بھی سیاسی ہوتی تھی۔ مگر ہمارا یہ منصب نہیں کہ ہم کسی قابلِ احترام شخصیت کے ساتھ بدظنی کا سلوک کریں۔ ہمیں صرف واقعات سے سروکار رکھنا چاہئے۔ ظن و تخمیں سے نہیں۔

حضرت معاویہؓ نے شام میں بنو امیہ کو اس کثرت سے آباد کیا کہ شام بنو امیہ کی ریاست بن کر رہ گیا۔ انہوں نے قبائل کو اپنا گرویدہ بنانے کے لئے تھیلیوں کے منہ کھول دیئے۔ جس نے جو مانگا اسے عطا کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل شام ان پر جان چھڑکنے لگے اور جب وہ نازک وقت آیا جس کے لئے انہوں نے یہ پیش بندیاں کی تھیں تو ہزاروں تلواریں ان کی حمایت میں نیاموں سے باہر آگئیں۔ یہ ان کی سیاست دانائی تھی کہ ان کے بڑے بڑے دشمن ان کے دوست بن گئے۔ ان کے تدبر کی اس سے زیادہ سچی اور صاف تصویر شاید ہی کہیں اور نظر آئے جو خود انہوں نے ان الفاظ میں کھینچی ہے۔

"میں اس جگہ اپنی تلوار نہیں اٹھاتا جس جگہ کوڑے سے کام نکلتا ہوا اور اس جگہ اپنا کوڑا نہیں اٹھاتا جہاں میری زبان سے کام نکلتا ہو۔ اگر میرے اور دوسروں کے درمیان ایک بال (بعض مورخوں نے دھاگا لکھا ہے) ہو تو وہ بھی نہیں ٹوٹنے گا (کیونکہ) جب دوسرے اسے کھینچیں گے تو میں اسے ڈھیلا کر دوں گا۔

اور جب دوسرے اسے ڈھیلا کریں گے تو میں اسے
کھینچ لوں گا۔"

اور کون ہے جو حضرت معاویہؓ کے ان الفاظ کی صداقت سے انکار کر سکے۔ یہی وہ طریقِ کار تھا جسے اختیار کر کے وہ سیاست و امارت کی بلندیوں تک پہنچ گئے۔

ان کی دور اندیشی اور فراست کا ایک بڑا ثبوت اس وصیت کے مندرجات ہیں جو انتقال سے پہلے انہوں نے اپنے بیٹے (یزید) کے نام تحریر کروائی تھی۔ اس وصیت میں منجملہ اور باتوں کے انہوں نے یہ بھی لکھوایا تھا۔

"خلافت کا معاملہ سب سے زیادہ اہم ہے اس امر میں حسینؓ بن علیؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ تمہارے حریف ہو سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور کسی سے خطرہ نہیں۔ ان میں سے عبداللہ بن عمرؓ کو عبادت و ریاضت نے کمزور کر دیا ہے۔ انہیں دنیا سے کوئی غرض نہیں۔ جب عام لوگ بیعت کریں گے تو وہ بھی کرلینگے عبدالرحمٰن بن ابوبکر خود کوئی حوصلہ نہیں رکھتے۔ جیسا اپنے ساتھیوں کو کرتا دیکھیں گے۔ ویسا ہی خود بھی کریں گے۔ ہاں حسینؓ کی طرف سے ضرور خطرہ ہے کہ عراقی انہیں تمہارے مقابلے میں لاکر رہیں گے لیکن جب تمہارے ساتھ ان کا مقابلہ ہو اور تم ان پر غالب آجاؤ تو چشم پوشی اور درگذر سے کام لینا کیونکہ وہ ہمارے قرابت دار اور رسول اللہ کے عزیز ہیں۔ البتہ جو شخص لومڑی کی چال چلے گا اور شیر کی طرح حملہ کرے گا وہ عبداللہ بن زبیرؓ ہے۔ اگر وہ صلح کی پیش کش کریں

تو صلح کر لینا ورنہ ان پر غالب آنے کے بعد انہیں ہرگز زندہ نہ
چھوڑنا بلکہ ٹکڑے اڑا دینا۔" (الفخری)

تاریخ اس امر کی شہادت دیتی ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اپنی وصیت میں
جن باتوں کی پیشگوئی کی تھی اور جن خدشات کا اظہار کیا تھا وہ پورے ہو کر رہے۔
عبداللہ بن عمرؓ اور عبدالرحمٰن بن ابو بکر نے یزید سے کوئی تعرض نہ کیا اور بدستور
عبادتِ الٰہی میں مصروف رہے۔ اہل عراق نے حضرت امام حسینؓ کو خط پر خط لکھے اور
وفد پر وفد بھیجے اور وہ حضرت امامؓ کو یزید کے مقابلے میں لا کر رہے۔ عبداللہ بن
زبیرؓ نے اموی حکومت کے دانت کھٹے کر دیئے۔ بلکہ ایک موقع تو ایسا آیا جب ان
کے ہاتھوں اموی حکومت کا چراغ گل ہوا ہی چاہتا تھا مگر حضرت ابن زبیرؓ کی ایک
سیاسی لغزش سے جیتی ہوئی بازی ہار میں تبدیل ہو گئی۔

غرض حضرت معاویہؓ کی یہ وصیت حرف بہ حرف پوری ہو کر رہی اور دنیا
سے رخصت ہوتے وقت بھی انہوں نے اپنی ذہانت وفطانت، دور اندیشی اور
دور بینی کے ایسے نقوش ثبت کر دیئے جو اَنمٹ ہیں۔

ان کے تدبر اور سیاست کا ایک بڑا ثبوت اپنے رفقا کا انتخاب ہے۔ حضرت
معاویہؓ بڑے دانشمند آدمی تھے۔ وہ بر خود غلط نہ تھے۔ کسی خوش فہمی میں مبتلا نہ ہوتے
تھے۔ انہیں اس امر کا بخوبی احساس تھا کہ انہوں نے بہت اونچی جگہ ہاتھ ڈالا ہے
اور بارود کی سرنگوں پر سے گزرنے والا رستہ اختیار کیا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ
خطرات سے لبریز مہم اس وقت تک سر نہیں ہو سکتی جب تک رفیقانِ راہ صاحب
عزم و تدبر اور مستقل مزاج نہ ہوں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عمروؓ بن العاص اور

حضرت مغیرہؓ بن شعبہ جیسے تجربہ کار جرنیلوں اور بیدار مغز لوگوں کو اپنا شریک کار بنایا
انہوں نے زیاد بن ابوسفیان کو بھی اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی کیونکہ وہ بھی
اپنے تدبر اور شجاعت کے اعتبار سے اس دور کے ممتاز فرد تھے۔ مگر اس معاملہ
میں حضرت معاویہؓ کو پوری کامیابی نہ ہو سکی۔ ہاں جب حضرت علیؓ شہید کر دیئے گئے
اور ان کی شہادت کے بعد حضرت امام حسنؓ خلافت سے دست بردار ہو گئے تو وہ
زیاد کو اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ واقعہ بھی اپنی نوعیت کے لحاظ سے
عجیب و غریب ہے۔ زیاد کے متعلق عام طور پر یہ مشہور تھا کہ ان کی والدہ کے ساتھ
مختلف لوگوں کا تعلق رہا کرتا تھا۔ ایام جاہلیت میں حضرت معاویہؓ کے والد ابوسفیان
نے بھی زیاد کی والدہ سے تمتع کیا تھا۔ اس لئے زیاد کے حسب نسب کے متعلق لوگ
بہت خراب رائے رکھتے تھے اور وہ لوگوں میں مجہول النسب سمجھے جاتے تھے۔
حضرت معاویہؓ کو زیاد کی اس کمزوری کا علم تھا۔ چنانچہ انہوں نے جہاں زیاد کو مختلف
لالچ دیئے وہاں یہ پیش کش بھی کی کہ اگر تم میری اطاعت اختیار کر لوگے تو میں تمہیں اپنے
کنبے میں شامل کر لوں گا۔ چنانچہ جب زیاد حضرت معاویہؓ سے مل گئے۔ تو حضرت معاویہؓ
نے مجمع عام میں اعلان کیا کہ زیاد میرے بھائی ہیں اور ایام جاہلیت میں میرے والد
نے ان کی والدہ سے نکاح کر لیا تھا۔ (تاریخ ابوالفدا)

اس طرح جہاں زیاد کے دامن شہرت سے ایک بدنما داغ مٹ گیا وہاں
حضرت معاویہؓ کو ایک مضبوط ساتھی مل گیا۔ ان طریقوں سے عرب کے بہترین دماغ
ان کے گرد جمع ہو گئے۔ جنہوں نے اپنی دوراندیشی اور تدبر سے حضرت معاویہؓ کی تمام
مشکلیں آسان کر دیں۔ وہ ہر مرحلے پر حضرت معاویہؓ کے شریک رہے، ایک موقع

بھی ایسا نہ آیا جب انہوں نے حضرت معاویہؓ کی امداد سے پہلوتہی کی ہو۔ ایسے سچے رفقاء کا انتخاب حضرت معاویہؓ کی دوراندیشی اور فکر و تدبر کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ مگر کاش حضرت معاویہؓ کے طریق کار میں سیاست و تدبر کے علاوہ ان چیزوں کی آمیزش نہ ہوتی۔ جس نے انہیں ان کے مقام سے گرا دیا اور ان کے دامن شہرت کو داغدار کر کے ان کی نیک نامی کو بٹہ لگا دیا۔ ان باتوں کی تفصیل اپنے اپنے مقام پر آئے گی۔

جنگِ صفین
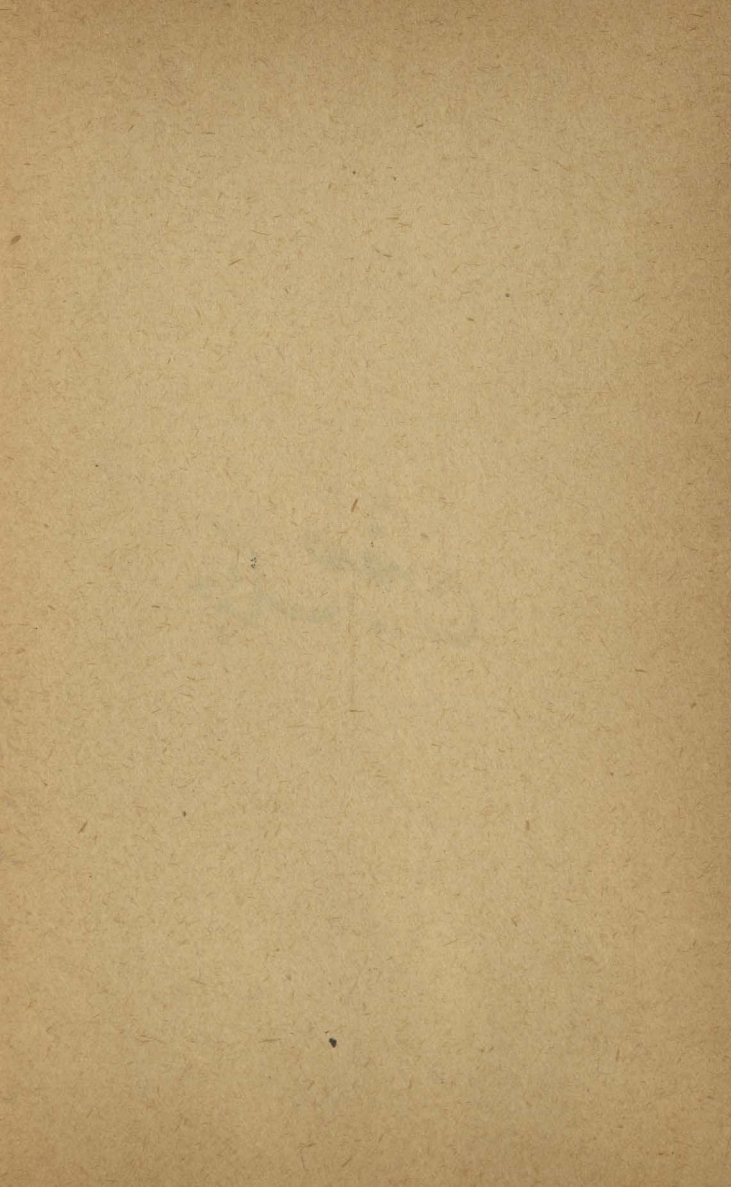
جنگِ صفین

اسے امت کے ساتھ ایک خوفناک حادثے ہی سے تعبیر کرنا چاہئے کہ جنگِ جمل کے بعد ابھی مسلمانوں کی تلواروں کا لہو بھی خشک نہ ہونے پایا تھا کہ پیاس کی شدت کی وجہ سے ان کی تلواروں کی زبانیں پھر میانوں سے باہر نکل آئیں۔ ادھر حضرت علیؓ جنگ جمل سے فراغت پاکر کوفہ تشریف لے گئے اور اُدھر ایک نئی جنگ کی طرح پڑ گئی۔ ہماری مراد اس جنگ سے ہے جسے تاریخ جنگِ صفین کے نام سے پکارتی ہے اور جو حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان برپا ہوئی تھی۔

اصلاح کی کوشش

حاکمِ شام حضرت امیر معاویہؓ ابھی تک اپنی سرکشی پر قائم تھے۔ حضرت علیؓ کے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ انہیں راہِ راست پر لانے کے لئے

میدان جنگ کا رُخ کریں۔ مگر واقعات شاہد ہیں کہ انہوں نے یہ آخری قدم بھی بڑی احتیاط سے اٹھایا کہ مبادا اُن پر خونریزی کا الزام لگایا جائے یا ان کی وجہ سے اُمت کے دو گروہوں میں تلوار چلے۔ چنانچہ پیشتر اس سے کہ صفین کا میدان مسلمانوں کے خون سے لالہ زار بنتا۔ حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ کو ایک بار پھر بیعت کی دعوت دی۔ ہمدان کے عامل جریر بن عبداللہ البجلی حضرت علیؓ کا خط لیکر حضرت معاویہؓ کے پاس گئے اور ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ مگر حضرت معاویہؓ نے خط کا جواب دینے میں عمداً تاخیر سے کام لیا۔ تاکہ ایک طرف تو انہیں حضرت علیؓ کے خلاف تیاری کرنے کا زیادہ سے زیادہ موقع مل جائے۔ دوسرے اس عرصے میں جریر شہادت عثمانؓ کے متعلق وہاں کے عوام کے جذبات کا اندازہ لگا کر حضرت علیؓ کو مطلع کر سکیں۔

جریر نے حالات کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ شام کا ہر شخص حضرت معاویہؓ کا وفادار اور جان نثار ہے اور اہل شام قسم کھا چکے ہیں کہ جب تک خونِ عثمانؓ کا قصاص نہ لے لیں گے نہ تو سرد پانی پئیں گے اور نہ نرم بستر پر سوئیں گے۔ انہوں نے یہ بھی محسوس کیا کہ عام طور پر لوگ حضرت علیؓ کو خونِ عثمانؓ میں شریک سمجھتے ہیں۔ جریر ابھی جواب کے انتظار میں رُکے ہوئے تھے کہ انہیں حضرت علیؓ کا ایک خط موصول ہوا جس میں حضرت علیؓ نے ہدایت کی تھی کہ بیعت کے بارے میں معاویہؓ سے دو ٹوک بات کرو اور جلد سے جلد واپس آجاؤ۔ خط کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

"اما بعد میرا خط پاتے ہی معاویہؓ کو صاف جواب دینے پر مجبور کرو یکی ٹھوس بات اس کے سامنے رکھ کے جواب طلب کرو۔ کہو

برباد کن جنگ اور رسوا کن امن میں سے ایک کو اپنے لئے پسند کر لے۔ جنگ پسند کرے تو اس سے لڑا جائے۔ امن پسند کرے تو اس سے بیعت لے کر واپس آؤ۔ (نہج البلاغہ۔ اردو ترجمہ)

حضرت علیؓ کے اس خط کا جریر پر تو یہ اثر ہوا کہ وہ حضرت معاویہؓ سے گفتگو کر کے واپس آ گئے۔ مگر حضرت معاویہؓ پر کوئی اثر نہ ہوا۔ نہ انہیں بیعت کرنی تھی اور نہ کی۔ واپس آ کر جریر نے حضرت علیؓ کو سارے حالات سے مطلع کر دیا۔ مگر جریر کی تاخیر سے واپسی کا حضرت علیؓ پر اچھا اثر نہ ہوا۔ کیونکہ اشتر نے حضرت علیؓ کو جریر کی طرف سے یہ کہہ کر بدظن کر دیا تھا کہ جریر نے جان بوجھ کر دیر لگائی ہے تا کہ معاویہؓ کو تیاری کا موقعہ مل جائے۔ یہ معاویہؓ سے ساز باز کر چکا ہے۔ جریر کو اس اتہام سے بہت تکلیف ہوئی اور وہ دل برداشتہ ہو کر چلے گئے۔ معاویہؓ تو ایسے مواقع کے منتظر رہتے تھے کہ کوئی سرکردہ آدمی حضرت علیؓ سے ناراض ہو اور میں اسے دم دلاسہ دے کر اپنے پاس بلاؤں۔ چنانچہ جب انہیں جریر کی علیحدگی کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے فوراً انہیں پاس بلا لیا۔

انتظامات جنگ

اب حضرت علیؓ کے لئے سوائے اس کے اور کوئی راستہ نہ تھا کہ وہ حضرت معاویہؓ سے نبرد آزمائی کرنے کی تیاریاں کرتے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور کوفہ سے نخلیہ جا کر لشکر آرائی کے انتظامات کرنے لگے۔ اسی دوران میں ابن عباسؓ بصرہ سے ایک لشکر لے کر حضرت علیؓ کی امداد کے لئے پہنچ گئے۔ حضرت علیؓ نے لشکر مرتب کیا اور زیاد بن نضر حارثی کو آٹھ ہزار کی جماعت کے ساتھ امیر معاویہؓ کے مقابلے

پر بھیجا۔ پھر شریح بن ہانی کو چار ہزار لشکریوں کے ساتھ زیاد کی امداد کے لئے روانہ کیا۔
ان انتظامات کے بعد حضرت علیؓ نے ذی قعدہ ۳۶ھ مطابق اپریل ۶۵۷ء میں نخلیہ سے مدائن کی طرف کوچ کیا۔ مدائن پہنچکر ایک اور لشکر جو تین ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا معقل بن قیس کی قیادت میں معاویہؓ کے مقابلے پر بھیجا۔ یہاں سے حضرت علیؓ نے رقہ کا رُخ کیا اور دریائے فرات عبور کر کے روم کی حدود میں داخل ہو گئے۔

ادھر حضرت معاویہؓ کو بھی حضرت علیؓ کے انتظامات اور حرکات و سکنات کی پل پل کے بعد خبر مل رہی تھی۔ چنانچہ جب حضرت علیؓ نے کوفہ سے نخلیہ کی طرف رُخ کیا اور امیر معاویہؓ کے مقابلے کے لئے لشکر روانہ کیا۔ تو عمرؓ بن العاص نے جو امیر کے دست راست اور سب سے بڑے معاون و مددگار تھے۔ امیر کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ امیر نے یہ سن کر عمروؓ بن العاص، ان کے لڑکوں عبداللہ و محمد اور غلام وردان کے لئے ایک ایک علم تیار کروایا اور چاروں کو علم دے کر حضرت علیؓ کے مقابلے کے لئے روانہ کر دیا۔ (مطالب المسؤل)

ابتدائی حملہ

جب حضرت علیؓ روم کی حدود میں داخل ہو گئے۔ تو امیر معاویہؓ کا ایک لشکر ابو الاعور السلمی کی سرکردگی میں مقابلے کے لئے آگیا۔ حضرت علیؓ نے اشتر کو اپنی فوج کے اس حصہ کا سالار بنا کر روانہ کیا جو زیاد اور شریح کی زیر قیادت پہلے سے خیمہ زن تھی۔ زیاد کو دائیں بازو پر اور شریح کو بائیں بازو پر مقرر کیا اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہدایت کر دی کہ تم خود جنگ کی ابتدا نہ کرنا تا وقتیکہ فریق مخالف پہل نہ کرے۔ اشتر نے حضرت علیؓ کے حکم کی تعمیل میں حتی الامکان جنگ

کرنے سے دامن بچایا لیکن جب شام ہونے لگی ۔ تو معاویہؓ کے سالار ابو الاعور نے اشتر پر حملہ کر دیا مگر رات ہو جانے کی وجہ سے تھوڑی ہی دیر کے بعد دونوں فوجیں اپنے اپنے کیمپ میں واپس چلی گئیں ۔ دوسرے دن پھر جنگ شروع ہو گئی اور تمام دن جاری رہی شام کے وقت پھر دونوں فوجیں ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئیں ۔ تیسرے دن حضرت علیؓ بھی میدان جنگ میں تشریف لے آئے اور اُدھر معاویہؓ بھی پہنچ لئے حضرت علیؓ نے اشتر کو حکم دیا کہ جلد سے جلد فرات کے کنارے پہنچنے کی کوشش کرو تاکہ پانی کی تکلیف نہ ہو ۔ مگر پیشتر اس سے کہ اشتر فرات پر پہنچتے معاویہؓ اس پر قابض ہو چکے تھے ۔ انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ حضرت علیؓ کی فوج کو پانی لینے کی ممانعت کر دی اور دریا پر فوج کا مضبوط پہرہ مقرر کر دیا ۔

جب لشکر علیؓ پیاس کی شدت سے بیتاب ہو گیا اور لوگوں نے حضرت علیؓ سے اپنی تکلیف بیان کی تو انہوں نے صعصعہ بن صوحان کو معاویہؓ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ :-

"ہم اس وقت تک جنگ کی ابتدا نہ کرتے جب تک تمہیں عذرات بیان کرنے کا موقعہ نہ دیدیتے ۔ مگر تمہاری فوج نے آتے ہی جنگ شروع کر دی ۔ ہمارے نزدیک مناسب یہی ہے کہ تمہیں حق کی طرف بلائیں اور جب تک اتمام حجت نہ ہو جائے جنگ نہ شروع کریں ۔ افسوس کی بات ہے کہ تم نے فرات پر قبضہ کر کے ہمیں پانی لینے سے روک دیا ہے ۔ لوگ پیاس سے بے حال ہو رہے ہیں تم اپنے لشکریوں کو حکم دو کہ وہ ہم پر پانی بند نہ کریں تاآنکہ ہمارے درمیان متنازعہ فیہ

امور کا فیصلہ نہ ہو جائے اور اگر تم چاہتے ہو کہ ہم اصل مقصد
چھوڑ کر پانی پر جنگ کریں اور اس پر وہی قابض ہو جو دوسرے
پر فتحیاب ہو جائے۔ تو ہم اس کے لئے بھی تیار ہیں۔" (تاریخ ابن خلدون)
جب صعصعہ نے امیر معاویہؓ کو حضرت علیؓ کا یہ پیغام دیا تو انہوں نے اپنے
مشیروں عمروؓ بن العاص اور ولید بن عقبہ وغیرہ سے پوچھا کہ اس معاملے میں کیا کرنا
چاہیئے۔ عمرو نے حضرت علیؓ اور ان کے ہمراہیوں کو پانی استعمال کرنے کی اجازت
دینے کا مشورہ دیا۔ مگر ولید اور اس کے ہم خیال لوگوں نے کہا کہ علیؓ اور ان کے
ساتھیوں پر پانی بند رہنے دیا جائے جس طرح ان لوگوں نے عثمانؓ پر پانی بند
کر کے انہیں پیاسا مارا۔

حضرت معاویہؓ کی پہلی شکست

صعصعہ نے واپس آکر حضرت علیؓ کو سارے حالات سے مطلع کر دیا۔ حضرت
علیؓ کی فوج میں سے اشعث بن قیس سواروں کے ساتھ فرات پر گئے تاکہ پانی حاصل
کریں۔ حضرت معاویہؓ کی طرف سے ابو الاعور، یزید بن اسد قسری اور عمروؓ ابن العاص نے
آکر اشعث کو پانی لینے سے روک دیا۔ آخر فریقین میں جنگ شروع ہو گئی۔ جب حضرت
علیؓ کو معلوم ہوا کہ جنگ شروع ہو گئی ہے تو آپ نے شبث بن الربعی اور ان کے بعد
اشتر کو لشکر کے ساتھ اشعث کی امداد کے لئے بھیجا۔ بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ کچھ
دیر تک تو دونوں طرف سے برابر کی چوٹیں ہوتی رہیں۔ مگر جب حضرت علیؓ کے لشکریوں
نے کمانیں پھینک کر دست بدست جنگ شروع کر دی۔ نیزوں اور تلواروں سے
معاویہؓ کی فوج پر حملہ کیا اور ان کی فوج کی صفوں میں گھس گئے۔ تو تھوڑی ہی

دیر میں معاویہؓ کی فوج کے ہاتھ سے میدان نکل گیا اور وہ بھاگ کھڑی ہوئی۔ فرات پر حضرت علیؓ کا قبضہ ہو گیا۔ بیشتر لوگوں کی رائے تھی کہ اب معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کو پانی لینے سے روک دیا جائے۔ مگر علیؓ معاویہؓ نہیں تھے۔ رسول اللہ کے تربیت یافتہ، دشمن پر قابو پا کر بھی عفو و درگذر سے کام لینے والے۔ وہ اس لئے خلیفہ نہیں ہوئے تھے کہ مخلوقِ خدا کو پیاسا ماریں اور وہ پانی انسانوں پر بند کر دیں جو گھوڑوں، گدھوں، کتوں اور سوروں پر بھی بند نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے لشکریوں کی رائے سے اختلاف کیا اور معاویہؓ کے لشکر کو پانی لینے کی اجازت دے دی۔ (مروج الذہب)

ایک اور کوشش

اس واقعہ کے بعد دو یوم تک فریقین جنگ سے رکے رہے۔ یکم ذی الحجہ کو حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ کو سمجھانے اور اپنی بیعت کی دعوت دینے کے لئے ایک وفد بھیجا۔ اس وفد میں ابو عمیر، بشیر بن عمرو بن محصن انصاری، سعید بن قیس ہمدانی، اور شبث بن ربعی تمیمی شامل تھے۔ بشیر بن عمرو نے حضرت معاویہؓ کو مخاطب کر کے بہت موثر انداز میں راہ راست پر آنے کی تلقین اور خونریزی سے باز رہنے کی ہدایت کی۔ اس کے جواب میں معاویہؓ نے کہا۔

تم نے اپنے دوست (علیؓ) کو بھی یہ مشورہ دیا ہے۔

بشیر۔ وہ تم جیسے نہیں ہیں۔ اسلام میں سبقت اور رسول اللہ کے قریب ترین عزیز ہونے کی وجہ سے امیر ہونے کے زیادہ حق دار ہیں۔

معاویہؓ۔ پھر اس معاملے میں تمہاری رائے کیا ہے؟

شبث۔ وہ تمہیں حق کے راستے کی طرف بلاتے ہیں اس کی طرف چلے آؤ۔
معاویہؓ۔ کیا ہم خونِ عثمانؓ کا قصاص چھوڑ دیں؟ خدا کی قسم ہرگز ایسا نہ ہوگا۔
شبث:۔ اے معاویہؓ! تم چند اوباشوں اور کمینہ فطرت لوگوں کے ذریعہ سے خونِ عثمانؓ کا مطالبہ کرنے آئے ہو۔ ہم تمہارا مقصد اچھی طرح جانتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ تم نے خلافت و امارت حاصل کرنے کی خاطر عثمانؓ کی امداد میں تاخیر کی۔ خدا کا خوف کرو جس خیال نے تمہارے دل پر قبضہ پا لیا ہے۔ اسے دل سے نکال دو اور اس شخص سے نہ لڑو جو تم سے زیادہ امارت کا حق دار ہے۔
معاویہؓ۔ اے عرب کے کمینے! ہم تیری شرافت سے واقف ہیں۔ ہمارے سامنے سے دور ہو۔ ہمارے اور تیرے درمیان تلوار حائل ہے۔
شبث:۔ تم ہمیں تلوار سے خوفزدہ کرنا چاہتے ہو۔ خدا کی قسم زیادہ دیر نہیں لگیگی کہ ہماری تلواریں تمہارے سروں پر چمکتی ہوں گی۔
اس گفتگو کے بعد حضرت علیؓ کا وفد معاویہؓ کے پاس سے چلا آیا اور حضرت علیؓ کو اپنی ناکامی کی اطلاع دیدی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ شروع ہو گئی۔ مگر عام جنگ نہیں ہوئی۔ اس خیال سے کہ اگر بیک وقت دونوں فوجوں نے ایک دوسرے پر حملہ کر دیا تو دونوں طرف کی ساری فوج کا بڑا حصہ اس قتلِ عام کی نذر ہو جائیگا اس لئے دونوں طرف سے ایک ایک دستہ میدان میں اترتا تھا۔ اس طرح ذوالحجہ کا سارا مہینہ جنگ ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ محرم شروع ہو گیا اور لڑائی رک گئی محرم کا سارا مہینہ صلح کی کوششوں میں گذر گیا۔ حضرت علیؓ ہی کی طرف سے صلح کی کوشش کا آغاز ہوا۔ آپ نے عدی بن حاتم، زید بن قیس الارحبی، شبث بن ربعی اور زیاد بن حصفہ کو معاویہؓ کے پاس

سمجھانے بجھانے کی غرض سے بھیجا۔ عدی نے معاویہؓ کے سامنے مندرجہ ذیل تقریر کی۔

اے معاویہؓ! امیر المومنین علیؓ کی اطاعت سے سرتابی نہ کرو۔ ان کی بیعت کرلو۔ شاید تمہارے بیعت کرنے سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں اتفاق ہو جائے۔ اور واقعہ بھی یہ ہے کہ سوائے تمہارے امیر المومنین کی بیعت سے کسی نے روگردانی بھی نہیں کی۔

اے معاویہؓ! کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا بھی وہی انجام ہو جو اہل جمل کا ہوا ہے۔

عدی کے اس اہانت آمیز فقرے نے معاویہؓ کو برانگیختہ کر دیا۔ اور وہ کہنے لگے کہ "اے عدی تم کس طرح سے گفتگو کرتے ہو۔ یوں معلوم ہوتا ہے۔ جیسے صلح کرنے نہیں جنگ کرنے آئے ہو"

پھر غضبناک ہو کر بولے۔ اے عدی کیا تجھے نہیں معلوم کہ میں حرب کا بیٹا اور صخر کا پوتا ہوں۔ جنگ سے بالکل نہیں گھبراتا۔ مجھے معلوم ہے کہ تو بھی عثمانؓ کے قاتلوں میں شامل ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ان کے قتل کے بدلے میں خدا تجھے بھی ہلاک کروائے گا۔

معاویہؓ کی تقریر سن کر یزید بن قیس نے کہا کہ:۔

ہم لوگ سفیر بن کر آئے ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہمیں جو پیغام دیا گیا ہے وہ تم تک پہنچا دیں اور تم جو جواب دو وہ ان سے کہہ دیں۔ ہم تمہارے ناصح بن کر نہیں آئے۔ مگر یہ کوشش ضرور کریں گے کہ مسلمانوں میں نفاق نہ رہے اور اتفاق و اتحاد پیدا ہو۔

اے معاویہ امیر المومنین علیؓ اسلام میں سبقت رکھنے اور اپنے زہد و تقویٰ

کی وجہ سے خلافت کے جائز مستحق ہیں مسلمانوں کی جماعت ان کے ساتھ ہے پس ان
کے ہاتھ پر بیعت کر کے جماعت میں نفاق و انتشار کو دور کرنا چاہیئے۔

معاویہؓ نے اس کے جواب میں کہا کہ :۔

تم جماعت کا کیا ذکر کرتے ہو اور جماعت کی بنا پر ہمیں کیوں دعوت دیتے ہو۔
جماعت تو ہمارے ساتھ بھی ہے۔ تمہارا یہ کہنا کہ ہم علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کریں اس لئے
درست نہیں کہ وہ اس کے حقدار نہیں ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کے خلیفہ
کے قاتلوں کی پشت پناہی کی۔ پھر ہم ان کی اطاعت کیسے کریں۔ ان کے ساتھ
صلح تو اس صورت میں ہو سکتی ہے جب وہ عثمانؓ کے قاتلوں کو ہمارے سپرد کر دیں۔

اس مرحلے پر شبث بن ربعی نے معاویہؓ سے کہا کہ اے معاویہؓ! خدا تجھے ہدایت یافتہ
بنائے کیا تو عمارؓ کو بھی قتل کر دے گا؟

حضرت معاویہؓ نے اس کا جواب یہ دیا کہ میں تو اسے عثمانؓ کے غلام کے عوض
قتل کر دوں گا۔

اس کے بعد دونوں میں سخت کلامی ہونے لگی۔ یہ دیکھکر حضرت علیؓ کا وفد حضرت
معاویہؓ کے پاس سے اٹھ کر چلا آیا۔ مگر وفد کے ایک رکن زیاد بن حصفہ کو معاویہؓ نے
روک لیا اور خلوت میں لے جا کر ان سے کہا کہ اگر تم علیؓ کو چھوڑ کر اپنے قبیلہ کے ساتھ
میری امداد پر آمادہ ہو جاؤ۔ تو میں تمہیں جس شہر کا چاہو والی بنا دونگا۔ مگر زیاد معاویہؓ
کے دم دلاسے میں نہ آئے اور انہوں نے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ میں اللہ تعالیٰ
کی تائید کرنے والوں میں سے ہوں۔ گنہگاروں کا مددگار نہیں ہو سکتا۔"

حضرت معاویہؓ کا وفد

اس واقعہ کے بعد حضرت معاویہؓ نے اپنا ایک وفد حضرت علیؓ کی خدمت میں بھیجا جس میں حبیب بن مسلم، شرجیل بن السمط اور حصن بن یزید بن الاغنس شامل تھے۔ وفد کے قائد حبیب نے حضرت علیؓ کو مخاطب کر کے کہا کہ عثمانؓ اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل کرتے تھے اور اس کے مطابق عمل کرواتے تھے۔ مگر تمہیں ان کی زندگی گوارا نہ ہوئی۔ تم نے انہیں قتل کر دیا۔ اگر تم اپنے آپ کو ان کے قتل سے بری سمجھتے ہو۔ تو ان کے قاتلوں کو ہمارے سپرد کر دو اس کے بعد خلافت سے دست بردار ہو جاؤ۔ مسلمان جسے مناسب سمجھیں گے اتفاق رائے سے اپنا امیر بنا لیں گے۔

حضرت علیؓ کو حبیب یہ گفتگو ناگوار گذری اور انہوں نے خشمگیں لہجے میں کہا کہ تجھے خلافت و امارت کے معاملے میں اس انداز سے گفتگو کرنے کا کیا حق ہے۔ خاموش ہو جا۔ اس کے بعد دونوں میں تلخ کلامی ہوئی۔ پھر حضرت علیؓ منبر پر چڑھے۔ اللہ تعالےٰ کی تعریف اور رسولؐ اللہ کی توصیف بیان کرنے کے بعد حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے متعلق فرمایا کہ ان دونوں حضرات نے اپنے عہد خلافت میں فرائض خلافت کو نہایت خوبی سے ادا کیا۔ اس لئے ہم نے ان سے کوئی تعرض نہ کیا۔ حالانکہ ہم رسولؐ اللہ سے زیادہ قریب ہونے کی وجہ سے خلافت کے زیادہ حق دار تھے۔ مگر ہم نے ان کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا۔ ان کے بعد لوگوں نے عثمانؓ کو خلیفہ منتخب کیا مگر کچھ عرصے کے بعد عوام ان سے ناراض ہو گئے اور انہیں قتل کر دیا اس کے بعد لوگوں نے میری بیعت کی۔ بیعت کر لینے کے باوجود طلحہؓ و زبیرؓ نے میری بیعت توڑ دی اور تمہارے دوست (معاویہؓ) نے میری مخالفت پر کمر باندھ لی۔ باوجودیکہ بمقابلہ میرے اسے اسلام قبول کرنے میں سبقت نہیں

حاصل ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ تم لوگ مجھ سے رُوگردانی کر کے اُس کے ساتھ ہو گئے ہو۔ تمہارے لئے یہ مناسب نہ تھا۔ میں تم لوگوں کو کتاب و سنت کی طرف بلاتا ہوں اور باطل کو ہلاک کر کے حق کو زندہ کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔

وفد نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ کیا تمہارے خیال میں عثمانؓ کو مظلومانہ قتل نہیں کیا گیا؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ میں نہ انہیں ظالم قرار دیتا ہوں نہ مظلوم[1] (ابن خلدون)

بہرحال اس گفتگو کا خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا۔ بلکہ اس کے بعد صلح کے دروازے بند ہو گئے اور فریقین پھر جنگ کی تیاریوں میں مشغول ہو گئے۔

آخری قدم

جب محرم کا مہینہ ختم ہو گیا تو حضرت علیؓ نے اپنی فوج کو از سر نو ترتیب دیا۔

---

[1] مصنف کو حضرت علیؓ کی طرف منسوب کردہ ان الفاظ سے اختلاف ہے۔ جس بے بسی کے عالم میں بلا کسی قصور کے حضرت عثمانؓ کو شہید کیا گیا۔ ان سے ان کی مظلومیت پوری طرح ثابت ہے اور یہ بات حضرت علیؓ سے بہتر اور کون جانتا ہو گا۔ اس لئے وہ ایسا نہیں فرما سکتے تھے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ زیر بحث الفاظ ان کے ہیں۔ تو اس سے یہ ثابت ہو گا کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان رنجش تھی اور اس معاملے میں حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کو مظلوم نہیں سمجھتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ حضرت علیؓ کے خلاف قتل عثمانؓ میں شرکت کرنے کا الزام لگانے والوں کو تقویت پہنچے گی۔

سواران کوفہ کی افسری اشتر کو عطا کی۔ سواران بصرہ کا سربراہ سہیل بن حنیف کو بنایا۔ کوفہ کی پیادہ فوج پر عمارؓ بن یاسر کو مقرر کیا۔ بصرہ کی پیادہ فوج کا قائد قیس بن سعد کو بنایا اور لشکر کا علم ہاشم بن عتبہ کو دیا۔ اس کے بعد کچھ ہدایات دیں جن میں سب سے زیادہ زور اس امر پر دیا کہ جب تک فریق مخالف تم پر حملہ نہ کرے۔ تم اپنی طرف سے جنگ کی ابتدا نہ کرنا اور دشمن پر غالب آنے کی صورت میں نہ تو بھاگنے والوں کا پیچھا کرنا اور نہ ان کے اسباب پر ہاتھ ڈالنا۔ دیکھو تمہارے ہاتھ سے کسی عورت کو تکلیف نہ پہنچے۔ خواہ وہ تمہیں گالیاں ہی کیوں نہ دے۔ کیونکہ عورت کا نفس کمزور ہوتا ہے۔ اپنی تقریر کے آخری حصے میں آپ نے اہل لشکر کو جنگ پر ابھارا اور فتح کی دعا کی۔

حضرت معاویہؓ نے اپنے لشکر کو جس طرح ترتیب دیا اس کی تفصیل یہ ہے دائیں بازو پر ذوالکلاع حمیری کو، بائیں بازو پر حبیب بن مسلم کو، سب سے آگے ابوالاعور کو، دمشق کے سواروں پر عمروؓ بن العاص کو، پیدل فوج پر مسلم بن عقبۃ المری کو مقرر کر کے پورے لشکر کی کمان ضحاک بن قیس کے حوالے کی۔ معاویہؓ کی فوج میں سے سب سے زیادہ جوش و خروش بنو امیہ میں تھا۔ انہوں نے مرنے مارنے اور ثابت قدم رہنے کی قسمیں کھائی تھیں۔

۱۱ صفر ۳۷ھ مطابق ۲۹ جولائی ۶۵۷ء کو دونوں لشکر صفین کے میدان میں صف آرا ہوئے۔ تمام دن جنگ جاری رہی مگر کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ دوسرے دن بھی یہی صورت رہی۔ تیسرے روز کی جنگ نسبتہً خونریز تھی۔ اس روز حضرت علیؓ کی طرف سے عمارؓ بن یاسر اور حضرت معاویہؓ کی طرف سے عمروؓ بن العاص اپنی اپنی فوج کو لے کر میدان میں نکلے۔ بڑی شدت کا رن پڑا۔ شام کے قریب عمارؓ

کے ساتھیوں نے عمروؓ کی فوج پر اس زور کا حملہ کیا کہ وہ پسپا ہونے پر مجبور ہو گئی۔ چوتھے، پانچویں اور چھٹے روز بھی بہت سخت مقابلہ ہوا۔ ان مقابلوں میں حضرت علیؓ کی طرف سے محمد بن الحنفیہ، عبداللہ بن عباس اور اشتر اور حضرت معاویہؓ کی طرف سے ولید بن عقبہ اور حبیب بن مسلم اپنے اپنے لشکروں کی کمانڈ کر رہے تھے۔ ساتویں روز حضرت معاویہؓ نے بھی شامی لشکر کے ساتھ حملہ کیا مگر اس روز کی جنگ بھی نتیجہ خیز ثابت نہ ہو سکی۔

جب آٹھویں روز سورج طلوع ہوا تو اپنے ساتھ قیامت خیز اور فیصلہ کن جنگ کا پیغام لایا۔ اس روز حضرت علیؓ نے فوج کو از سر نو مرتب کیا۔ دائیں بازو پر عبداللہ بن بدیل بن ورقہ خزاعی کو اور بائیں بازو پر عبداللہ بن عباسؓ کو مقرر کیا۔ حضرت علیؓ لشکر کے درمیان رہے اور سارے لشکر کی کمان اپنے ہاتھ میں لی۔ عبداللہ بن بدیل نے حضرت معاویہ کی فوج کے دائیں بازو پر حملہ کیا۔ اس بازو پر حبیب بن مسلمہ متعین تھے۔ انہوں نے پورے تحمل اور ثابت قدمی سے مقابلہ کیا مگر دوپہر کے بعد عبداللہ نے اس زور کا حملہ کیا کہ بائیں بازو کا دستہ تاب نہ لا کر بھاگ کھڑا ہوا اور حضرت معاویہؓ کے پاس جا کر دم لیا۔ یہ دیکھکر حضرت معاویہؓ نے اپنی فوج کے ان لوگوں کا ایک دستہ بھیجا جو نہ بھاگنے کی قسم کھا چکا تھا۔ اس دستہ نے اتنی شدت سے حملہ کیا کہ ابن بدیل کے ساتھیوں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ اس کے بعد حضرت علیؓ کے بائیں بازو کے لشکر کو بھی شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ جب حضرات حسنؓ و حسینؓ اور محمد بن الحنیفہ نے یہ حالت دیکھی۔ تو وہ ہزیمت خوردہ لشکر کی امداد کے لئے آگے بڑھے۔ اس اثنا میں ابوسفیان کا غلام احمران تینوں پر حملہ کرنے کی نیت سے بڑھا۔ یہ دیکھکر حضرت

علیؓ کے غلام کیسان نے اس پر حملہ کیا۔ تلواریں چل رہی تھیں کہ حضرت علیؓ بھی اس طرف آ پہنچے۔ آپ نے احمر کے سر کے بال پکڑ کر اسے زمین ٹیک دیا۔ اس صدمے سے اس کے ہاتھ پیر بیکار ہو گئے۔

جنگ پوری شدت سے جاری تھی اور لمحہ بہ لمحہ اس کا رنگ بدلتا رہتا تھا۔ اُدھر شام کا لشکر پورے زور سے حملے کر رہا تھا۔ ان کی کثیر تعداد حضرت علیؓ کی طرف بڑھی کہ اگر اس بازو کو شکست ہو جائے جس پر حضرت علیؓ موجود ہیں تو جنگ کا فیصلہ ان کے حق میں ہو جائیگا۔ مگر ایک گروہ لے ربیعہ کی سرکردگی میں ان کا مقابلہ شروع کر دیا اور شامی لشکر کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اسی اثناء میں حضرت علیؓ نے اشتر کی زبانی ان لوگوں کو ایک جوشیلا پیغام بھجوایا جو قدرے دل برداشتہ ہو گئے تھے اور ان میں سے بعض پسپا ہونے لگے تھے۔ حضرت علیؓ کے پیغام سے لوگوں کی ہمتیں بندھ گئیں اور وہ اشتر کے ساتھ ہو کر اس بے جگری سے لڑے کہ حضرت معاویہؓ کے دائیں بازو کو بُری طرح شکست ہوئی اور ان کے ایک سو سے زیادہ آدمی کام آئے جن میں بعض سربرآوردہ جنگ آزما بھی شامل تھے۔ اس جنگ نے نقشہ بالکل ہی بدل دیا اور شام ہونے سے پہلے پہلے حضرت معاویہؓ کی فوج کا بڑا حصہ میدان سے بھاگ کھڑا ہوا۔ شام ہونے کے باوجود جنگ جاری رہی حضرت معاویہؓ کی بھاگی ہوئی فوج ان کے پاس پہنچ چکی تھی۔ ابن بدیل نے یہ سوچ کر یلغار کر دی کہ شامی فوج کے حوصلے پست ہو گئے ہیں، کیوں نہ ایک آخری حملہ کر کے ان کا صفایا کر دیا جائے اور جنگ کرتے ہوئے حضرت معاویہؓ تک پہنچ گئے۔ شامی لشکر حضرت معاویہؓ کی حفاظت کے جوش میں بڑی بہادری سے لڑنے لگا۔ اس شدت کی جنگ

ہوئی کہ ابن بدیل معہ اپنے بہت سے ساتھیوں کے کام آئے اور باقی لوگ حضرت علیؓ کے لشکر میں واپس آگئے۔ یہ دیکھ کر اشتر کو جوش آگیا اور انہوں نے آزمودہ کار لوگوں کی ایک جماعت کے ساتھ شامی فوج پر پوری قوت سے حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ لشکرِ شام کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ نوبت یہاں تک آگئی کہ وہ میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ ان بھاگنے والوں میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو نہ پھلنے کی قسم کھا کر آئے تھے۔ اس واقعہ سے حضرت امیر معاویہؓ پر بھی دہشت طاری ہو گئی۔ انہوں نے اپنا گھوڑا منگوایا اور اس پر سوار ہو گئے۔ اس کے بعد تقریباً ہر مورچے پر حضرت معاویہؓ کی فوج کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس ناکامی میں حضرت علیؓ کی اس آتش بار تقریر کو بھی بڑا دخل تھا جو آپؓ نے لشکریوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمائی تھی۔ حضرت علیؓ خود تلوار لئے اپنی فوج کی قیادت کر رہے تھے۔ ان کی ہمتیں بندھا رہے تھے۔ جس بازو کو کمزور ہوتا دیکھتے تھے۔ اس پر پہنچ جاتے تھے اور اس بے جگری سے حملہ کرتے تھے کہ ہارتی ہوئی فوج مظفر و منصور ہو جاتی تھی۔

حضرت عمارؓ کی شہادت

اسی اثنا میں حضرت عمارؓ بن یاسر جن کی عمر نوے سال کے لگ بھگ تھی۔ لشکرِ علیؓ سے نکلے اور لوگوں کو مخاطب کر کے ایک جوشیلی تقریر کی۔ اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ سینکڑوں آدمی ان کی زیر قیادت مارنے اور مرنے کو تیار ہو گئے۔ اس گروہ نے لشکرِ شام پر بڑا زوردار حملہ کیا۔ ایسی خونریز جنگ ہوئی کہ حضرت عمارؓ مع اپنے بہت سے ساتھیوں کے شہید ہو گئے۔ حضرت علیؓ ان کی شہادت سے اس قدر غضبناک ہو گئے کہ ایک دستہ فوج کے ساتھ لشکرِ شام پر ٹوٹ پڑے اور صفیں کی صفیں کاٹتے ہوئے اس مقام تک پہنچ گئے جہاں حضرت معاویہؓ کھڑے ہوئے تھے۔ حضرت علیؓ

نے انہیں للکارا۔

حضرت علیؓ کی للکار

"اے معاویہؓ! خلقِ خدا کا خون بہانے سے کیا فائدہ؟ آؤ ہم دونوں تلوار سے فیصلہ کرلیں۔ ہم میں سے جو اپنے مقابل پر غالب آجائے وہی امیر ہو۔"

عمروؓ بن العاص بھی پاس ہی کھڑے تھے۔ انہوں نے حضرت علیؓ کی تائید کرتے ہوئے حضرت معاویہؓ سے کہا کہ:۔

"اے معاویہؓ! یہ فیصلہ تو بہت اچھا ہے۔"

حضرت معاویہؓ نے عمروؓ بن العاص کی اس گفتگو پر برافروختہ ہوکر کہا کہ:۔

"اے عمرو تم نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ اگر یہ فیصلہ ایسا ہی اچھا ہے تو تم اسے اپنے لئے کیوں نہیں پسند کرلیتے۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ جو شخص علیؓ کے مقابلے میں آیا وہ ذبح کردیا گیا۔" (اس واقعہ کی صحت میں شبہ نہیں لیکن عمروؓ کا معاویہؓ سے تخاطب محلِ نظر ہے)

لڑائی کا زور بڑھتا جارہا تھا اور حضرت علیؓ کا لشکر غالب ہوتا جارہا تھا۔ اسی اثنا میں حضرت علیؓ کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہ نے بھی شامی لشکر پر حملہ کرکے اسے مغلوب کرلیا اور مورچے پر قابض ہوگئے۔ اس معرکے میں حضرت علیؓ کی طرف سے عبداللہ بن کعب مرادی کام آئے۔ تمام رات جنگ ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ دوسرا دن طلوع ہوگیا۔ دوپہر کے بعد اشتر نے فیصلہ کن جنگ کے ارادہ سے لشکر ترتیب دیا اور خود اس کی قیادت کی۔ سواروں کی ایک جماعت کو ساتھ لیا اور شامی فوج پر اس زور کا حملہ کیا کہ ان کی صفوں کی ترتیب بھی جاتی رہی۔ اشتر اپنی جماعت کے ساتھ حملہ کرتے ہوئے حضرت معاویہؓ کے خیمہ تک پہنچ گئے۔ یہ وقت

جنگ صفین کا سب سے زیادہ نازک وقت تھا اور دونوں فریق مجموعی حیثیت سے جنگ کر رہے تھے۔ انسانوں کے سروں پر تلواروں کی برق کوندرہی تھی۔ اور انسانی لاشیں خون کے سمندر میں تیر رہی تھیں۔ اشتر نے نعرۂ تکبیر بلند کر کے اس قیامت کا حملہ کیا کہ ہر طرف بھگدڑ مچ گئی۔ حضرت معاویہؓ کا حوصلہ بھی پست ہو گیا اور ہر شخص کو یقین ہو گیا کہ اب میدان علیؓ کے ہاتھ رہے گا۔

عمروؓ کی تدبیر

اچانک عمروؓ بن العاص نے اپنے حواس درست کئے اور حضرت معاویہؓ کو مشورہ دیا کہ دیکھتے کیا ہو۔ تمہاری شکست ہوا چاہتی ہے۔ جلدی کرو اور اپنے لشکریوں کو حکم دو کہ وہ نیزے پر قرآن بلند کریں اور علیؓ کی فوج سے کہیں کہ ہمارے اور تمہارے درمیان یہ کتاب اللہ فیصلہ کرے گی۔ آؤ ہم تم دونوں اسے حکم تسلیم کریں۔ حضرت معاویہؓ نے فوج کو نیزے پر قرآن بلند کرنے کا حکم دیا۔ ان کی یہ تدبیر کامیاب رہی۔ اور جیسے ہی معاویہؓ کی فوج نے نیزے پر قرآن بلند کر کے حضرت علیؓ کی فوج سے کہا کہ آؤ ہم تم دونوں اس کتاب اللہ کو حکم بنالیں۔ ویسے ہی حضرت علیؓ کی فوج نے تلواریں میان میں ڈال لیں۔ حضرت علیؓ نے بہتیرا سمجھایا کہ تمہیں دھوکا دیا جا رہا ہے ان کو اپنی شکست نظر آرہی ہے شکست سے بچنے کے لئے یہ چال چل رہے ہیں۔ مگر ان کی فوج نے ایک نہ سنی اور کہا ہم سے یہ نہ ہو گا کہ ہمیں اللہ کی کتاب کی طرف بلایا جائے اور ہم نہ جائیں۔ اگر تم قرآن کو حکم ماننے سے انکار کرو گے۔ تو ہم تمہارے خلاف بھی جنگ کریں گے اس وقت اشتر بڑی بہادری سے جنگ کر رہے تھے اور شامی لشکر ان کے ہر حملے پر اپنی جگہ چھوڑتا جا رہا تھا۔ مگر جب حضرت علیؓ کو ان کی فوج کے بہت

بڑے حصے نے مجبور کیا تو ناچار ہو کر انہوں نے اشتر کو واپس بلا لیا۔ اس طرح جیتی جتائی بازی ہار گئی۔ دونوں لشکروں نے اپنی اپنی تلواریں نیام میں کر لیں۔ اور اپنے اپنے خیمہ گاہ میں واپس آ گئے۔ اس طرح ۱۳ صفر ۳۷ھ مطابق ۳۱ جولائی ۶۵۷ء کو یہ ہولناک جنگ بظاہر ہار جیت کا فیصلہ ہوئے بغیر ختم ہو گئی۔

ثالثوں کا تقرر

اشعث بن قیس حضرت علیؓ سے اجازت لے کر حضرت معاویہؓ کے پاس گئے اور ان سے دریافت کیا کہ تم نے قرآن شریف کو نیزے پر کس مقصد کے لئے بلند کروایا تھا۔ حضرت معاویہؓ نے جواب دیا اس لئے تاکہ ہم دونوں کتاب اللہ کے احکام کے مطابق کوئی فیصلہ کر لیں۔ ایک آدمی تمہاری طرف سے اور ایک آدمی ہماری طرف سے ثالث مقرر ہو جائے اور یہ دونوں حلف اٹھائیں کہ ہم قرآن کی روشنی میں فیصلہ کریں گے۔ ان دونوں کا فیصلہ ہم سب کے لئے قابل قبول ہو گا۔ جب اشعث نے حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر ساری کیفیت بیان کی تو حضرت علیؓ کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں نے اس فیصلہ پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔

اب ثالثوں کے تقرر کا مسئلہ درپیش ہوا۔ حضرت معاویہؓ کی طرف سے عمروؓ بن العاص کو حکم مقرر کیا گیا۔ حضرت علیؓ کے ساتھیوں نے ابو موسیٰ اشعری کا نام تجویز کیا۔ مگر حضرت علیؓ نے اختلاف کیا اور فرمایا کہ انہوں نے میرا ساتھ چھوڑ دیا تھا اور جنگ جمل میں میرا ساتھ دینے والے لوگوں کو روکا تھا۔ اس کے بعد وہ مجھے چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ میں ان سے مطمئن نہیں ہوں۔ ابن عباسؓ کو حکم مقرر کرو۔ حضرت علیؓ کے ساتھیوں نے کہا کہ ابن عباسؓ آپ کے رشتہ دار ہیں۔ ہم ایسے شخص کو حکم

بنانا چاہتے ہیں جو نہ معاویہؓ کا عزیز ہو نہ آپ کا۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا۔ اچھا پھر اشتر کو حکم بنا لو۔ مگر آپ کے ساتھیوں نے اس پر بھی اتفاق نہ کیا۔ آخر حضرت علیؓ نے مجبور ہو کر حضرت ابو موسیٰؓ اشعری پر اپنی رضامندی ظاہر کر دی۔

اس کے بعد امیر معاویہؓ نے معاہدہ لکھنے کے لئے عمروؓ بن العاص کو حضرت علیؓ کی خدمت میں بھیجا۔ جب معاہدہ لکھا جانے لگا۔ تو عمرو بن العاص اور حضرت علیؓ کے درمیان کچھ اختلاف پیدا ہو گیا۔ یہ اختلاف اس بنا پر تھا کہ کاتب نے حضرت علیؓ کے نام کے ساتھ امیر المومنین کے الفاظ لکھ دیئے تھے۔ عمروؓ بن العاص نے کہا کہ یہ تمہارے امیر ہوں گے۔ ہم انہیں اپنا امیر نہیں مانتے۔ اس لئے یہ الفاظ مٹا دو۔ احنف نے اس کی مخالفت کی۔ جب معاملہ طول پکڑنے لگا۔ تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ کوئی بات نہیں۔ میرے نام کے ساتھ امیر المومنین کا لفظ نہ لکھو۔ یہ الفاظ حذف کر دو۔ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر رسولُ اللہ کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ پیش آیا تھا اور کفار نے آپ کے نام کے ساتھ رسولُ اللہ کے الفاظ نہیں لکھنے دیئے تھے۔ غرض اس ردّ و کد کے بعد معاہدہ لکھا گیا۔ جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

"یہ وہ تحریر ہے جس کو علیؓ ابن ابی طالب اور معاویہؓ بن ابی سفیانؓ نے باہم بطور اقرار نامہ کے لکھا ہے۔ علیؓ نے اہل کوفہ اور ان لوگوں کی طرف سے جو ان کے ہمراہ تھے حکم مقرر کیا اور معاویہؓ نے اہل شام اور ان لوگوں کی جانب سے جو ان کے ہمراہ ہیں حکم مقرر کیا۔ بے شک ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی کتاب کو منحصر علیہ قرار دیتے ہیں اور اس امر کا اقرار کرتے ہیں کہ سوائے اس کے دوسرے کو کچھ

دخل نہ ہوگا اور قرآن مجید شروع سے آخر تک ہمارے درمیان میں ہے۔ ہم زندہ کریں گے اس کو جس کو اس نے زندہ کیا اور ماریں گے اس کو جس کو اس نے مارا ہے پس جو کچھ حکمین کتاب اللہ میں پائیں اس پر عمل کریں اور وہ حکم ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس اور عمرو بن العاص ہیں اور جو کتاب اللہ میں نہ پائیں تو سنت عادلہ جامعہ غیر مختلف فیہا پر عمل کریں۔" (ابن خلدون۔اردو ترجمہ)

یہ معاہدہ ۱۳ صفر ۳۷ھ کو لکھا گیا اور اس پر دونوں طرف کے سربرآوردہ لوگوں نے دستخط کیے۔

اس کے بعد طرفین کی فوجوں سے عہد لیا گیا کہ وہ ثالثوں کی جان و مال کی حفاظت کرینگی، اور امت کا فرض ہوگا کہ وہ ثالثوں کے فیصلہ کو نافذ کروانے کے لئے ان کی امداد کرے۔ ثالثوں نے حلف اُٹھایا کہ وہ کتاب اللہ کے مطابق عمل کریں گے اور ایسا راستہ اختیار کرینگے جس کے نتیجے میں اُمت فتنہ و فساد سے محفوظ رہے۔ حکمین کو اختیار دیا گیا کہ وہ رمضان یا اس کے بعد کسی ایسی جگہ پر جمع ہو کر اپنے فیصلے کا اعلان کریں۔ جو کوفہ اور شام کے درمیان ہر ایک سے نصف فاصلہ پر واقع ہو۔

خوارج کا ظہور

جب معاہدہ لکھ دیا گیا۔ حکمین مقرر ہوگئے اور حضرت علیؓ روانگی کی تیاری کرنے لگے، تو آپ کی فوج میں سے کچھ لوگوں نے اس طریق کار سے اختلاف کیا۔ یہ وہی لوگ تھے جو اس سے پہلے حضرت علیؓ کو مجبور کر رہے تھے۔ کہ کتاب اللہ کو حکم تسلیم کرو۔ اب انہوں نے حضرت علیؓ سے مطالبہ کیا کہ جنگ کرو۔ حضرت علیؓ

نے فرمایا کہ معاہدہ کرکے اس سے پھر جانا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ اس کے بعد وہ لوگ حضرت علیؓ سے الگ ہو گئے اور صفین سے روانہ ہو کر حروراء میں مقیم ہو گئے۔ تاریخ انہیں خوارج کے نام سے پکارتی ہے۔ اس وقت ان کی تعداد بارہ ہزار کے لگ بھگ تھی۔

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ نے بھی اپنے اپنے لشکروں کو کوچ کا حکم دیا اور نوّے ہزار مسلمانوں کو میدان جنگ میں موت کی نیند سوتا چھوڑ کر معاویہؓ شام کی طرف اور علیؓ کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ کوفہ پہنچ کر حضرت علیؓ کو معلوم ہوا کہ خوارج مخالفت پر آمادہ ہیں اور اس عقیدہ کی تبلیغ کر رہے ہیں کہ دین کے معاملے میں انسانوں کو حکم بنانا اسلام کے خلاف ہے۔ چونکہ علیؓ نے اس معاملے میں بندوں کو حکم تسلیم کیا ہے۔ اس لئے ہم اس کے ساتھ نہیں ہیں۔ یہ سن کر حضرت علیؓ نے عبداللہ بن عباس کو ان کے پاس بھیجا اور خود بھی سفر کی تیاری شروع کر دی ابن عباس نے حروراء پہنچ کر خارجیوں سے پوچھا کہ تمہیں کس چیز نے امیر المومنین کی مخالفت پر آمادہ کیا؟

انہوں نے جواب دیا کہ علیؓ نے دین کے معاملے میں بندوں کو فیصلہ کرنے کا اختیار دے کر ہمیں مخالفت پر مجبور کیا۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ حکم بنانے کا طریق از روئے قرآن جائز ہے۔ کیا قرآن شریف نے مسلمانوں کو ان کے باہمی اور نزاعی معاملات میں ثالث مقرر کرنے کا حکم نہیں دیا۔ کیا میاں بیوی کے اختلافی مسائل میں پنچ نہیں بنائے جاتے؟ خوارج نے کہا کہ جن معاملات میں اللہ تعالیٰ نے حکم مقرر کرنے کی اجازت دی ہے انہیں میں حکم مقرر کیا جا سکتا ہے

جیسے میاں بیوی کا معاملہ۔ لیکن جن معاملات میں خدا تعالیٰ نے خود فیصلہ کر دیا ہے اور ایک صریح قانون بنا دیا ہے۔ ان میں بندوں کو حکم بنانا جائز نہیں۔ جیسے زنا، چوری، قتل وغیرہ۔ ان کی سزائیں مقرر ہیں۔ بندوں کو حق نہیں کہ وہ ان میں کمی کریں۔ معاویہؓ نے خلق خدا کا ناحق خون بہایا ہے اور خلیفۂ وقت سے سرکشی کر کے امت کو فتنہ و فساد میں مبتلا کر دیا۔ اس لئے اس سے جنگ کرنی چاہئے تھی۔ کیا یہ واقعہ نہیں کہ کل ہم عمرو بن العاص سے جنگ کر رہے تھے اور آج ہم اسے حکم بنا رہے ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

حضرت علیؓ کی گفتگو

اسی اثنا میں حضرت علیؓ بھی تشریف لے آئے اور خوارج سے دریافت کیا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ "ابن الکواء" حضرت علیؓ نے اسے مخاطب کر کے پوچھا کہ میری بیعت کر کے پھر مخالفت کرنا کہاں تک جائز ہے؟ اس نے جواب دیا کہ تم نے دینی امور میں بندوں کو حکم تسلیم کر کے ہمیں مخالفت پر مجبور کیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تم خدا کی قسم کھا کر کہو کہ جب معاویہؓ کی فوج نے .... تمہیں کتاب اللہ کی طرف بلایا تھا اور تم نے تلواریں نیاموں میں ڈال لی تھیں۔ تو کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ جنگ جاری رکھو۔ ان کی باتوں میں مت آؤ۔ اور کیا تم نے میری مخالفت کر کے مجھے جنگ بند کرنے اور حکم بنانے پر مجبور نہیں کیا تھا؟

خوارج نے کہا کہ ہمیں اعتراف ہے کہ ہم سے غلطی ہوئی تھی۔ اب ہم اس سے توبہ کرتے ہیں۔ تم بھی توبہ کرو اور معاویہؓ سے جنگ کرو ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اب جنگ کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا جبکہ ہم ان سے جنگ نہ

کرنے کا عہد کر چکے ہیں۔ پھر یہ کہ ہم نے حکمین کو پابند کر دیا ہے کہ وہ قرآن کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ اگر انہوں نے قرآن کے مطابق فیصلہ کیا تو ہمیں بالکل نقصان نہیں پہنچیگا اور اگر انہوں نے قرآن کے خلاف فیصلہ کیا تو ہم اسے تسلیم نہیں کرینگے۔

اس پر خوارج نے کہا کیا مسلمانوں کا خون بہانے والے کا معاملہ حکمین کے سپرد کرنا جائز ہے؟ اور اس دینی معاملے میں بندوں کو حکم بنایا جا سکتا ہے؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ ہم نے قرآن ہی کو حکم بنایا ہے۔ بندوں کو نہیں مگر قرآن کتاب ہے وہ بولنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس کی رُو سے فیصلہ کرنے اور اس کا اعلان کرنے کے لئے بہرحال آدمیوں کی ضرورت ہوگی۔ اس کے بعد خارجیوں نے ایک اعتراض اور کیا اور وہ یہ کہ فیصلہ کے لئے اتنی طویل مدت مقرر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ حضرت علیؓ نے اس کا جواب یہ دیا کہ شاید اس طویل مدت میں مخالفین کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے اور اس طرح امت کا اختلاف دور ہو جائے۔ حضرت علیؓ کی تقریر نے خوارج کو لاجواب کر دیا۔ انہوں نے بظاہر حضرت علیؓ کی مخالفت ترک کر دی اور ان کے ساتھ کوفہ چلے گئے۔

حکمین کا فیصلہ

شعبان ۳۷ھ مطابق فروری ۶۵۸ء میں فریقین کے حکم اذرح کے مقام پر جمع ہوئے۔ حضرت علیؓ نے ابوموسیٰ اشعری کے ہمراہ چار سو آدمی اور امیر معاویہؓ نے عمروؓ بن العاص کے ساتھ بھی اتنی ہی جمعیت روانہ کی۔ مگر حضرت علیؓ نے اپنے آدمیوں پر سردار ابوموسیٰؓ اشعری کو نہیں بنایا بلکہ شریح بن ہانی کو مقرر کیا اور امامت کے فرائض عبداللہؓ بن عباس کو تفویض کئے۔ مکہ، مدینہ، عراق

اور شام کے لوگ بھی بہت بڑی تعداد میں یہ اہم اعلان سننے کے لئے جمع ہوئے جن میں صحابہ کی بھی خاصی تعداد تھی۔ عمروؓ بن العاص اور ابو موسیٰؓ اشعری میں گفتگو شروع ہوئی اور دونوں اس نتیجے پر پہنچے کہ چونکہ امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے تنازع کی وجہ سے امت ایک بہت بڑے ابتلا میں گھری ہوئی ہے۔ اس لئے ان دونوں ہی کو معزول کر دیا جائے اور امت کسی تیسرے شخص کے ہاتھ پر جسے وہ پسند کرے بیعت کرے۔ اس فیصلے پر اتفاق کرنے کے بعد حکمین نے اسے قلمبند کر لیا۔ فریقین کی طرف سے گواہوں نے اپنے دستخط کیے اور یہ فیصلہ مجمع عام میں سنا دیا گیا۔ جب حضرت علیؓ کو اس فیصلہ کی اطلاع ہوئی۔ تو وہ بہت برافروختہ ہوئے۔ کیونکہ یہ فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق نہ تھا۔ کتاب اللہ کی رُو سے کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ خلیفہ کو معزول کرے۔ نہ حکمین کو اس کا حق دیا گیا تھا۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے از سر نو جنگ کی تیاری شروع کر دی۔

جنگِ نہروان

جنگِ نہروان

حکمین کا فیصلہ رد کرنے کے بعد حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ کے خلاف
جنگ کی تیاری دوبارہ شروع کر دی اور اطراف وجوانب میں اپنے معتمدین کو بھیج کر
فوج فراہم کرنے کا حکم دیا۔ اسی اثنا میں خوارج نے سر اٹھانا شروع کیا انہوں
نے دیکھا کہ حضرت علیؓ مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں۔ حکمین ان کے خلاف فیصلہ
دے چکے ہیں۔ امیر معاویہؓ طاقت پکڑ گئے ہیں۔ حضرت علیؓ کے ہمراہیوں میں
اختلاف ہے۔ فوجیں دوبارہ جنگ کرنے سے گریز کر رہی ہیں۔ یہ موقعہ نہایت
مناسب ہے۔ چنانچہ انہوں نے پورے زور سے مخالفت شروع کر دی۔ ان کے
سر برآوردہ لوگ جمع ہوئے اور یہ فیصلہ کیا کہ معاویہؓ اور علیؓ دونوں غلط راستے
پر ہیں معاویہؓ یوں غلط راستے پر ہیں کہ انہوں نے مسلمانوں کے منتخب کردہ خلیفہ کے خلاف بغاوت کی

علیؓ یوں غلط راستے پر ہیں کہ انہوں نے دین کے معاملے میں بندوں کو حکم بنا کر قرآن کی تعلیم کی خلاف ورزی کی۔ اس لئے وہ بھی کافر ہو گئے اور کافر مومنوں کا امیر نہیں ہو سکتا۔ پس ہمیں اپنے میں سے کسی کو امیر بنا لینا چاہئے۔ اور پھر علیؓ اور معاویہؓ دونوں کے خلاف جنگ کرنی چاہئے۔

امیرِ خوارج کا انتخاب

چنانچہ انہوں نے ۱۰ شوال ۳۷ھ مطابق مارچ ۶۵۸ء کو عبداللہ بن وہب کے ہاتھ پر امارت کی بیعت کر لی۔ اس کے بعد دوسرا فیصلہ یہ کیا کہ یہاں رہ کر ہم اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اس لئے نہروان جا کر اپنے ہم خیال لوگوں کو جن کی بصرہ میں کافی تعداد ہے اپنے ساتھ ملا لینا چاہئے اور پھر متفق و متحد ہو کر کوئی قدم اٹھانا چاہئے۔ چنانچہ وہ یہ فیصلہ کر کے نہروان کی طرف روانہ ہو گئے۔ مگر اکٹھا ہو کر نہیں گئے کہ مبادا کسی کو شک گذرے بلکہ دو دو چار چار کر کے۔

جب حضرت علیؓ کو ان کے منصوبوں اور روانگی کی اطلاع ہوئی۔ تو انہوں نے مدائن کے گورنر کو حکم دیا کہ اس فتنے کا سدِ باب کرو۔ اس نے ایک جماعت کے ساتھ انہیں روکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ طرفین میں جنگ شروع ہو گئی۔ شام کے وقت جنگ بند ہو گئی اور خوارج رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر دریائے دجلہ کا پُل عبور کر کے دریا پار اتر گئے۔ ادھر بصرہ کے خوارج بھی پانچ سو کی تعداد میں روانہ ہوئے۔ ابن عباس کے حکم سے دجلہ کے پُل پر ابو الاسود الدولی نے ان کا مقابلہ کیا۔ دن بھر جنگ ہوتی رہی۔ مگر جب رات ہوئی۔ تو یہ لوگ بھی پل عبور کر کے نہروان پہنچ گئے۔ جہاں عبداللہ بن وہب اپنے ساتھیوں کے ہمراہ پہنچ چکا تھا۔

حضرت علیؓ کی لشکر کشی

اب حضرت علیؓ کے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ خوارج کے خلاف لشکر کشی کریں۔ چنانچہ انہوں نے لوگوں کو جمع کر کے خوارج سے جنگ کرنے کے لئے بیعت لی۔ مگر معاً خیال آیا کہ اگر شام کے قضیئے کو ڈھیل دے دی گئی۔ تو امیر معاویہؓ کو اپنی طاقت مضبوط کرنے کا اور موقعہ مل جائے گا۔ چنانچہ آپ نے خوارج کے خلاف لشکر آرائی کرنے کا خیال ترک کر دیا اور لوگوں کو جمع کر کے اہل شام کے خلاف جنگ کرنے کی تلقین کی اور فرمایا کہ:۔

"اے لوگو! حکمین نے قرآن کو نظر انداز کر کے اپنی خواہش کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔ اس لئے یہ فیصلہ خدا اور امت کے صالح لوگوں کے نزدیک ناقابلِ قبول ہے۔ پس شام پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

اس کے بعد آپ نے خوارج کو بھی دعوت دی اور ایک خط میں لکھا کہ اب ہم اس رائے پر لوٹ آئے ہیں جس پر حکمین کے فیصلے سے پہلے تھے اور جس کی طرف تم ہمیں بلا رہے تھے پس آؤ اور ہمارے ساتھ مل کر باغیوں سے جنگ کرو۔

خارجیوں نے حضرت علیؓ کے خط کا یہ جواب دیا کہ "پہلے تم نے ہمارا کہنا نہ مانا اور جب دیکھ لیا کہ حکمین کا فیصلہ تمہارے خلاف ہوا ہے تو جنگ کی دعوت دے رہے ہو۔ اب تم جو کچھ کر رہے ہو اپنے نفس کی خاطر کر رہے ہو۔ اس لئے ہم تمہارا ساتھ نہیں دے سکتے۔ جب تک کہ تم یہ اقرار نہ کرو کہ ہم نے دین کے معاملے میں بندوں کو حکم بنا کر قرآن کے خلاف عمل کیا تھا۔ سو ہم کافر ہو گئے ہیں

اب توبہ کرتے ہیں۔ اس صورت میں تو ہم تمہارا ساتھ دیں گے۔ ورنہ تمہارے خلاف جنگ کریں گے۔"

یہ جواب پڑھکر حضرت علیؓ کو یقین ہو گیا کہ خارج کسی طرح سیدھے نہیں ہونگے جب تک ان سے جنگ کر کے ان کا قلع قمع نہ کر دیا جائے۔ مگر پھر بھی آپ نے ان کے معاملے کو ثانوی حیثیت دی اور انتہا میں یہی فیصلہ کیا کہ پہلے حضرت معاویہؓ کے خلاف لشکر آرائی کی جائے۔ چنانچہ انہوں نے اس مقصد کے لئے کوفہ اور بصرہ سے چالیس ہزار جنگ آزماؤں کا لشکر مرتب کیا۔

خارجیوں کے مظالم

شام پر حملہ کرنے کے لئے روانگی کے انتظامات تقریباً مکمل ہو گئے تھے کہ حضرت علیؓ کو خارجیوں کے لرزہ خیز مظالم کی اطلاع ہوئی۔ انہوں نے حضور سرور کائنات کے ایک معزز و مقتدر صحابی عبداللہؓ بن الخباب کو شہید کر ڈالا اور ان کی زوجہ محترمہ کا اس حالت میں پیٹ چاک کر دیا کہ وہ حاملہ تھیں۔ مظلوم صحابی کا "جرم" صرف اتنا تھا کہ انہوں نے خارجیوں کے استفسار کے جواب میں حضرت علیؓ کے متعلق اچھی رائے کا اظہار کیا تھا۔ ان کے علاوہ تین دوسری عورتوں کو بھی شہید کر دیا۔ یہ افسوسناک خبر سُن کر حضرت علیؓ کو بے حد رنج ہوا اور آپ نے شام پر لشکر کشی کا ارادہ ملتوی کر کے نہروان کا رُخ کیا۔ جہاں خارجیوں کی صفیں جنگ کے لئے آراستہ تھیں۔ مگر انہوں نے لشکر کشی سے پہلے حرث بن مرۃ العبدی کو حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ خارجیوں نے انہیں بھی قتل کر دیا۔ آخر مجبور ہو کر حضرت علیؓ نے کوچ کا نقارہ بجوایا۔ اور نہروان پہنچ کر ہی دم لیا۔

اصلاح کی کوشش

خارجیوں کی بربریت اور سرکشی کے باوجود حضرت علیؓ نے بے حد احتیاط اور تحمل کا ثبوت دیا اور اس وقت تک حملہ نہیں کیا جب تک ان کے پاس یہ پیغام نہیں بھیج دیا کہ تم نے کچھ لوگوں کو جن کو ہم دوست رکھتے تھے بلاوجہ قتل کیا۔ اس لئے ان کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دو۔ ورنہ ہم تمہارے خلاف جنگ کرینگے۔ اس کا جواب خوارج نے یہ دیا کہ ہاں ہم نے ان کو قتل کیا ہے۔ اور ہم تم سب کا خون حلال سمجھتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے پھر بھی صبر و تحمل سے کام لیا اور حملہ کرنے میں جلدی کرنے کی بجائے ان کی اصلاح کرنی چاہی۔ چنانچہ وہ خود خوارج کے کیمپ میں تشریف لے گئے اور دوسری باتوں کے علاوہ حکمین کے معاملے پر بھی روشنی ڈالی جو سارے جھگڑے کی بنا تھی۔ آپ نے فرمایا کہ چونکہ انہوں نے کتاب اللہ کے خلاف فیصلہ کیا اس لئے ہم نے اسے تسلیم نہیں کیا اور اسی طرف آگئے جدھر تم چاہتے تھے۔ پس ہمارے ساتھ مل کر دشمن سے جنگ کرو۔ مگر خارجیوں نے پھر وہی جواب دیا جو اس سے پہلے خط کے ذریعہ دے چکے تھے کہ اب تم اپنے نفس کی خاطر جنگ کر رہے ہو اس لئے ہم تمہارا ساتھ نہیں دیں گے۔ تاوقتیکہ اپنی غلطی کا اعتراف کر کے توبہ نہ کرو۔ کیونکہ تم کافر ہو گئے ہو۔ حضرت علیؓ نے فرمایا میں خدا پر ایمان رکھتا ہوں۔ ہجرت کر چکا ہوں اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا ہے۔ میں کیسے کافر ہو سکتا ہوں۔ اس کے بعد گفتگو آگے نہ چل سکی اور حضرت علیؓ اپنے لشکر میں واپس آگئے۔ اسی اثنا میں معلوم ہوا کہ خوارج نہروان کا پل عبور کر کے آگے نکل جانا چاہتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر انہیں روکنے کا قصد کیا اور لشکر کو

اس ترتیب سے لے کر مقابلے کے لئے میدان میں آ گئے۔ دائیں بازو پر حُجرؓ بن عدی کو مقرر کیا۔ بائیں بازو پر شبث بن ربعی اور معقل بن قیس کو، سواروں کی قیادت ابو ایوبؓ کو دی اور پیادوں کی ابو قتادہ کے سپرد کی۔ سات یا آٹھ سو کی تعداد اہل مدینہ کی بھی آپ کے ہمراہ تھی۔ خوارج کے لشکر کی ترتیب اس طرح تھی کہ دائیں بازو پر زید بن حصین، بائیں بازو پر شریح بن اوفی العبسی، سواروں کے لشکر پر حمزہ بن سنان اور پیادوں کے دستہ پر قوص بن زہیر سالار مقرر تھے۔

خوارج کی شکست

حملہ کرنے سے پہلے حضرت علیؓ نے حضرت ابو ایوبؓ کو امان کا علم عنایت کیا اور یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ جو شخص جنگ میں حصہ نہیں لے گا، اور صفوں سے نکل جائے گا یا مدائن اور کوفہ کی طرف واپس ہو جائے گا امان پائے گا۔ اس اعلان کا بڑا اچھا اثر ہوا اور خوارج کے لشکر کے بہت سے لوگ حضرت علیؓ کے علم کے پیچھے آ گئے اور کچھ کوفہ کی طرف چلے گئے۔ جن کی مجموعی تعداد چار ہزار کے لگ بھگ تھی۔ اس کے بعد جنگ شروع ہو گئی۔ یوں بھی چار ہزار آدمیوں کے الگ ہو جانے سے خارجیوں کی طاقت بہت کمزور ہو گئی تھی۔ اُدھر حضرت علیؓ نے بھی پوری شدت سے حملہ کیا۔ اور پہلے ہی حملے میں خوارج کی صفوں میں انتشار پیدا ہو گیا۔ تیر اندازوں اور سواروں نے بھاگنے والوں پر ہر...... طرف سے راستے بند کر دیئے اور چن چن کر ایک ایک کو ٹھکانے لگا دیا۔ تمام نامور خارجی سردار عبداللہ بن وہب۔ زید بن حصین،

اور شریح بن اوفی وغیرہم قتل کر دیئے گئے۔ اس جنگ میں حضرت علیؓ
کے صرف سات آدمی شہید ہوئے۔ جن میں یزید بن نویرۃ انصاری بھی
شامل تھے۔ یہ واقعہ آواخر شوال ۳۷ھ مطابق   سنہ ء
میں پیش آیا۔   (ابن اثیر، طبری، ابن خلدون)

واقعات متفرق

واقعاتِ متفرق

شام پر حملہ سے گریز

خوارج کی گوشمالی سے فراغت پانے کے بعد حضرت علیؓ نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ اب شام پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ مگر لشکر جنگ کرتے کرتے تھک چکا تھا اور ایک عام بددلی پائی جاتی تھی۔ یہ دیکھکر اشعث بن قیس نے حضرت علیؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ فوجیں تھک گئی ہیں اور چاہتی ہیں کہ کچھ مہلت دیدی جائے تاکہ آرام کرکے تازہ دم ہو جائیں اور نئی قوت سے دشمن پر حملہ کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ دوسرے لوگوں کو بھی ترغیب دے کر اپنی تعداد میں اضافہ کرلیا جائے۔ مگر حضرت علیؓ نے اسے منظور نہ کیا اور فرمایا کہ اسی وقت شام پر حملہ کرنے کی تیاری شروع کردو۔ اس کے بعد آپ کوفہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ نخیلہ پہنچ کر پڑاؤ کیا اور

حکم دیدیا کہ کوئی شخص اپنے گھر جانے کا قصد نہ کرے تاوقتیکہ شام پر قبضہ نہ ہو جائے۔ لیکن لشکری جنگ پر آمادہ نہ تھے۔ اس لئے اس حکم کے باوجود وہ ایک ایک دو دو کر کے کھسکنا شروع ہو گئے اور چند ہی دنوں میں تقریباً سارا کیمپ خالی ہو گیا۔ یہ صورت دیکھکر حضرت علیؓ نخیلہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے اور کیمپ چھوڑ کر آنے والوں سے باز پرس کی۔ مگر انہوں نے ایک ہی جواب دیا کہ لڑتے لڑتے ہمارے بازو شل ہو گئے ہیں ہمیں آرام کرنے کی مہلت دی جائے۔ کچھ عرصے کے بعد حضرت علیؓ نے پھر مختلف قبائل کے رئیسوں کو لکھا کہ شام پر حملہ کرنے کے لئے جنگجو افراد کو بھیجو مگر اس کا بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا سوائے اس کے کہ بہت معمولی تعداد جنگ کے لئے تیار ہوئی۔ اس طرح بہت کافی مدت گذر گئی اور جب حضرت علیؓ نے دیکھا کہ اب فوجیں کافی سستا لی ہیں اور ان کے لئے کوئی عذر باقی نہیں رہا ہے تو پھر آپ نے انہیں جنگ پر ابھارا۔ مگر اس بار بھی انہوں نے لڑائی سے پہلو تہی کی اس پر حضرت علیؓ نے ایک خطبہ دیا اور انہیں بہت سرزنش کی اس خطبہ کے خاص خاص اقتباسات درج ذیل ہیں۔

حضرت علیؓ کا خطبہ

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ یہ اہلِ شام تم پر غالب ہوں گے۔ اس لئے نہیں کہ وہ تمہارے مقابلے میں اس حق کے سزاوار ہیں بلکہ (صرف) اس لئے کہ وہ اپنے سردار (معاویہ) کے باطل کی طرف تیزی سے لپکتے ہیں اور تم میرے حق کی جانب آنے میں دیر کرتے ہو۔ قومیں اور امتیں اپنے حاکموں کے ظلم و ستم سے خائف رہتی ہیں اور میری کیفیت یہ ہے کہ اپنی

قوم اور رعیت سے ڈر رہا ہوں۔ میں نے تمہیں جہاد کی دعوت دی لیکن تم نے وہ دعوت قبول نہ کی، میں نے تمہیں سنایا لیکن تم نے نہ سُنا۔ میں نے سرًا و جہرًا تم کو دعوت دی لیکن تم نے سُنی کو اَن سُنی کر دی۔ تم حاضر ہو لیکن غائب کی طرح، تم محکوم ہو لیکن آقا بنے ہوئے ہو۔ میں تم پر کلامِ الٰہی کی تلاوت کرتا ہوں لیکن تم اس سے بھاگتے ہو۔ میں تمہیں پندِ سودمند سناتا ہوں لیکن تم پراگندہ ہوتے ہو۔ میں تمہیں جہاد پر ابھارتا ہوں کہ اہلِ بغی سے جہاد کرو لیکن میں اپنی بات بھی پوری نہیں کر پاتا کہ تمہیں فرزندانِ سبا کی طرح پراگندہ دیکھنے لگتا ہوں (اور یوں منتشر اور پراگندہ ہو کر) اپنی محفلوں میں واپس جاتے ہو۔ (اور وہاں پہنچ کر) ایک دوسرے کو اپنے وعظ سے فریب دیتے ہو۔ ہر صبح کو میں (چوبِ شمشاد کی طرح) تمہیں سیدھا کرتا ہوں اور شام کو جب میری طرف واپس آتے ہو تو یوں جیسے کمانِ کج کی پشت جس کا قابو میں آنا دشوار ہو اور جس کا سیدھا کرنے والا ناتوان و عاجز آچکا ہو۔

اے وہ لوگو! کہ جن کے بدن حاضر ہیں اور عقلیں ناپید اور اندیشے گوناگوں (اور جن کے) سردار مبتلائے مصیبت اور گرفتارِ پریشانی ہیں تمہارا امیر خدا کی اطاعت کرتا ہے اور تم اس کی نافرمانی کرتے ہو اور اہلِ شام کا سردار (معاویہؓ) خدا کی نافرمانی کرتا ہے اور وہ لوگ اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ بخدا میں اسے پسند کرتا ہوں کہ معاویہؓ تمہیں

مجھ سے بدل لے جس طرح (صراف) درہم کو دینار سے بدلتے ہیں۔ مجھ سے تمہارے دس (نفر) لے لے اور (شام والوں میں سے) ایک آدمی مجھے دے دے۔

اے اہلِ کوفہ! تین چیزوں سے (جو تم میں پائی جاتی ہیں) اور دو چیزوں سے (جو تم میں نہیں پائی جاتیں) میں غم واندوہ میں مبتلا ہوں (وہ تین چیزیں جو تم میں پائی جاتی ہیں ان میں سے پہلی تو یہ ہے کہ تم گو کان رکھتے ہو۔ مگر بہرے ہو (دوسری) زبان رکھتے ہو لیکن گونگے ہو (تیسری) آنکھیں رکھتے ہو لیکن اندھے ہو (اور وہ دو چیزیں جو تم میں نہیں ہیں۔ ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ) میدانِ کارزار میں مردانِ آزاد کی طرح ثباتِ قدم کا جوہر تم میں نہیں ہے (اور دوسری) بلا اور مصیبت کے ہنگام میں تم قابلِ اعتماد (ساتھی اور) بھائی نہیں ثابت ہوتے۔ تم ان اونٹوں کی طرح ہو کہ جن کا ساربان ان سے دور ہوتا ہے اور جب انہیں ایک طرف سے جمع کیا جاتا ہے تو وہ دوسری طرف سے پراگندہ ہو جاتے ہیں۔

پس بخدا میں گمان رکھتا ہوں کہ اگر آتشِ جنگ تندی سے بھڑکی اور تلواریں تیزی سے چلیں تو تم ابنِ ابی طالب سے اسی طرح پراگندہ اور جدا ہو جاؤ گے۔ جس طرح عورت (ہنگامِ زائیدن) اپنے بچہ شکم سے دور ہو جاتی ہے۔ حالانکہ میں اپنے پروردگار کی جانب سے محبت رکھتا ہوں اور اپنے پیغمبرؐ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرتے ہوئے راہِ راست

پر چل رہا ہوں۔ میرا راستہ واضح اور آشکار ہے اور اسی پر رہروی کر رہا ہوں اور حق کو باطل سے چھانٹ رہا ہوں۔ اپنے پیغمبر کے اہل بیت پر نظر رکھو ان کے رستے پر رہروی کرو۔ ان کے نقشِ قدم کی پیروی کرو، اس لئے کہ وہ کبھی تمہیں راہ راست سے برگشتہ نہیں کرینگے اور ہلاکت و گمراہی کے راستے پر تمہیں نہیں لوٹائیں گے۔ پس اگر وہ کبھی (حالات و مصالح کے لحاظ سے) خانہ نشیں ہو جائیں تو تم بھی خانہ نشین ہو جاؤ اور اگر وہ اُٹھ کھڑے ہوں تو تم بھی اُٹھ کھڑے ہو۔ ان سے سبقت نہ کرو، اس طرح گمراہ ہو جاؤ گے۔ ان سے پیچھے نہ رہو۔ اس طرح ہلاک و برباد ہو جاؤ گے ۔۔۔"

("نہج البلاغہ" اردو ترجمہ)

مگر یہ پُراثر و پرجوش اور پتھر کو موم کر دینے والا خطبہ سن کر بھی اہل کوفہ پر کوئی اثر نہ ہوا وہ اُٹھے اور دامن جھاڑ کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ آخر ان لوگوں کی کم ہمتی اور عدول حکمی سے تنگ آکر حضرت علیؓ نے شام پر حملہ کرنے کا ارادہ فی الحال ترک کر دیا۔

مصر بھی ہاتھ سے نکل گیا

حضرتِ عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے تو آپ نے جہاں اور بہت سے ممالک کے گورنروں کو برطرف کیا وہاں مصر کے گورنر ابی حذیفہ کو بھی ان کے عہدے سے معزول کر دیا اور ان کی جگہ قیس بن سعد کو مقرر کیا اور فرمایا کہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنے ساتھ اہل مدینہ کا ایک لشکر لے جاؤ۔ تا کہ

ناموافقت حالات میں یہ لشکر تمہاری مدد کر سکے۔ مگر قیس نے اس کا بڑا جرأت مندانہ جواب دیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر میں بغیر لشکر کے مصر میں داخل نہیں ہو سکتا تو سمجھ لیجئے میں کسی طرح مصر میں داخل نہیں ہو سکتا۔ یہ لشکر آپ اپنے لئے رکھئے۔ میں صرف سات آدمیوں کے ساتھ مصر میں داخل ہو جاؤں گا چنانچہ وہ صرف سات آدمی لیکر مصر پر قبضہ کرنے کے لئے چل پڑے اور وہاں پہنچ کر لوگوں کو جامع مسجد میں جمع کر کے ایک بڑا پُر اثر خطبہ دیا اور بیعت لینے کی پُر زور تحریک کی۔ اس کے ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ امیر المومنین نے مجھے مصر کا گورنر بنا کر بھیجا ہے۔ قیس کے خطبہ کا بڑا اچھا اثر ہوا اور لوگوں نے جوق در جوق بیعت کر لی۔ مگر اطراف و جوانب میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے۔ جو شہادتِ عثمانؓ سے بہت متاثر تھے اور چاہتے تھے۔ کہ پہلے خونِ عثمانؓ کا قصاص لیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے بیعت کرنے میں تامل کیا اور کہا کہ ہمارے بھائی مدینہ گئے ہوئے ہیں۔ وہ واپس آ جائیں۔ تو ہم بیعت کریں گے بعض نے صرف یہ کہا کہ ہمیں کچھ مہلت دی جائے۔ قیس نے ان لوگوں سے بجبر بیعت لینا مناسب نہ سمجھا اور کچھ مدت کے لئے معاہدہ کر لیا۔ اس طرح مصر میں ہر طرف امن ہو گیا۔ اکثریت نے حضرت علیؓ کی بیعت کر لی اور کسی قسم کے فتنہ و فساد کا اندیشہ نہ رہا۔ یہ صورتِ حالات حضرت معاویہؓ کے لئے بڑی تشویشناک تھی۔ وہ مصر کی زرخیزی، وہاں کی دولت اور اہل مصر کی طاقت سے خوب واقف تھے انہوں نے خیال کیا کہ اگر مصر علیؓ کے ساتھ رہا اور قیس جیسا دور اندیش شخص اس کا گورنر رہا تو علیؓ کی قوت میں بہت اضافہ ہو جائے گا جو کسی وقت بھی میری تباہی کا سبب بن سکتی ہے۔ وہ خود مصر پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے چنانچہ

انہوں نے قیس بن سعد کو ایک خط لکھا جس میں حضرت عثمانؓ کی بے گناہی، مظلومیت اور حضرت علیؓ کی طرف سے خونِ عثمانؓ کا قصاص لینے میں تساہل بیان کرنے کے بعد اپنے مخصوص سیاسی ہتھکنڈے استعمال کرتے ہوئے انہیں عراق کی امارت کا لالچ دیا۔ قیس نے حضرت معاویہؓ کا خط پڑھ کر مناسب یہی سمجھا کہ اس وقت گول مول جواب دے کر ٹال دیا جائے تاکہ حالات خراب نہ ہوں۔ چنانچہ انہوں نے مندرجہ ذیل جواب لکھا۔

"تم نے شہادت عثمانؓ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس سے میرا تو کوئی تعلق نہیں باقی رہا میرے دوست علیؓ کا معاملہ سو میں اس میں ان کی شرکت ہرگز نہیں محسوس کرتا ہوں۔ جہاں تک تمہاری اطاعت کا تعلق ہے یہ کام عجلت کا نہیں ہے۔ گو میں تمہارے لئے کافی ہوں۔ مگر تم اطمینان رکھو کہ میری طرف سے کوئی ایسا اقدام نہیں ہوگا جس سے تمہیں تکلیف پہنچے۔ تاوقتیکہ میں کسی آخری نتیجہ پر نہ پہنچ جاؤں۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔"

جب حضرت معاویہؓ نے دیکھا کہ قیس نے گول مول جواب دیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مجھے مرعوب کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ تو انہوں نے اس کے جواب میں قیس کو بھی ایک سخت خط لکھا اور دھمکی بھی دی اور اپنی سیاست فراست کی طرف بھی ہلکا سا اشارہ کر دیا ان کے خط کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

"میں نے تمہارا خط پڑھا مگر مجھے اس میں کسی بات کا صاف اور واضح جواب نہیں ملا میں تمہیں صلح کی طرف بلا رہا ہوں۔ تم اس سے بھاگنے کی کوشش نہ کرو۔ (حالانکہ) میں تمہیں جنگ سے بچانے کی کوشش

کر رہا ہوں (یاد رکھو) مجھ جیسا شخص تمہارے فریب میں نہیں آسکتا تمہارا کوئی حیلہ مجھے دھوکہ نہیں دے سکتا۔ جبکہ میرے پاس پیادوں اور سواروں کی بہت بڑی تعداد موجود ہے۔ والسلام"

حضرت معاویہؓ کا خط پڑھکر قیس سمجھ گئے کہ معاویہؓ آسانی سے پیچھا چھوڑنے والا شخص نہیں ہے۔ اس سے دو اور دو چار کی طرح گفتگو کرنی ہوگی چنانچہ انہوں نے صاف الفاظ میں ایک زوردار خط لکھا اور اپنی پالیسی کی وضاحت کردی۔ انہوں نے لکھا کہ :-

"مجھے تعجب ہے کہ تم مجھے دھوکہ دینا چاہتے ہو اور مجھ سے یہ توقع رکھتے ہو کہ میں تمہارے فریب میں آجاؤں گا اور تم سے شکست کھا جاؤں گا۔ کیا تم مجھ سے یہ چاہتے ہو کہ میں اس شخص کی اطاعت کا جوا اپنے کندھے سے اتار دوں جو امارت کے لئے سب سے بہتر ہے سب سے زیادہ حق گو ہے اور رسولؐ اللہ کا سب سے زیادہ قریبی ہے۔ تم مجھے اپنی اطاعت کی دعوت دیتے ہو۔ اس کی اطاعت کی دعوت جو امور مندرجہ بالا میں (علیؓ کے مقابلے میں) بہت پیچھے ہے۔ جو بہت بڑا مکر کرنے والا اور راہ حق سے بھٹکا ہوا ہے۔ رسولؐ اللہ سے قرابت داری میں (مقابلۃً) بہت دور ہے۔ خود گمراہ کرتا ہے اور گمراہ کرنے والے کا بیٹا ہے۔ اور تمہارا یہ کہنا کہ میں تمہارے اوپر سواروں اور پیادوں کو چڑھا لاؤں گا اور مصر کو ان سے بھر دوں گا۔ پس اگر میں نے تمہیں اس حال میں نہ کردیا کہ تمہاری جان

کے لالے پڑ جائیں تو سمجھ لینا کہ تم بڑے خوش نصیب ہو۔

والسلام"۔ (ابن خلدون)

جب حضرت معاویہؓ کو قیس بن سعد کا جواب صاف مل گیا تو وہ سمجھ گئے کہ قیس بہت سمجھدار آدمی ہے نہ دم دلاسوں میں آنے والا ہے نہ طاقت سے مرعوب ہونے والا۔ مگر انہوں نے ایک اور چال چلی اور وہ یہ کہ اپنی خط و کتابت اور تعلقات کی کشیدگی کسی پر ظاہر نہ کی۔ بلکہ یہ مشہور کرتے رہے کہ میرے اور قیس کے تعلقات نہایت اچھے ہیں۔ وہ مجھ سے مشورت کرتا ہے۔ میرا بہی خواہ اور ہمدرد ہے۔ انہوں نے ان باتوں کو اس قدر ہوا دی کہ رفتہ رفتہ یہ خبریں حضرت علیؓ کے پاس بھی پہنچ گئیں۔ ادھر مصر میں محمد بن ابوبکر اور بعض اور لوگ بھی جو حضرت علیؓ کو ذرا ذرا سی بات کی خبر دیتے رہتے تھے۔ قیس سے بدظن ہو گئے۔ اسی دوران میں قیس بن سعد نے حضرت علیؓ کو ایک خط لکھا جس میں استفسار کیا کہ جن لوگوں نے ابھی تک آپ کی بیعت نہیں کی ہے ان کے ساتھ کیا طریق اختیار کرنا چاہئے۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنی طرف سے بطور مشورہ یہ رائے دی کہ فی الحال ان سے تعرض نہ کیا جائے۔ حضرت علیؓ نے عبداللہ بن جعفرؓ سے رائے لے کر قیس کو لکھا کہ جن لوگوں نے ابھی تک بیعت نہیں کی ہے ان کے ساتھ قطعاً رعایت نہ کی جائے اور فوراً بیعت لے لی جائے۔ مگر قیس نے حضرت علیؓ کی رائے سے اختلاف کیا اور جواب میں لکھا کہ جو لوگ ابھی تک خاموش ہیں۔ اگر ان پر سختی کی گئی، تو آپ کے دشمن سے مل جائیں گے اور پھر آپ کے لئے بڑی مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ اس لئے کچھ دنوں تک انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے۔ قیس کے جواب، عبداللہ بن جعفر کے مشوروں اور حضرت معاویہؓ کی اڑائی ہوئی خبروں نے

ل کر حضرت علیؓ کو قیس سے بدظن کر دیا اور انہوں نے اس کی معزولی کا فرمان جاری کر دیا۔ اس طرح حضرت علیؓ اپنے ایک دانشمند اور موقعہ شناس دوست سے محروم ہو گئے جو صرف دوست ہی نہیں بلکہ ایک بڑے ملک کا حاکم بھی تھا اور اس ملک کے حالات کو سنبھالے ہوئے تھا۔

قیس کی جگہ محمد بن ابوبکرؓ مصر کے عامل مقرر کئے گئے۔ مگر وہ بالکل نااہل ثابت ہوئے۔ انہوں نے جاتے ہی اہل مصر کو اپنے اور حضرت علیؓ دونوں کے خلاف کر لیا۔ لوگوں سے سختی کے ساتھ پیش آئے اور جن لوگوں نے بیعت نہیں کی تھی۔ انہیں بیعت کے لئے مجبور کرنا شروع کیا اسی دوران میں جنگِ صفین ختم ہوئی تھی اور فریقین کی طرف سے حکم مقرر ہوئے تھے۔ اس واقعہ سے ان لوگوں کے حوصلے اور بڑھ گئے۔ جنہوں نے ابھی تک حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کی تھی۔ چنانچہ انہوں نے معاویہ بن خدیج کو اپنا امیر بنا لیا اور یزید بن کنانی کی زیر قیادت میدان میں آ گئے۔ محمد ابن ابوبکر نے ان کی گوشمالی کے لئے حرث بن جمہان کی سرکردگی میں ایک لشکر بھیجا۔ مگر اسے باغیوں نے شکست دیدی۔ پھر دوسرا لشکر ابن مضاہم کلبی کی سرکردگی میں بھیجا گیا۔ وہ بھی شکست کھا کر میدان سے بھاگ نکلا اور ابن مضاہم اس معرکہ میں کام آیا۔

جب حضرت علیؓ کو ان واقعات کی خبر ملی اور آپ نے دیکھ لیا کہ محمد بن ابوبکرؓ میں مصر کو سنبھالنے کی اہلیت نہیں ہے۔ تو انہوں نے اشتر کو گورنر مصر بنا کر بھیجا یہ انتخاب بڑا صحیح تھا اور یقین ہے کہ اگر اشتر مصر کی امارت کا چارج لے لیتا تو حالات درست ہو جاتے۔ مگر افسوس کہ اشتر کو مصر پہنچتے ہی زہر دیکر ہلاک کر دیا گیا۔ مورخین نے اس شبہ کا اظہار کیا ہے کہ اسے امیر معاویہؓ کے اشارے سے زہر دیا گیا۔ مگر تاریخ

اس شبہ کو یقین میں نہیں بدل سکی۔

اس واقعہ کے بعد حضرت علیؓ نے محمد بن ابو بکرؓ کو ایک خط لکھا کہ مبادا وہ اشتر کے تقرر سے دل برداشتہ ہو گئے ہوں اور اس میں یہ بھی لکھا کہ میں نے اشتر کو مصر کا گورنر اس لئے مقرر نہیں کیا تھا کہ میں تم سے بدظن تھا۔ بلکہ صرف اس کے تجربہ، سیاست دانی اور عسکری اہلیت کے پیش نظر ایسا کیا تھا۔ اب تم اطمینان مگر دانشمندی سے اپنے فرائض ادا کرو اور اللہ تعالیٰ کی امداد پر بھروسہ رکھو۔ مگر اس کا نتیجہ بھی اچھا نہ نکلا محمد بن ابو بکر مصر کو نہ سنبھال سکے۔ امیر معاویہؓ کے ہواخواہ جن کی تعداد روز بروز بڑھ رہی تھی۔ فتنہ آرائی کرتے رہے اور خونِ عثمانؓ کے قصاص کا نعرہ لگا لگا کر عام بددلی اور انتشار پھیلاتے رہے۔ ادھر امیر معاویہؓ نے معاویہ بن خدیج اور مسلمہ بن مخلد کو خوب ابھارا اور اپنی امداد کا یقین دلایا۔ شاید یہ فتنہ دب جاتا کہ حالات نے ایک رُخ اور بدلا اور عمروؓ بن العاص جیسا آزمودہ کار سیاست دان حضرت معاویہؓ کے مشورہ سے چھ ہزار کا لشکر لے کر مصر پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ ہو گیا۔ عمروؓ بن العاص کے مصر پہنچتے ہی حالات اور خراب ہو گئے اور باغی چاروں طرف سے آ آ کر ان کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔

جب محمد بن ابو بکرؓ نے یہ صورت دیکھی تو انہوں نے حضرت علیؓ کو اپنی امداد کے لئے لکھا اور کنانہ بن بشر کو دو ہزار کا لشکر دے کر عمروؓ بن العاص کے مقابلے پر بھیجا۔ عمروؓ بن العاص کی طرف سے عمرو بن خدیج شامی لشکر لے کر میدان میں نکلے اور ابتدائی حملوں ہی میں کنانہ کو شکست دے کر قتل کر دیا۔ جب یہ خبر عام ہوئی۔ تو رہے سہے آدمیوں نے بھی محمد بن ابو بکرؓ کا ساتھ چھوڑ دیا اور ابن ابو بکرؓ بے یار و مددگار

ہو کر ایک کھنڈر میں چھپ گئے۔ مگر معاویہ بن خدیج نے انہیں ڈھونڈھ نکالا
اور عمروؓ بن العاص کے سامنے پیش کیا۔ آخر انہیں اس حالت میں قتل کر دیا گیا کہ وہ
پیاس سے بے حال ہو رہے تھے اور پھر ان کی نعش کو گدھے کی کھال میں بند
کر کے جلا دیا گیا۔ عمروؓ بن العاص جیسے صحابی نے اپنے سیاسی حریف سے انتقام
لینے کے لئے جو افسوسناک طریقہ اختیار کیا اور اس کی موت کے بعد اس کی لاش
سے جو سلوک کیا اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ شاید اس نا روا سلوک
کی وجہ یہ ہو کر محمد بن ابی بکرؓ نے خلیفۂ مظلوم حضرت عثمانؓ کے گھر میں داخل ہو کر
ان کی ہتک کی تھی اور ان کی شان میں نازیبا کلمات استعمال کئے تھے۔

غرض یہ کہ محمد بن ابو بکر کی نا اہلیت، غلط پالیسی، اور امیر معاویہؓ و عمروؓ بن العاص
کی ریاست دانی اور کھلی ہوئی جارحیت کی بدولت مصر حضرت علیؓ کے قبضے سے نکل کر
صفر ۳۸ھ مطابق ۶۵۸ء میں امیر معاویہؓ کے قبضہ میں چلا گیا۔

بصرہ میں شورش

مصر میں حضرت علیؓ کی ناکامی بہت سے نئے فتنوں کا پیش خیمہ ثابت ہوئی
امیر معاویہؓ نے بھی اس صورت حال سے فائدہ اٹھایا اور بصرہ میں حضرت علیؓ کے
خلاف شورش کروا دی۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے عبداللہ بن الحضرمی کو بصرہ
بھیجا۔ عبداللہ نے خونِ عثمانؓ کے قصاص کا پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ بصرہ کے
کچھ لوگ تو اسی وقت سے حضرت علیؓ سے کشیدہ خاطر تھے جب انہوں نے حضرت
عائشہؓ کو شکست دی تھی اور بصرہ کے نامی گرامی سردار مارے گئے تھے۔ اب جو
عبداللہ نے انہیں بھڑکایا اور شامی امداد کا یقین دلایا تو وہ آتش فشاں کی طرح

پھٹ پڑے۔ ان دنوں عبداللہ بن عباسؓ بصرہ کے گورنر تھے۔ مگر وہ کسی کام سے حضرت علیؓ کے پاس گئے ہوئے تھے اور زیاد بن ابوسفیان ان کے قائم مقام تھے۔ عبداللہ بن الحضرمی نے ابن عباسؓ کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھایا اور قبیلہ بنو تمیم کو جو امیر معاویہؓ کا حامی تھا اپنے ساتھ ملا کر بغاوت کروادی۔ زیاد اس صورت حال کا مقابلہ نہ کر سکے۔ مگر انہوں نے بڑی ہوشیاری سے کام لیا۔ ایک طرف تو حضرت علیؓ کو سارے واقع کی اطلاع بھجوا کر ان سے احکامات اور امداد طلب کی اور دوسری طرف باغیوں کے سربراہوں عبداللہ بن الحضرمی اور صبرہ بن شیمان ازدی سے مصالحت کر لی اور اپنے آپ کو مع بیت المال کے ان لوگوں کی پناہ میں دے دیا۔

ادھر جب حضرت علیؓ کو ان واقعات کا علم ہوا تو انہوں نے رعین بن ضبیعہ کو زیاد کی امداد کے لئے بھیجا مگر انہیں بصرہ پہنچتے ہی قتل کر دیا گیا۔ ابن ضبیعہ کے بعد جاریہ بن قدامہ تمیمی کو بصرہ کی بغاوت فرو کرنے پر مامور کیا گیا۔ حضرت علیؓ نے روانگی سے پہلے انہیں ہدایت کی کہ تم قبیلہ بنو تمیم سے تعلق رکھتے ہو جس طرح ہو اپنے قبیلہ کو سمجھا بجھا کر عبداللہ بن الحضرمی سے الگ کر لو۔ جاریہ نے بصرہ پہنچتے ہی قبیلہ بنو تمیم سے گفتگو شروع کی اور آخر کار وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو گئے۔ بنو تمیم اور ابن الحضرمی کے ساتھیوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں گروہوں میں جنگ شروع ہو گئی جس میں ابن الحضرمی قتل ہو گیا اور اس کے ساتھی شکست کھا کر میدان سے بھاگ نکلے اس طرح امیر معاویہؓ کی سازش کامیاب نہ ہو سکی۔ بصرہ میں امن و امان ہو گیا اور لوگ حضرت علیؓ کے مطیع و فرمانبردار ہو گئے۔ یہ واقعہ ۳۹ھ میں پیش آیا۔

فارس میں بغاوت

بصرہ کی شورش کا اثر فارس اور کرمان پر بھی پڑا اور ۳۹ھ میں یہاں کے بڑے بڑے سرداروں نے بھی علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ خراج دینے سے انکار کیا اور حضرت علیؓ کے مقرر کردہ گورنر سہل بن حنیف کو نکال باہر کیا۔ حضرت علیؓ نے شوریٰ کا اجلاس طلب کیا۔ ابن عباسؓ نے رائے دی کہ آپ زیاد بن ابوسفیان کو فارس اور کرمان کو مہم پر روانہ کیجئے۔ وہ بہت سخت مزاج آدمی ہے اور اس کے ساتھ موقع شناس بھی ہے۔ جاریہ بن قدامہ نے بھی ابن عباسؓ کی رائے سے اتفاق کیا۔ حضرت علیؓ نے یہ مشورہ قبول کر لیا اور زیاد کو ایک لشکرِ جرار کے ساتھ فارس کی طرف کوچ کا حکم دیا اس کے ساتھ ساتھ انہیں امارتِ خراسان کا پروانہ بھی عطا کر دیا۔ زیاد نے فارس پہنچتے ہی ایرانیوں پر پے در پے حملے شروع کر دیئے۔ بعض نے مقابلہ کیا۔ بعض نے بغیر جنگ کئے ہی اطاعت قبول کر لی اور بعض فرار ہو گئے۔ اس طرح زیاد کے ہاتھوں فارس میں ہر طرف امن قائم ہو گیا۔ پھر زیاد کرمان کی طرف بڑھے اور معمولی جھڑپوں کے بعد انہیں بھی زیر کر لیا۔ اس طرح عجمی فتنہ بھی دب گیا۔

حضرت معاویہؓ کا حجاز و یمن پر حملہ

جب ۴۰ھ شروع ہوا تو امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کو پریشان کرنے کا ایک نیا سلسلہ شروع کر دیا۔ انہوں نے بسر بن ابی ارطاۃ کی قیادت میں تین اور چار ہزار کے درمیان چیدہ چیدہ بہادروں کا ایک لشکر حجاز پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ اس لشکر نے بلا مزاحمت مدینہ پر قبضہ کر لیا اور بعض روایتوں کے مطابق

اہل مدینہ سے حضرت معاویہؓ کی جبراً بیعت لی۔ مدینہ پر قبضہ کرنے کے بعد بسر نے مکہ کا رخ کیا اور وہاں بھی بغیر کسی جنگ کے قبضہ کرلیا اور اہل مکہ سے بھی حضرت معاویہؓ کی بیعت لی۔

مدینہ اور مکہ پر قبضہ کرنے کے بعد بسر اور اس کے ساتھی یمن پہنچے۔ ان دنوں حضرت عبداللہ بن عباسؓ یمن کے گورنر تھے۔ انہوں نے اس بلائے ناگہانی سے نجات اسی میں دیکھی کہ یمن چھوڑ کر کوفہ چلے جائیں۔ بعض روایتوں میں بیان کیا گیا ہے کہ بسر نے حضرت ابن عباسؓ کے دو کمسن بچوں کو بڑی بے دردی سے ذبح کر دیا اور ان لوگوں کی بڑی تعداد کو بھی تہ تیغ کر دیا۔ جو حضرت علیؓ کے حامی تھے۔

جب حضرت علیؓ کو بسر کے ان مظالم کی خبر پہنچی۔ تو آپ نے اپنی فوج کے ایک سردار جاریہ بن قدامہ کو صرف دو ہزار کا مختصر سا لشکر دے کر بسر کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ جب بسر نے جاریہ کے آنے کی خبر سنی تو اس پر اتنی دہشت طاری ہوئی۔ کہ وہ بغیر مقابلہ کئے ہی بھاگ کھڑا ہوا۔ جاریہ نے اہل مدینہ، اہل مکہ اور اہل حجاز سے دوبارہ حضرت علیؓ کی بیعت لی۔

شہادتِ علیؓ

جنگ نہروان میں حضرت علیؓ نے خوارج کو شکست تو دیدی۔ مگر اس فتنہ کا مکمل استیصال نہ ہو سکا۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ حضرت علیؓ کی تلوار نے ان کے جسم تو فتح کرلئے مگر ان کے دلوں پر قبضہ نہ کر سکے۔ اس لئے انہیں جب بھی موقع ملا وہ سر اٹھاتے رہے۔ جب کوئی فتنہ اٹھا۔ خوارج نے اسے ہوا دینے میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا یہاں تک کہ وہ حضرت علیؓ کی جان لے کر ہی ٹلے۔ جیسا کہ گذشتہ صفحات میں

اشارہ کیا جا چکا ہے۔ وہ تنہا حضرت علیؓ کے دشمن نہ تھے۔ ان کے نزدیک حضرت معاویہؓ، عمروؓ بن العاص اور حضرت علیؓ تینوں کافر اور دائرہ اسلام سے خارج تھے۔ ان کا خیال تھا کہ انہیں تینوں کی سیاسی کشمکش نے مسلمانوں کو افتراق و انتشار میں مبتلا کر دیا ہے۔ چنانچہ جنگ نہروان میں حضرت علیؓ کے ہاتھوں عبرتناک شکست کھانے کے بعد بقیۃ السیف خارجیوں نے فیصلہ کر لیا کہ جب تک معاویہؓ عمروؓ اور علیؓ کو قتل نہیں کر دیں گے چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ برک بن عبداللہ التمیمی نے معاویہؓ کو عمرو بن بکر التمیمی نے عمرو بن العاصؓ کو اور عبدالرحمٰن بن ملجم المراوی نے علیؓ کو قتل کرنے کا ذمہ لیا اور یہ طے کیا کہ تینوں ایک ہی دن اور ایک ہی وقت حملہ کریں گے۔ اس مقصد کے لئے ۱۷ رمضان کا دن اور نماز فجر کا وقت مقرر ہوا۔ یہ فیصلہ کر کے تینوں اپنی اپنی سمت روانہ ہو گئے

عمرو بن بکر نے مصر پہنچ کر اپنا فرض انجام دیا مگر اتفاق کی بات کہ اس روز عمروؓ بن العاص نماز پڑھانے کے لئے خود مسجد میں نہیں آئے۔ بلکہ اپنی بجائے خارجہ بن ابی حبیبہ کو بھیج دیا جو ان کے ایک بڑے فوجی افسر تھے۔ برک نے خارجہ ہی کو عمروؓ سمجھ لیا اور جوں ہی وہ مسجد میں داخل ہوئے اس نے اوٹ سے نکل کر تلوار کا بھرپور وار کیا اور خارجہ وہیں ڈھیر ہو گئے۔

برک نے شام پہنچ کر اسی روز نماز فجر میں معاویہؓ پر حملہ کیا مگر وار اوچھا پڑا اور ان کی پشت زخمی ہو گئی۔ جو علاج معالجے کے بعد ٹھیک ہو گئی۔ مگر وہ اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں رہے۔

اسی تاریخ یعنی ۱۷ رمضان سنہ ۴۰ھ مطابق ۲۵ جنوری سنہ ۶۶۱ء کو ابن ملجم

نے ایک اور شخص شبیب بن بجیرہ الاشجعی کو اپنے ساتھ ملا کر حضرت علیؓ پر حملہ کر دیا۔
فجر کی نماز سے پہلے یہ دونوں مسجد میں بیٹھ گئے اور جوں ہی حضرت علیؓ نماز فجر
ادا کرنے کے لئے مسجد میں داخل ہوئے۔ پہلے شبیب نے تلوار چلائی۔ مگر حضرت علیؓ
آگے نکل آئے اور تلوار دروازہ پر پڑی۔ معاً ابن ملجم نے دوسرا وار کیا جو آپ
کی پیشانی پر پڑا اور آپ غش کھا کر گر پڑے۔ (استیعاب)

لوگ اسی حالت میں اٹھا کر گھر لے گئے۔ گھر پہنچ کر آپ نے قاتل کے متعلق
حکم دیا کہ اگر میں زندہ رہا۔ تو جیسا مناسب سمجھوں گا فیصلہ کروں گا اور مر گیا تو اسے
ایک ہی وار میں ختم کر دینا۔ خبردار اس کے ہاتھ پیر اور ناک کان نہ کاٹنا۔ کیونکہ
رسول اللہ نے یہ فعل ناپسند فرمایا ہے۔ میں نے اپنے کانوں سے آپ کو یہ کہتے سُنا
ہے کہ مُثلہ سے بچو خواہ وہ کتے ہی کا کیوں نہ ہو۔ اس کے بعد آپ نے حسنؓ و
حسینؓ اور محمد بن الحنفیہ کو بلایا اور انہیں وصیت کی۔

"اللہ تعالےٰ سے ڈرنا، دنیا کے پیچھے نہ بھاگنا، خواہ وہ تمہیں مجبور
ہی کیوں نہ کرے۔ جو چیز تمہیں حاصل نہ ہو سکے۔ اس سے محرومی کا
غم نہ کرنا۔ ہمیشہ حق بات کہنا۔ یتیموں اور بے کسوں پر رحم کھانا۔
ظالم کی مخالفت اور مظلوم کی حمایت کرنا۔ کتاب اللہ کی پیروی کرنا۔
آپس میں ایک دوسرے سے حسنِ سلوک سے پیش آنا۔"

کچھ لوگ حاضرِ خدمت ہوئے اور انہوں نے دریافت کیا کہ آپ کے بعد ہم لوگ
حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلیں؟ آپ نے فرمایا کہ نہ تو میں تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ
اس سے روکتا ہوں۔ تم جیسا مناسب سمجھو کرو۔ (تاریخ الخلفاء۔ طبقات ابن سعد)

آخر زخموں کی تاب نہ لاکر اسی روز ۱۷ رمضان المبارک ۴۰ھ کو وہ مقدس وجود دنیا سے رخصت ہو گیا جو علم وفضل میں یگانہ، زہد و تقویٰ میں بے مثل اور شجاعت و دلیری میں عدیم النظیر تھا۔

وفات کے بعد آپ کے صاحبزادوں حضرات حسنؓ و حسینؓ اور عبداللہ بن جعفرؓ نے غسل دیا۔ حضرت حسنؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جامع مسجد کوفہ کے قریب ہی دفن کر دیئے گئے۔ (طبقات ابن سعد)

حضرت علیؓ نے چار سال نوماہ خلافت کی اور تریسٹھ سال کی عمر پائی۔

حُلیہ

حضرت علیؓ کا قد چھوٹا تھا، رنگ گندمی مگر سرخی مائل، آنکھیں سیاہ روشن اور بڑی بڑی۔ چہرہ ہر وقت شگفتہ اور متبسم رہتا تھا۔ سر کے درمیان میں بال کم تھے۔ داڑھی کے بال بہت گھنے تھے جو آخر عمر میں بالکل سفید ہو گئے تھے۔ سینہ بھی بالوں سے بھرا ہوا۔۔۔ اور بہت چوڑا تھا۔ بازو اور رانیں گوشت سے بھری ہوئی تھیں۔ لباس بہت معمولی۔ کبھی کبھی پیوند لگا ہوا مگر صاف ستھرا ہوتا تھا۔ اونچا تہ بند نیچا کرتہ اور دستار آپ کا لباس تھا۔ اکثر سیاہ دھاریوں والا عمامہ باندھتے تھے۔

ابی الحجاج کا بیان ہے کہ میں نے علیؓ کو خطبہ پڑھتے ہوئے دیکھا تھا وہ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ خوبصورت نظر آرہے تھے۔ (اسد الغابہ)

ازواج واولاد

جب تک حضرت فاطمہؓ زندہ رہیں۔ حضرت علیؓ نے دوسری شادی نہیں کی۔ حضرت فاطمہؓ کے انتقال کے بعد آپ نے آٹھ شادیاں اور کیں۔ جن سے بارہ لڑکے

اور پندرہ لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ ام البنین بنت حرام کلابیہ۔ ان سے عباس، جعفر، عبداللہ اور عثمان پیدا ہوئے

۲۔ لیلیٰ بنت مسعود بن خالد تہشلہ تمیمیہ۔ ان سے عبیداللہ وابوبکر پیدا ہوئے۔

۳۔ اسماء بنت عمیس خثعمیہ۔ ان سے محمد الاصغر اور یحییٰ پیدا ہوئے۔

۴۔ امامہ بنت ابی العاص بن الربیع۔ ان سے محمد بن الاوسط پیدا ہوئے۔

۵۔ خولا بنت جعفر۔ ان سے محمد بن الحنفیہ پیدا ہوئے

۶۔ صہباء بنت ربیعہ تغلبیہ۔ ان سے عمر اور رقیہ پیدا ہوئیں۔

۷۔ سعد بنت عروہ بن مسعود ثقفیہ۔ ان سے ام الحسن، رملۃ الکبریٰ اور ام کلثوم اصغر پیدا ہوئیں۔

۸۔ مخبۂ بنت امرء القیس بن عدی کلبیہ۔ ان سے صرف ایک لڑکی پیدا ہوئی جو بچپن میں ہی فوت ہوگئی۔

بعض مورخین نے اولاد علیؓ کی مذکورہ بالا تعداد میں کچھ اضافہ بھی کیا ہے، مگر انہوں نے بھی ان کے ناموں کا تعین نہیں کیا ہے اور نہ معقول استدلال سے کام لیا ہے۔ اس لئے یہی تعداد درست سمجھنا چاہیئے۔

سیرت و کردار

سیرت و کردار

یوں تو حضرت علیؑ کی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جو قابلِ ذکر اور امت کے لئے قابلِ تقلید نہ ہو۔ وہ ان مقدس لوگوں میں سے تھے۔ جو دنیا میں انسانیت کو سربلند کرنے کے لئے آتے ہیں۔ جو زندہ رہتے ہیں تو انسانیت کے لئے اور مرتے ہیں تو انسانیت کے لئے۔ وہ اپنے وجود اور ان اغراض کو جو اس سے وابستہ ہوتی ہیں۔ تج دیتے ہیں۔ اپنے معاشرے کی بہتری کے لئے سرگرم کار رہتے ہیں اور اس راستے میں آنے والی ہر مشکل کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں۔ حضرت علیؑ کی ساری زندگی انسانیت کے بلند اصولوں اور اسلام کی پاکیزہ تعلیم کی خدمت کرتے ہوئے بسر ہوئی اور اسی راستے میں انہوں نے اپنی جان، جانِ آفرین کے سپرد کی ان کی شخصیت بڑی ہمہ گیر اور ہمہ جہت تھی۔ وہ قلم اور تلوار دونوں کے دھنی تھے

جنگ کا میدان ہو یا رشد و ہدایت کا منبر۔ عدالت کی کرسی ہو یا فقر کی مسند، خطابت کا معرکہ ہو یا بذلہ سنجی کی محفل۔ غرض کوئی میدان، کوئی راستہ، کوئی کوچہ اور کوئی منزل ایسی نہیں۔ جہاں حضرت علیؑ کی عظمت کے آفتاب نے طلوع ہو کر ضیا پاشی نہ کی ہو۔ ان کا زہد و تقویٰ، ان کی فیاضی، ان کا عدل، ان کی پاکبازی ان کی اصابت رائے، ان کی فراست، ان کا علم دین، ان کی بے نفسی، ان کی عوام دوستی اور ان کا خلق ۔۔ کون سا پہلو ہے۔ جو پکار پکار کر نہ کہتا ہو کہ اس کا مثل مشکل سے ملیگا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان تو مسلمان غیر مسلم بھی ان کی شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اور دانشوران یورپ کو بھی اعتراف کرنا پڑا کہ :۔

"ان (حضرت علیؑ) کی تنہا ذات میں متعدد اوصاف جمع ہو گئے تھے۔ وہ شاعر بھی تھے اور صاحب شمشیر بھی تھے، صاحب زہد و تقویٰ بھی تھے۔ ان کے اخلاقیات اور معاملات دین پر مشتمل اقوال کا مجموعہ آج بھی ان کی دانائی کا اظہار کرتا ہے۔ انہوں نے میدان جنگ میں ہر دشمن کو شکست دی۔ جنگ خواہ تلوار کی ہو یا زبان کی۔ جو بھی ان کے مقابلے پر آیا ان کی خطابت اور شجاعت سے مات کھا گیا"

(زوال روما۔ ایڈورڈ گبن)

"یہ خلیفہ (حضرت علیؑ) بہادری، حوصلہ، سخاوت اور قلب کی صفائی کے اعتبار سے آئینہ کی مثل تھے۔" (سنن اسلام۔ ڈاکٹر جی ڈبلیو لائٹز)

ذیل میں مستند کتابوں کی مدد سے حضرت علیؑ کے کردار کے بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے گی۔

خدمتِ خلق

اسلام خدمتِ خلق کا سب سے بڑا معلم اور اس کی تعلیم خدمتِ خلق کا سب سے بڑا لائحہ عمل ہے۔ خود حضورؐ سرورِ کائنات نے اپنی زندگی کے آخری لمحے تک مخلوقِ خدا کی خدمت کی۔ حضرت علیؓ جو حضورؐ کے بعد سب سے زیادہ منشائے الٰہی کو سمجھنے والے تھے خلقِ خدا کے بہت بڑے خادم تھے۔ وہ اپنے عمل سے لوگوں کو ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک کرنا چاہتے تھے۔ وہ ایک ایسے معاشرے کو جنم دینے کے آرزومند تھے جس کے افراد اس انتظار میں رہیں کہ کہیں کب موقعہ ملے اور ہم دوسروں کا ہاتھ بٹائیں۔ یہی وجہ ہے کہ خود حضرت علیؓ اس کوشش میں رہتے تھے کہ خدمتِ خلق کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے پائے۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ جب بازار میں سے گذرتے تھے .... تو بھولے بھٹکوں کو راستہ بتاتے۔ بوجھ اٹھانے والوں کی مدد کرتے اور ان کا بوجھ اٹھوا کر سروں پر رکھواتے۔ اگر کسی کی کوئی چیز گر جاتی تو اٹھا کر دیدیتے۔ خواہ وہ جوتے کا تسمہ ہی کیوں نہ ہو۔ (الریاض النضرہ جلد دوم)

انہیں اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرنے میں کوئی عار نہیں محسوس ہوتی تھی اور وہ اپنے معاشرے کے ہر فرد سے بھی یہی توقع رکھتے تھے کہ وہ دوسروں کے سہارے جینے کی بجائے اپنے سہارے جینے کا ڈھنگ سیکھیں۔ چنانچہ ایک بار انہوں نے بازار سے کچھ کھجوریں خریدیں۔ انہیں کپڑے میں باندھ کر چاہتے تھے کہ کندھے پر رکھ لیں کہ ایک شخص نے انہیں روکا اور عرض کیا کہ اے امیر المومنین! یہ بوجھ ہمارے سر پر رکھ دیجئے۔ حضرت علیؓ نے اپنا بوجھ اس کے سر پر رکھنے سے انکار کر دیا اور فرمایا

کہ "یہ بوجھ بچوں کے باپ ہی کو اٹھانا چاہیئے۔"

اکل حلال

حضرت علیؓ ان لوگوں میں سے تھے جو دوسروں کی پیدا کی ہوئی روزی پر اپنی زندگی کی بنا رکھنے سے مرجانا بہتر سمجھتے ہیں۔ انہوں نے ساری زندگی تن آسانی کے خلاف جدوجہد کی، سعی وجہد ان کی زندگی کا مقصد تھا۔ کہنے کو وہ رسولؐ خدا کے بھائی اور داماد تھے۔ اس رسولؐ کے بھائی جس کے ادنیٰ اشارے پر ہزار ہا مسلمان اپنی زندگیاں قربان کرنے کو تیار رہتے تھے۔ اگر حضرت علیؓ چاہتے تو مسلمانوں پر ان کا جو اثر و نفوذ تھا اس کے سہارے ساری زندگی عیش و آرام میں گذار دیتے۔ اور مسلمان بخوشی سیدۃؓ النسا کے عزیز شوہر کے قدموں میں دولت کا انبار لگا دیتے مگر حضرت علیؓ کا کردار گواہ ہے کہ جب تک ان کے سر کا پسینہ ایڑیوں تک نہ بہہ گیا۔ انہوں نے لقمہ کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ انہوں نے فاقہ کرنا گوارا کر لیا مگر کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا یا کسی کی امداد پر بھروسہ کرنا گوارا نہ کیا۔ خود حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ "قیام مدینہ کے زمانے میں ایک روز میں سخت بھوکا تھا۔ گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہ تھی۔ آخر مزدوری کرنے کے لئے نکلا۔ ایک بڑی عورت ملی۔ جو مٹی کے ڈھیلے جمع کرکے انہیں بھگونا چاہتی تھی۔ میں نے اس سے مزدوری کی خواہش ظاہر کی اور ایک کھجور فی ڈول پر معاملہ طے کر لیا۔ میں نے اتنے ڈول کھینچے کہ میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے۔ تب کچھ کھجوریں ملیں۔ یہ کھجوریں لے کر میں حضورؐ کی خدمت میں گیا۔ حضور نے میرے ساتھ یہ کھجوریں تناول فرمائیں۔ (ازالۃ الخفا)

(نوٹ۔ کھجوروں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ شاہ ولی اللہؒ نے ازالۃ الخفا میں ان

کی تعداد ۱۶ لکھی ہے)

سادگی۔

حضرت علیؓ کو نمود و نمائش ظاہرداری اور تصنع و تکلف سے کوئی واسطہ نہ تھا ان کی زندگی بے حد سادہ تھی۔ حضرت عمرؓ کے بعد اس سادگی کی مثال بمشکل ملیگی جو خلیفۂ وقت امیرالمومنین علی بن ابی طالب کی زندگی کے ہر پہلو سے ظاہر ہوتی تھی وہ بہت سادہ غذا استعمال کرتے تھے اور بہت معمولی لباس پہنتے تھے۔ اپنا سودا بازار سے خرید کر خود لاتے تھے۔

طبری کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنی سادگی زمانۂ خلافت میں بھی قائم رکھی ان کا لباس بہت معمولی کپڑے کا ہوتا تھا۔ کرتا اونچا پہنتے تھے اور اس کی آستیں بھی اونچی ہوتی تھیں۔ موٹے جھوٹے کپڑے کی تہ بند استعمال کرتے۔ بازار میں سے گزرتے ہوئے اگر کوئی بہ نظر تعظیم پیچھے پیچھے چلنے لگتا تو اسے منع کر دیتے اور فرماتے کہ یہ امر والی کے لئے فتنے کا موجب بن سکتا ہے۔ (طبری کی تاریخ)

حضرت زیدؓ کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت علیؓ نے مجھے دعوت دی کہ کل نماز ظہر کے بعد تم میرے ساتھ کھانا کھانا۔ دوسرے دن ظہر کی نماز پڑھکر میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ بیٹھے ہوئے ہیں اور پانی کا ایک لوٹا قریب رکھا ہوا ہے۔ مجھے دیکھکر گھر میں تشریف لے گئے اور ایک سربند برتن لائے۔ میں نے خیال کیا کہ شاید اس میں سے جواہرات وغیرہ نکال کر مجھے عطا فرمائیں گے یا کوئی اور چیز دیں گے۔ مگر جب انہوں نے مہر توڑی اور مٹھی بھر ستو نکال کر میرے سامنے پیالے میں ڈالے۔ تو مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور میں نے عرض کیا کہ اے امیرالمومنین! آپ

عراق میں رہتے ہوئے ستو کھاتے ہیں۔ حالانکہ عراق تو انواع و اقسام کے کھانوں کے لئے مشہور ہے۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ (تم نہیں جانتے) اس کی وجہ کنجوسی نہیں ہے۔ میں صرف اسی قدر کھاتا ہوں جو زندہ رہنے کے لئے کافی ہو۔ اور برتن پر مہر صرف اس لئے لگا دیتا ہوں۔ تاکہ اس میں سوائے ستو کے اور کوئی چیز نہ ڈال دی جائے۔ میں پاک چیزوں کے علاوہ دوسری چیزوں سے پیٹ بھرنا مکروہ سمجھتا ہوں۔

سوید بن غفلہ کا بیان ہے کہ ایک روز میں حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ سامنے جو کی روٹی اور دودھ کا پیالہ رکھا ہے۔ روٹی اس قدر خشک تھی کہ کبھی آپ ہاتھوں سے اور کبھی گھٹنوں سے دبا دبا کر توڑتے تھے۔

علامہ ابن حدید کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ سرکہ اور نمک سے روٹی کھاتے تھے۔ کبھی کبھی ترکاری اور بہت کم اونٹ کا دودھ استعمال کرتے تھے۔ گوشت تو شاذ ہی کھاتے تھے۔ (شرح نہج البلاغہ)

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بیان کیا کہ ایک بار میں حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ عید کا دن تھا۔ انہوں نے حلیم سے میری تواضع فرمائی حلیم کھانے کے بعد میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مال و دولت عطا فرمائی ہے اس لئے کیا اچھا ہوتا کہ آپ بطخ کے گوشت سے میری دعوت کرتے۔ اس کے جواب میں حضرت علیؓ نے کہا۔ کہ اے ابن زبیرؓ میں نے رسول اللہ کا یہ ارشاد سنا ہے کہ خلیفہ کے لئے بیت المال سے دو پیالے لینا جائز ہیں ایک اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے اور دوسرا مہمانوں کے لئے۔ (مطالب السئول)

یہ تو تھا حضرت علیؓ کی غذا میں سادگی کا بیان۔ لباس کے معاملے میں بھی ان کی سادگی کچھ اسی قسم کی تھی۔ چنانچہ ایک شخص کا بیان ہے کہ میں حضرت علی سے ملنے گیا۔ یہ سردیوں کا موسم تھا۔ کڑاکے کا جاڑا پڑ رہا تھا اور سردی کی شدت سے حضرت علی کا جسم لرز رہا تھا۔ کیونکہ وہ صرف ایک کپڑا اوڑھے ہوئے تھے۔ میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ اے امیرالمومنین! اللہ تعالیٰ نے بیت المال میں سے آپ کا حصہ بھی مقرر کیا ہے۔ پھر آپ اپنے نفس پر اس قدر تکلیف کیوں برداشت کر رہے ہیں۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ "خدا کی قسم! میں تمہارے مال میں سے کوئی چیز لینا گوارا نہیں کرتا۔ یہ وہی چادر ہے جو مدینہ سے میں اپنے ساتھ لایا تھا۔" (ابن اثیر)

عبداللہ ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اپنا جوتا سی رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کا جوتا کتنے کا ہے؟ فرمانے لگے۔ خدا کی قسم! یہ مجھے تمہاری دنیا سے زیادہ عزیز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنا جوتا خود سیتے تھے۔ اپنے کپڑوں میں پیوند لگاتے تھے اور خچر پر سوار ہو کر دوسرے کو اپنے پیچھے بٹھا لیتے تھے۔

ایک شخص نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ آپ اپنے کرتے میں پیوند کیوں لگاتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ کپڑے میں پیوند لگا کر پہننے سے انکساری کا جذبہ پیدا ہوتا اور دل نرم ہوتا ہے اور اس سے لوگوں کے سامنے پیروی کرنے کے لئے اچھی مثال قائم ہوتی ہے۔ (کنز العمال)

حسنِ معاملہ

حضرت علیؓ اپنے اثر و اقتدار کا رعب ڈالنے سے ہمیشہ گریز کرتے تھے۔

خصوصاً روزمرہ کی زندگی اور نجی معاملات میں اپنے آپ کو دوسروں کے برابر سمجھتے تھے اور اس امر کی کوشش کرتے تھے کہ ان کی شخصیت سے کسی کو نقصان نہ پہنچ جائے۔ ان کی سیرت کا یہ پہلو اس وقت خاص طور سے اجاگر ہو جاتا تھا جب وہ خرید و فروخت کے لئے جاتے تھے۔ چنانچہ اسی قسم کا ایک واقعہ جس میں ایک لطیف سبق بھی ہے۔ ان کی شخصیت کے اس پہلو پر بڑی خوبصورتی سے روشنی ڈالتا ہے۔

ایک روز وہ تہبند باندھے، چادر اوڑھے بازار میں تشریف لے گئے اور ایک دوکاندار سے کہا کہ ہمیں تین درہم کی قیمت والا کرتہ دیدو۔ مگر یہ دیکھ کر کہ دوکاندار انہیں پہچان گیا ہے۔ کہیں قیمت میں رعایت نہ کر دے۔ آگے بڑھ گئے۔ دوسری دوکان پر پہنچے۔ اس نے بھی پہچان لیا۔ پھر تیسری دوکان پر گئے۔ یہاں ایک نوعمر لڑکا بیٹھا تھا۔ وہ حضرت علیؓ کو نہ پہچان سکا۔ انہوں نے اس سے کرتہ خریدا اور گھر آ گئے۔ اتنے میں اس نوعمر دوکاندار کا والد جو کسی کام سے گیا ہوا تھا۔ دوکان پر آ گیا۔ جب لڑکے نے اسے کرتہ کی بکری کا واقعہ سنایا تو اس نے اندازہ کر لیا۔ کہ میرے بیٹے نے جس شخص کے ہاتھ کرتہ بیچا ہے وہ تو امیرالمومنین تھے۔ چنانچہ وہ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یہ کرتہ دو درہم کا ہے۔ لڑکے نے غلطی سے تین درہم لے لئے۔ آپ یہ ایک درہم واپس لے لیجئے۔ مگر حضرت علیؓ نے درہم واپس لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ:۔

"میرے اور اس کے درمیان یہ سودا بہ رضا و رغبت ہوا تھا۔ اس لئے واپس لینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا"

بے غرض سلوک

دنیا میں ایسی مثالوں کی کمی نہیں ہے۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کے

کے دلوں میں خلق خدا سے ہمدردی کے کس قدر پاکیزہ جذبات موجزن رہتے تھے۔ لیکن کہا جاسکتا ہے کہ جس شخص کے ساتھ بھلائی یا ہمدردی کا سلوک کیا جاتا ہے۔ اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ اسے اپنا زیر بار احسان اور گرویدہ بنا لیا جائے۔ اور کسی آئندہ موقعہ پر اس سے بھی اسی قسم کے سلوک کی توقع کی جائے۔ مگر حضرت علیؓ کے کردار کا یہ جوہر عنقا کا حکم رکھتا ہے کہ وہ بے غرض اور بے لوث ہمدردی رکھتے تھے اور لوگوں کو یہ سبق دینا چاہتے تھے کہ کسی کے ساتھ کسی غرض کے تحت حسن سلوک، حسن سلوک نہیں کہلاتا۔ اس قسم کا ایک واقعہ خاص طور سے قابلِ ذکر ہے۔

ایک بار حضور سرور کائناتؐ ایک شخص کی نماز جنازہ پڑھانے کیلئے تشریف لے گئے، حسب معمول آپ نے دریافت فرمایا۔ کہ اس پر کسی کا قرض تو نہیں ہے لوگوں نے کہا۔ ہاں یہ دو دینار کا مقروض ہے۔ یہ سن کر آپ پیچھے ہٹ گئے۔ اور صحابہؓ سے فرمایا کہ تم لوگ نماز جنازہ پڑھ لو۔ اس پر حضرت علیؓ آگے بڑھے اور حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ "میں ذمہ لیتا ہوں کہ مرنے والے کا قرض دو دینار ادا کردوں گا"

حضورؐ نے حضرت علیؓ کے اس جذبہ کی بہت تعریف کی، اُن کے حق میں دعائے خیر فرمائی اور پھر مرنے والے کا جنازہ پڑھا۔ (روایت حضرت ابوسعیدؓ خدری)

مہمان نوازی

حضرت علیؓ میں اہلِ عرب کی مخصوص روایات مہمان نوازی بدرجہ اتم موجود تھیں، کبھی ایسا نہ ہوا کہ ان کے یہاں کوئی مہمان آیا ہو اور آپ کی پیشانی پر شکن بھی آئی ہو۔ بلکہ آپ مہمان کے آنے سے بے حد خوش ہوتے تھے۔ اور گھر

میں جو کچھ موجود ہوتا تھا اس کے سامنے رکھ دیتے تھے۔ اگر کسی روز ایک بھی مہمان نہ آتا۔ تو آپ بہت رنجیدہ ہو جاتے تھے۔ چنانچہ :-

"ایک روز لوگوں نے دیکھا کہ حضرت علیؓ رو رہے ہیں۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ آج سات روز ہونے آئے ہیں کہ میرے یہاں ایک بھی مہمان نہیں آیا۔ میں ڈرتا ہوں کہ خدا نے مجھے حقیر نہ سمجھا ہو" (اسنی المطالب)

سخاوت

حضرت علیؓ اپنی شجاعت کی طرح سخاوت میں بھی مشہور تھے۔ کبھی ایسا نہ ہوا کہ کسی سائل نے کوئی سوال کیا ہو، اور حضرت علیؓ نے اسے رد کر دیا ہو۔ تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ ذیل میں نمونہ کے طور پر چند واقعات پیش کئے جاتے ہیں۔

ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ ایک موقعہ پر حضرت علیؓ کے پاس صرف چار درہم کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ مگر اس کے باوجود آپ نے وہ چاروں درہم ضرورت مندوں کو دے دیئے۔

شعبی کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ اتنے بڑے سخی تھے۔ کہ کسی سائل کے جواب میں آپ کی زبان پر "لا" یعنی نہیں کا لفظ نہیں آیا۔ آپ دن بھر یہودیوں کے نخلستان میں پانی دیتے تھے۔ اس مشقت کی وجہ سے آپ کے ہاتھوں میں چھالے پڑ جاتے تھے۔ اور شام کو جو کچھ ملتا تھا اس کا بڑا حصہ حاجتمندوں کو دیدیتے تھے، اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ اپنے پیٹ پر پتھر باندھ کر سو جاتے تھے۔

علامہ کفوی طبقات میں بیان کرتے ہیں کہ کفار سے جنگ ہو رہی تھی۔

مسلمانوں کے لشکر کی تعداد نسبتۃً کم تھی۔ اسی اثنا میں دشمن کی فوج کے ایک شخص نے حضرت علیؓ سے کہا۔ کہ ذرا اپنی تلوار مجھے دکھائیے۔ حضرت علیؓ نے اپنی تلوار اسے دیدی۔ تلوار لے کر وہ ان سے کہنے لگا۔ آپ اپنی تلوار تو مجھے دے چکے ہیں اب مجھ سے کیسے بچ سکتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ:۔

"تو نے ایک سائل کی طرح میری طرف ہاتھ بڑھایا۔ میری مروت نے گوارا نہ کیا کہ مانگنے والے کا ہاتھ خالی واپس کر دوں۔ خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔"

شجاعت

شجاعت حضرت علیؓ کی زندگی کا وہ پہلو ہے جس کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ یہ انہیں پر ختم ہے۔ اس میدان میں کوئی ان کا ہم پلہ نہ تھا۔ انہوں نے زندگی بھر جنگ کی۔ مگر ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کیا جا سکتا کہ کبھی ان کو شکست ہوئی ہو یا گھبراہٹ کے آثار ظاہر ہوئے ہوں۔ جو ان کے مقابلے پر آیا۔ وہ ہزیمت خوردہ ہو کر ہی واپس گیا۔ اکثر تو ایسا ہوا کہ مدمقابل نے ایک وار کیا۔ ابھی دوسرا وار کرنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ حضرت علیؓ کے وار نے اس کا رشتۂ حیات منقطع کر دیا۔ ان کی شجاعت کے دوست تو دوست دشمن بھی معترف تھے۔ اسی کتاب کے کسی صفحہ پر وہ واقعہ بیان کیا جا چکا ہے۔ کہ جب حضرت علیؓ میدان صفین میں جنگ کرتے ہوئے حضرت معاویہؓ کے قریب پہنچے اور انہیں للکارا کہ اے معاویہؓ! خلق خدا کا خون بہانے سے کیا فائدہ۔ آؤ ہم دونوں نپٹ لیں۔ جو غالب آ جائے وہی امیر ہو۔

حضرت معاویہؓ کا اس طریق فیصلہ کو قبول کرنے سے گریز صاف بتا رہا ہے کہ وہ حضرت علیؓ کی شجاعت سے خائف تھے اور جانتے تھے کہ اگر میں نے

حضرت علیؓ سے دوبدو جنگ کی تو مجھے ذبح کر دیا جائے گا۔

حضرت علیؓ کو شجاعت کا اس سے بڑا سرٹیفکیٹ شاید ہی کسی نے دیا ہو۔ جو ان کے ایک دشمن کی طرف سے انہیں ملا۔ یہ حضرت علیؓ کی شجاعت ہی تھی۔ کہ حضور سرور کائناتؐ نے انہیں متعدد موقعوں پر علم عطا فرمایا بعض محاذ جو کسی سے سر نہ ہوتے تھے۔ وہ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر فتح ہو جایا کرتے تھے۔

مصعب بن زبیر کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ دوران جنگ میں بہت چوکنے رہتے تھے۔ جنگ کے داؤ پیچ سے اس قدر واقف تھے کہ ممکن نہ تھا کہ کوئی کاری وار لگانے میں کامیاب ہو سکے۔ آپ زرہ صرف سامنے کے لئے استعمال کرتے تھے۔ پشت کے لئے نہیں۔ لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا آپ کو خوف نہیں معلوم ہوتا کہ کوئی پیچھے سے آکر حملہ کر دے۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ خدا مجھے باقی نہ رکھے۔ اگر میں دشمن کو پچھلی طرف سے حملہ آور ہونے دوں۔

ایک شخص نے حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا کہ حضرت علیؓ نے میدان صفین میں بنفس نفیس جنگ کی تھی (یا صرف فوجوں کو لڑاتے تھے) ابن عباس نے جواب دیا کہ میں نے ان کی طرح کسی کو اپنی جان پر کھیلتے اور اسے ہلاکت میں ڈالتے نہیں دیکھا میں نے دیکھا کہ وہ میدانِ جنگ میں برہنہ سر نکلا کرتے تھے۔ ایک ہاتھ میں عمامہ ہوتا تھا اور دوسرے میں تلوار۔

صاحب حیات الحیوان" کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ کی ضرب ایک ہی وار میں جسم کا پورا حصہ کاٹ ڈالتی تھی اگر سر پر پڑتی تھی تو نیچے تک تسمہ لگا نہ چھوڑتی تھی اگر پہلو پر پڑتی تھی تو دوسرے پہلو تک صفایا کرتی گذر جاتی تھی۔

فنِ حرب

حضرت علیؓ صرف جری اور شجاع ہی نہیں تھے۔ بلکہ فنِ حرب کے ماہر بھی تھے وہ لڑائی کے داؤ پیچ سے پوری طرح واقف تھے۔ بلکہ ان پر حیرت انگیز عبور بھی رکھتے تھے اور جب دشمن کو زیر کرنے کے لئے ان کی ضرورت پیش آتی تھی۔ تو بڑی فن کارانہ چابکدستی کے ساتھ ان سے کام لیتے تھے۔ چنانچہ جنگِ خندق کا مشہور واقعہ ہے کہ جب عرب کا نامور شہ سوار عمرو بن عبد ود حضرت علیؓ کے مقابلے پر آیا اور حضرت علیؓ اس کی تلوار سے زخمی ہو گئے۔ تو فوراً آپ نے داؤ پیچ سے کام لیا۔ اسے حضرت علیؓ کی عسکری فراست سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ آپ نے اس سے کہا کہ ا۔

"اے عمرو تو عرب کا مشہور و معروف جنگ آزما ہے۔ پھر تجھے مددگار بلانے کی کیا ضرورت تھی۔ کیا تو تنہا میرے لئے کافی نہیں ہے" اس سے حضرت علیؓ کا مقصد یہ تھا کہ دشمن کی توجہ دوسری طرف ہو جائے۔ حضرت علیؓ کی تدبیر کامیاب رہی اور عمرو نے فوراً مڑ کر پیچھے کی طرف دیکھا۔ ابھی اس کی گردن کو جنبش ہی ہوئی تھی کہ حضرت علیؓ کی تلوار بجلی کی طرح کوندی اور عمرو وہیں ڈھیر ہو گیا۔

حضرت علیؓ نے جتنی جنگیں لڑیں، ان سب میں فریقِ مخالف کے مقابلے میں ان کی فوج کی تعداد بہت کم ہوتی تھی۔ مگر اس کے باوجود ان سب میں فتح حضرت علیؓ ہی کو حاصل ہوتی تھی۔ یہ امر حضرت علیؓ کی مہارتِ فنِ حرب کا بھی بہت بڑا ثبوت ہے۔ چنانچہ جنگ جمل میں جب حضرت علیؓ اور حضرت عائشہ کی فوجوں کا مقابلہ ہوا تو کامیابی نے حضرت علیؓ کے قدم چومے۔ باوجودیکہ ان کے ساتھ صرف بیس ہزار کی جمعیت تھی اور حضرت عائشہ کے ساتھ تیس ہزار کا لشکرِ جرار تھا۔ (سیرت عائشہ رضؓ سید سلیمان ندوی)

اس کے بعد جنگ صفین میں حضرت معاویہؓ کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی۔ مگر حضرت علیؓ کا لشکر نوّے ہزار پر مشتمل تھا۔ اس کے باوجود حضرت معاویہؓ کی فوجیں ہمت ہار گئیں۔ وہ میدان چھوڑ کر بھاگنے لگیں۔ خود حضرت معاویہؓ کا حوصلہ بھی پست ہوگیا اور ایک موقعہ تو ایسا بھی آیا جب وہ بھی میدان سے فرار ہونا چاہتے تھے۔ کہ عین وقت پر عمرو بن العاص کی ایک تدبیر سے وہ شکست کی بدنامی سے بچ گئے۔ مگر تاریخ جانتی ہے کہ جہاں تک زور بازو سے میدانِ جنگ کی فتح کا تعلق ہے۔ وہ حضرت علیؓ کے حصے میں آئی۔ کیونکہ صلح کی درخواست وہی فریق پیش کرتا ہے جس میں لڑنے کی سکت باقی نہیں رہتی۔ اس جنگ میں حضرت معاویہؓ کے لشکر میں سے پینتالیس ہزار آدمی شہید ہوئے اور حضرت علیؓ کی طرف سے شہید ہونے والوں کی تعداد پچیس ہزار سے زائد نہ تھی (زوال سلطنت روما۔ ایڈورڈ گبن)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ اپنے لشکر کی ترتیب حملہ کرنے کے اصول اور مدافعت کرنے کے طریقوں میں پورا کمال رکھتے تھے۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ کم تعداد کے باوجود فتح بھی انہی کی ہو۔ اور شہید ہونے والوں کی تعداد بھی مقابلۃً تقریباً نصف رہے۔ یہ صرف مفروضہ نہیں ہے۔ بلکہ حضرت علیؓ کے ایک خط سے اس پر بخوبی روشنی پڑتی ہے کہ وہ فنِ حرب میں کتنی دستگاہ رکھتے تھے۔ خط درج ذیل ہے۔ یہ خط شام کی طرف روانہ ہونے والے مقدمۃ الجیش کے سپہ سالاروں کے نام ہے۔

"اللہ کے بندے علی امیرالمومنین کی طرف سے زیادہ بن النضر اور شریح بن ہانی کے نام۔

تم پر سلامتی ہو۔ حمد الٰہی کے بعد کہتا ہوں کہ میں نے مقدمۃ الجیش کا سپہ سالار زیاد بن النضر کو بنایا ہے اور شریح بن ہانی اس کے ایک حصہ کا افسر ہے۔ جب تم دونوں کسی جگہ اکٹھے ہو جاؤ تو پوری فوج کی کمان زیاد بن النضر کے ہاتھ میں رہے گی۔ اور جب الگ الگ کوچ کر رہے ہو تو شریح اپنے حصۂ فوج کا امیر ہوگا۔

تمہیں جاننا چاہئے کہ مقدمۃ الجیش (لشکر) کی آنکھ ہوتا ہے۔ اور ہراول دستے مقدمۃ الجیش کی آنکھوں کا کام کرتے ہیں۔ جب تم اپنا علاقہ پار کر کے آگے بڑھنا تو ہراول دستے پھیلانے، ٹیلے، درخت اور چھپنے کی جگہیں ہموار کرنے سے نہ اکتانا تاکہ دشمن تم پر اچانک ٹوٹ نہ پڑے۔ یا کسی کمین گاہ سے چھاپہ نہ مار دے۔

اور دیکھو! صبح سے شام تک پوری فوج کو لگاتار نہ چلاتے رہنا بلکہ اس طرح کوچ کرنا کہ کچھ فوج پیچھے رہے اور کچھ آگے بڑھتی جائے۔ یہ اس لئے کہ اگر دشمن اچانک ٹوٹ پڑے تو تم آسانی سے صف بند ہو کر مقابلہ کر سکو۔

اور جب تم دشمن کے سامنے اترو یا دشمن تمہارے سامنے اترے تو اپنا پڑاؤ ہمیشہ بلندیوں کی طرف پہاڑی دامنوں میں اور ندی نالوں کے درمیان رکھنا تاکہ یہ موقع تمہارے بچاؤ کا کام دے اور تمہاری لڑائی ایک یا دو ہی طرف سے ہو۔ تمہارے پاسبان دستے پہاڑی چوٹیوں نشیبوں (اور) ندی نالوں کے اطراف میں ضرور پھیلے رہیں تاکہ

دشمن پر نگاہ رہے اور وہ کسی طرف سے تم پر ناگہانی حملہ نہ کر سکے
خبردار پھٹ کر پڑاؤ نہ ڈالنا۔ جب اترو اور جب کوچ کرو ساتھ ساتھ
کوچ کرو اور دیکھو جب رات ہو جائے تو پڑاؤ کو چاروں طرف
سے تیروں اور ڈھالوں سے گھیر دینا۔ تمہارے تیر انداز برابر اپنی
سپروں کے پیچھے موجود رہیں اور نیزے ان سے ملے رہیں۔ جب تک
ٹھہرو اسی طرح ٹھہرو تاکہ غفلت سے نقصان نہ اٹھاؤ اور شب خون
کا شکار نہ ہو جاؤ۔ یاد رکھو جس کا پڑاؤ تیروں اور ڈھالوں سے گھرا
ہوتا ہے وہ فوج گویا قلعے میں محفوظ ہوتی ہے اور دیکھو تم دونوں
بذاتِ خود پڑاؤ کا پہرہ دیا کرنا۔ خبردار صبح تک سونا نہیں۔ الّا یہ کہ
یونہی جھپکیاں لے لو۔ تمہارا یہی وطیرہ رہے یہاں تک کہ دشمنوں
کے سامنے پہنچ جاؤ۔

اور دیکھو تمہاری خبریں اور قاصد روز میرے پاس پہنچیں۔ میں
انشاءاللہ تیزی سے تمہارے پیچھے دھاوا کرتا رہوں گا۔ ہمیشہ سوچ
سمجھ سے کام لینا۔ جلد بازی کا شکار نہ بن جانا۔ دشمن پر اپنی حجت
قائم کر چکنے کے بعد کسی موقع سے فائدہ اٹھا لینے کی تمہیں اجازت ہے
خبردار جب تک میں نہ آجاؤں لڑائی شروع نہ کرنا۔ یہ بات دوسری ہے
کہ تم پر حملہ ہو جائے یا لڑائی شروع کرنے کا حکم میں خود بھیج دوں۔
انشاءاللہ" (نہج البلاغۃ۔ اردو ترجمہ)

یہ خط آج سے تقریباً ساڑھے تیرہ سو سال پہلے کا لکھا ہوا ہے۔ جب جنگ میں

مشین گنوں، برین گنوں، گرنیڈوں، مارٹروں، ہوائی جہازوں اور اسی قسم کے دوسرے جدید آلاتِ حرب سے کام نہیں لیا جاتا تھا۔ جب عسکری تربیت کے ایسے ترقی یافتہ ادارے بھی نہیں تھے۔ جیسے آج کل ہیں۔ مگر اس کے باوجود کون ہے۔ جو حضرت علیؓ کا مندرجہ بالا خطہ دیکھکر حیرت زدہ نہیں رہ جائے گا اور ان کی عسکری صلاحیتوں پر ایمان لائے بغیر نہیں رہ سکیگا۔ آج جبکہ فنونِ جنگ حیرت انگیز طور پر ترقی کر گئے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ایڈوانس پارٹی کے طریق کار، ڈیفنس کے اصول، حملہ آور دستوں کی ایڈوانس دشمن کے علاقے میں پٹرولنگ کے وقت فارمیشن کا طریق اور دشمن کے مقابلے میں پوزیشن لینے کا انداز ان تمام پہلوؤں پر نظر ڈالیئے اور دیکھیئے کہ کیا حضرت علیؓ کے اختیار کردہ طریق آج بھی رائج نہیں ہیں۔ اس کا جواب آپ کو اثبات میں ملے گا۔ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ حضرت علیؓ نہ صرف اپنے زمانے کے اور نہ صرف عرب کے بلکہ دنیا کے چند اولو العزم اور تجربہ کار جرنیلوں میں سے تھے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ باب ختم کرنے سے پہلے جنگ نہروان کا بھی ذکر کر دیا جائے۔

نہروان کی جنگ میں جو حضرت علیؓ اور خارجیوں کے درمیان ہوئی تھی حضرت علیؓ کی عسکری قابلیتوں کے جوہر پوری طرح چمکتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ جب خارجیوں نے دیکھا کہ اب سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں ہے کہ یکبارگی حضرت علیؓ کی فوج پر حملہ کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ نعرہ لگاتے ہوئے حضرت علیؓ کی فوج کی جانب بڑھے۔ حضرت علیؓ نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ تم حملہ نہ کرو۔ تا وقتیکہ وہ تمہاری زد پر نہ آجائیں۔ اور جب خارجی حضرت علیؓ کی فوج کے قریب آگئے۔ تو آپ نے اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر کے یوں پھیلا دیا کہ خارجی چاروں طرف سے اس کے نرغے

میں گھر گئے اور پھر انہیں اس طرح کاٹنا شروع کیا کہ ایک روایت کے مطابق چار ہزار آدمیوں میں سے صرف نو آدمی باقی بچے اور حضرت علیؓ کی طرف سے شہید ہونے والوں کی تعداد باسانی انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے یعنی صرف سات۔

جہاد

اگر حضرت علیؓ کو خانہ جنگی سے فرصت مل جاتی تو وہ جہاد اور توسیع مملکت کی طرف پوری توجہ دیتے مگر اس خانہ جنگی کے باوجود وہ اس پہلو سے غافل نہ ہوئے تاریخ سے کم از کم تین واقعات ایسے ملتے ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ نے کفار سے جہاد کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ حارث بن مرہ العبدی نے حضرت علیؓ کی اجازت سے سندھ پر حملہ کیا۔ اس جہاد میں ابتدا میں تو خاصی کامیابی ہوئی اور حارث کے ساتھیوں نے صرف ایک دن میں ایک ہزار غلام اور لونڈیاں گرفتار کیں۔ مگر آخرکار حارث اپنے بہت سے ساتھیوں کے ہمراہ اس جہاد ہی میں شہید ہو گئے۔ (الکامل۔ ابن اثیر)

اس کے علاوہ حضرت علیؓ نے عمار بن یاسر، سہیل بن حنیف، قیس بن سعد۔ اور عدی بن حاتم کو مختلف قبائل کے لشکر کے ساتھ قزوین اور رے کی طرف جہاد کرنے کی غرض سے بھیجا۔ (روضۃ الصفا)

علم و فضل

علم و فضل

یہ بھی حضرت علیؓ کی زندگی کا ایک عجیب و غریب اور دلچسپ پہلو ہے کہ جہاں
وہ میدانِ جنگ کے مرد تھے۔ وہاں آسمانِ علم و فضل کے بھی مہر درخشاں تھے جس
ایک ذات میں علم اور عمل دونوں کا اجتماع ہو گیا تھا اس کا نام علی بن ابی طالب ہے
مختصر الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے دور کے سب سے زیادہ بہادر اور سب
سے بڑے عالم تھے۔ ان کے علم و فضل اور دینی مرتبہ کا اندازہ کرنے کے لئے یہ امر
کافی ہے کہ حضور سرور کائنات کے وصال کے بعد تینوں خلفا نے ہر معاملے میں ان
سے مشورہ لیا مسئلہ خواہ فقہ کا ہو خواہ سیاست کا۔ جنگ کا ہو یا امن کا۔ حضرت عبداللہ
بن مسعودؓ کا بیان ہے کہ "مدینہ بھر میں حضرت علیؓ سے زیادہ معاملہ فہم کوئی نہیں۔ کبھی

ایسا نہ ہوا کہ ہم لوگوں نے حضرت علیؓ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا ہو اور انہوں نے کافی وشافی جواب نہ دیا ہو۔

حضرت علیؓ کی دینی معلومات اور اصابت رائے کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ ان کے حریف حضرت معاویہؓ کو بھی جب کوئی مشکل مسئلہ پیش آجاتا تھا۔ تو وہ حضرت علیؓ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔ چنانچہ خود حضرت علیؓ کا قول ہے کہ "اللہ تعالےٰ کا شکر ہے کہ دینی معاملات میں میرا دشمن بھی مجھ سے رجوع کرتا ہے۔" (تاریخ الخلفاء)

مورخین اور سیرت نگار حضرات کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ کو علوم قرآن، حدیث، تفسیر، توریت، انجیل، تصوف، فقہ، کلام، حساب، ہیئت، کتابت، تعبیر، نحو اور شعر و ادب میں کامل دستگاہ تھی۔ فن خطابت کے تو وہ اتنے بڑے ماہر تھے کہ شاید صدیوں تک ان جیسا فصیح و بلیغ اور آتش نوا خطیب نہ پیدا ہو سکا۔ مگر مشکل یہ آپڑی کہ حضرت علیؓ کا دور آج سے ساڑھے تیرہ سو سال قبل کا دور تھا۔ جب تالیف و تصنیف اور طباعت و اشاعت کا رواج نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے لوگ یہ اندازہ نہیں کر سکتے کہ حضرت علیؓ نے ان علوم میں کیا کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس عہد کے لوگوں کی ساری توجہ کلام رسولؐ اور کلام خدا کی طرف تھی۔ کلام خدا کی حفاظت کا وعدہ تو خود خدا نے کیا تھا۔ اس لئے اسی نے ایسے سامان کر دیئے کہ قرآن حضورؐ سرور کائنات کی زندگی ہی میں جمع کر لیا گیا۔ قرآن کے بعد حدیث کا نمبر آتا ہے۔ اور اہل علم جانتے ہیں کہ رسول اللہ کے ان قیمتی اور گراں قدر ارشادات کی تدوین کا کام حضورؐ کے وصال کے دو سو سال بعد شروع ہوا۔ جہاں صورت یہ ہو، وہاں

حضرت علیؓ یا اور کسی صحابی کے اقوال یا علمی کارناموں کو کتابی صورت میں جمع کرنے کا سوال ہی کب پیدا ہوتا ہے۔ لے دے کے صرف حضرت علیؓ کے خطبات ہیں۔ جن کی تدوین کر لی گئی۔ مگر چونکہ سینکڑوں سال کے بعد عمل میں آئی اور اس میں بعض سیاسی مصلحتیں بھی کارفرما تھیں۔ اس لئے وہ بھی آمیزش سے نہ بچ سکی۔ چنانچہ ان خطبات میں جہاں جہاں خلفا کا ذکر آیا ہے۔ وہاں وہاں مرتبین نے اپنی طرف سے ٹکڑے جوڑ دیئے ہیں۔ اس طرح ایک نہایت پاکیزہ، علمی اور مثالی چیز بھی مشکوک ہو کر رہ گئی۔ مگر پھر بھی اصل اصل ہے۔ ان خطبات کا زورِ بیان، نادر تراکیب، حسین اور اثرانگیز تشبیہیں، عدیم النظیر استعارے اور تلوار کی سی کاٹ رکھنے والے فقرے صاف صاف بتا دیتے ہیں کہ یہ الفاظ اسی زبان سے نکلے ہیں۔ جو کوثر و تسنیم میں دھلی ہوئی تھی اور جہاں اضافہ کیا گیا ہے۔ وہاں پیدا ہو جانے والا تضاد صاف کہہ دیتا ہے کہ میرا اس علیؓ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جو ابی طالب کا بیٹا اور رسولؐ خدا کا بھائی تھا۔

بہرحال یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم ایک عدیم النظیر اور فقید المثال نائب رسول کے علمی کارناموں سے اس حد تک واقف نہ ہو سکے جتنی ضرورت تھی۔ بلکہ اس کا عشر عشیر بھی واقف نہ ہو سکے۔ کچھ روایات ہیں وہ بھی اجمالی رنگ میں۔ جو مختلف راویوں سے ہم تک پہنچی ہیں۔ انہی روایات میں سے صرف ان کا سہارا لیتے ہوئے جو مستند اور بعید از عقل نہیں ہیں۔ ذیل میں حضرت علیؓ کے علم و فضل پر روشنی ڈالی جاتی ہے

علم قرآن

یہ وہ علم ہے جس میں حضرت علیؓ کو سب سے زیادہ دستگاہ حاصل تھی۔ انہوں

نے قرآن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سبقاً سبقاً پڑھا تھا۔ وہ ہر وقت رسول کریم صلعم کی خدمت میں حاضر رہتے تھے یا زیادہ محتاط الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ اپنے وقت کا بیشتر حصہ حضورؐ کی خدمت میں گذارتے تھے۔ بہت سی آیات ایسی ہیں جو ان کی موجودگی میں حضورؐ پہ نازل ہوئیں۔ خود ان کا بیان ہے کہ قرآن کی کوئی آیت ایسی نہیں جس کے نزول کے موقعہ اور ترتیب سے میں واقف نہ ہوں۔ اکثر ایسا ہوتا کہ حضور سرور کائنات سے کوئی سائل ایک بات پوچھتا حضورؐ پر استغراق کا عالم طاری ہو جاتا اور زبان مبارک پر وحی کے کلمات جاری ہو جاتے۔ اس طرح حضرت علیؓ بیشتر آیات کے پس منظر سے نہ صرف واقف تھے بلکہ ان کے عین شاہد بھی تھے۔ انہوں نے برسوں کاتب وحی کے فرائض انجام دیئے۔ پھر یہ کہ خود انہوں نے بڑا ذہن رسا پایا تھا۔ اعلےٰ درجہ کے صاحب علم وفضل تھے۔ اس لئے اپنی ذہانت فراست سے قرآن کے اسرار ومعارف اور نکات حل کر لیتے تھے۔ ان کا زہد وتقویٰ دین سے محبت اور قرآن سے عشق مثالی حیثیت رکھتا ہے اور یہ وہ خصوصیات ہیں جن کے بغیر انسان فلسفی تو ہو سکتا ہے مگر اس پر قرآن کے اسرار ومعارف نہیں کھل سکتے۔ ان ہی خصوصیات کی وجہ سے حضرت علیؓ علم قرآن کے ہر گوشے سے باخبر تھے۔ مختلف آیات کے معانی اور ان کی تفسیر وتشریح کے متعلق وہ حضورؐ سے بھی براہ راست استفادہ کرتے تھے اور اگر کوئی بات ان کی سمجھ میں نہ آتی تھی یا وہ خاموش ہو جاتے تھے تو حضورؐ خود ان سے دریافت فرماتے تھے کہ کیا تم اس کا مطلب نہیں سمجھے اور پھر دوبارہ سہ بارہ سمجھاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کے بڑے بڑے صحابہ علم قرآن میں حضرت علیؓ سے استفادہ کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

جیسے بلند پایہ صحابی نے اعتراف کیا ہے کہ میں نے ستر سورتیں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھی تھیں اور باقی سارا قرآن علیؓ سے پڑھا تھا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے لے کر عنانِ خلافت سنبھالنے تک کا درمیانی عرصہ حضرت علیؓ نے علوم قرآن وحدیث اور تفسیر کی درس وتدریس میں گذارا۔ مسجد نبویؐ اس دور کی سب سے بڑی درسگاہ تھی۔ جہاں طالبانِ علم حضرت علیؓ کے اردگرد جمع ہوتے تھے اور حضرت علیؓ کے علوم کا دریائے رواں موجیں مارتا تھا چنانچہ تابعین کی بہت بڑی جماعت حضرت علیؓ کی براہ راست شاگرد تھی جس میں نہایت اونچے پائے کے علماء وفضلاء کے نام ملتے ہیں اور جنہوں نے حضرت علیؓ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کر کے علوم قرآن وحدیث اور تفسیر کی تحصیل کی اور پھر اپنے بعد آنے والی نسلوں کی طرف منتقل کیا۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ حضرت علیؓ کے شانوں پر خلافت کا بارِ گراں نہیں آپڑا۔ حضرت علیؓ کی خلافت کا زمانہ بڑے ہنگامے کا زمانہ تھا اس دوران میں سکون اور اطمینان انہیں کم ہی نصیب ہوا لیکن پھر بھی دارالخلافہ کوفہ کی مسجد علم وفضل کی اشاعت کا بہت بڑا مرکز بن گیا۔ تشنگانِ علم دور دور سے آتے اور حضرت علیؓ کے چشمۂ علم سے سیراب ہوتے۔ کبھی فجر کی نماز کے بعد اور کبھی عصر اور مغرب کی نمازوں کے درمیانی عرصہ میں علوم دین کے طلبہ حضرت علیؓ کے سامنے بیٹھ جاتے اور حضرت علیؓ انہیں قرآن وحدیث کے اسرار ومعارف بتاتے سکھاتے اور پڑھاتے۔

علم حدیث

اگر علم حدیث سے مقصود رسول اللہ کی احادیث کو صحیح رنگ میں بیان کرنا ہے۔ تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت علیؓ حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ حضرت علیؓ کو یہ

فخر بھی حاصل تھا کہ وہ خلوت و جلوت میں حضورؐ کے ساتھ رہتے تھے۔ ازواجِ مطہراتؓ کے بعد انہیں کو حضورؐ کی صحبت سے استفادہ کرنے کا سب سے زیادہ موقعہ ملا۔ ان کے سامنے حضورؐ کی کتابِ زندگی کا ہر ورق کھلا رہتا تھا۔ اسی لئے ان کی روایات نہایت صحیح اور مستند ہیں۔

انہیں ایک اور شرف بھی حاصل تھا جس میں کم از کم اُس دور میں ان کا اور کوئی حریف نہ تھا[1]۔ وہ یہ کہ انہوں نے رسولؐ اللہ کے ارشادات کو صفحۂ قرطاس پر محفوظ کر لیا تھا۔ یہ حدیثیں انہوں نے ایک لمبے سے کاغذ پر لکھ کر اپنی تلوار کے نیام میں رکھ لی تھیں۔ اسے آپ صحیفہ کے نام سے یاد فرمایا کرتے تھے۔ (مسند ابن حنبل جلد اول)

لیکن تعجب ہوتا ہے کہ تیس سال تک حضورؐ کی رفاقت میں رہنے کے باوجود حضرت علیؓ کی روایت کردہ احادیث کی تعداد ۵۸۶ سے آگے نہ بڑھ سکی۔ ان میں سے بھی صرف ۲۹ احادیث ایسی ہیں جنہیں صحیحین میں شامل کیا گیا ہے۔ حالانکہ ابن سعد کے بیان کے مطابق حضرت علیؓ سے زیادہ کسی صحابی سے احادیث روایت نہیں ہوئیں چنانچہ ایک بار کچھ لوگوں نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ دوسرے صحابہ کے مقابلے میں رسول اللہ کی احادیث آپ زیادہ روایت کرتے ہیں۔

حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں رسولؐ اللہ سے جو بات دریافت کرتا تھا۔ حضورؐ اس کا جواب دیا کرتے تھے اور جب کوئی بات میں نہ پوچھتا تھا تو حضورؐ خود ابتدا فرمایا کرتے تھے۔ (کنز العمال)

اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہوگا کہ حضرت علیؓ نے سب سے زیادہ حدیثیں بیان فرمائیں، مگر بُرا ہو اس سیاسی رقابت کا جس نے چھوٹوں کو بڑا اور بڑوں کو چھوٹا

[1] کتاب کی ترتیب کے بعد ایک حوالہ مل گیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت انسؓ نے بھی احادیث قلمبند فرمائی تھیں (بخاری، تدریب الراوی)

صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح بنا کر رکھدیا۔ بالکل یہی معاملہ حضرت علیؓ کے ساتھ پیش آیا۔ بیشتر لوگوں نے جن میں اموی اور خصوصاً اموی سلاطین پیش پیش تھے حضرت علیؓ کی روایت کردہ احادیث کو آگے پھیلنے ہی نہ دیا۔ تاریخ میں بعض ایسے نام بھی مذکور ہیں جنھوں نے حضرت علیؓ سے روایت کرنے کی ممانعت کردی تھی۔ اور یہ بات کچھ تعجب انگیز بھی نہیں۔ جہاں منبروں پر سے کم و بیش نصف صدی تک حضرت علیؓ پر سب و شتم اور دشنام طرازی کی گئی ہو۔ وہاں حضرت علیؓ کی روایت کردہ احادیث کی نشر و اشاعت کیونکر ممکن ہو سکتی تھی۔

اس میں شک نہیں کہ اُس دور میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو حضرت علیؓ کے اقوال اور خصوصاً ان کی بیان کردہ احادیث کی صحت پر یقین رکھتے تھے اور انہیں دوسروں کی طرف منتقل کرنے کے آرزومند بھی تھے۔ مگر تلوار کا خوف معمولی خوف نہیں ہوتا۔ یہ خوف تو ایسا ظالم ہوتا ہے کہ اس نے حضرات طلحہؓ و زبیرؓ جیسے حوصلہ مند اور جری لوگوں کو اس شخصیت (حضرت علیؓ) کی بیعت کرنے پر مجبور کر دیا جس کی بیعت کرنا انہیں دل سے پسند نہ تھا۔ اس امتحان میں تو کوئی صاحبِ کردار ہی ثابت قدم رہ سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ اموی دَور میں اگر صاحبانِ کردار کی کثرت ہوتی۔ تو ایک غیر جمہوری اور جابر حکومت اتنا عرصہ قائم ہی کیوں رہتی۔

غرض ان وجوہ کی بنا پر حضرت علیؓ کی روایت کردہ تمام احادیث ہم تک نہ پہنچ سکیں اور جو پہنچیں وہ مشکوک حالت میں۔ شاید اسی کا ردِ عمل تھا کہ بعض محبانِ علیؓ نے اس خلا کو پُر کرنے کے لئے حضرت علیؓ سے منسوب کرکے احادیث کا ایک انبار پیش کر دیا۔ جن کی صحت نہ صرف مشکوک ہے۔ بلکہ انہیں حضرت علیؓ سے منسوب کرنا ان پر

بہتان باندھنے کے مترادف ہے۔

ذیل میں حضرت علیؓ کی روایت کردہ احادیث کا ایک انتخاب پیش کیا جاتا ہے۔ یہ حدیثیں امام بخاریؒ کی مرتب کردہ ہیں۔ ان کے راوی مستند ہیں اور ان کی صحت پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔

احادیث وضع کرنا؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ میرے اوپر جھوٹ مت بولنا (یعنی فرضی باتیں بنا کر میری طرف منسوب نہ کرنا) کیونکہ جو شخص مجھ پر جھوٹ بولے گا۔ ضرور ہے کہ اسے آگ میں داخل کیا جائے۔

تہجد کا حکم

حضرت علیؓ بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ ایک روز رات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم دونوں (حضرت علیؓ و حضرت فاطمہؓ) کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ "تم دونوں نماز (تہجد) کیوں نہیں پڑھتے" میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہماری جانیں تو خدا کے اختیار میں ہیں۔ جب وہ ہمیں اٹھائے گا ہم اُٹھ جائیں گے۔ یہ سن کر رسولؐ اللہ نے مجھے کوئی جواب نہ دیا اور واپس چلے گئے۔ اس کے بعد میں نے سُنا کہ حضورؐ اپنی ران پر ہاتھ مارتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے "وکان الانسان اکثر شئً جدلا" یعنی انسان ہر چیز سے زیادہ جھگڑالو ہے۔

شقی اور سعید

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم ایک جنازے کے ہمراہ "بقیع غرقد"

میں تھے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہمارے پاس بیٹھ گئے۔ ہم لوگوں نے بھی آپ کے گرد حلقہ بنا لیا۔ حضورؐ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ جسے آپؐ زمین پر مارنے لگے اور فرمایا کہ "تم میں سے ہر شخص (یا دیہ فرمایا کہ) ہر جاندار کے لئے اس کا مقام جنت یا دوزخ میں لکھ دیا گیا ہے اور یہ بھی لکھ دیا گیا ہے کہ وہ شقی ہے یا سعید" اس پر ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسولؐ اللہ ہم اس نوشتہ پر اعتماد کر کے عمل کو نہ چھوڑ دیں۔ کیونکہ جو شخص ہم میں اہل سعادت میں سے ہوگا۔ وہ اہل سعادت کے عمل کی طرف رجوع کرے گا اور جو شخص اہل شقاوت میں سے ہوگا۔ وہ اہل شقاوت کی طرف رجوع کرے گا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اہل سعادت کو عملی سعادت کی توفیق دی جاتی ہے اور اہل شقاوت کو عملی شقاوت کی توفیق ملتی ہے۔ پھر آپؐ نے "فاما من اعطیٰ واتقیٰ" والی آیت کی تلاوت فرمائی۔

قربانی کی کھالیں

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا کہ جن جانوروں کی قربانی دی گئی ہے۔ ان کی جھولیں اور کھالیں خیرات کر دوں۔

قصاب کی اجرت۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ میں قربانی کے جانور کے پاس کھڑا رہوں اور (قصاب کو) جانوروں کی بنوائی کی اجرت گوشت وغیرہ کی صورت میں نہ دوں۔

احترام حرم۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس سوائے کتاب اللہ

اور اس صحیفہ کے کچھ نہیں ہے۔ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ اس میں ارشاد ہوا ہے کہ مدینہ و عائر (ایک پہاڑی) سے لے کر فلاں مقام تک حرم ہے۔ جو شخص یہاں نئی بات کرے یا نئی بات کرنے والے کو جگہ دے اس پر اللہ کی فرشتوں کی اور سب آدمیوں کی لعنت ہے اس کی نہ کوئی نفل عبادت قبول ہوگی اور نہ کوئی فرض عبادت۔ نیز فرمایا تمام مسلمانوں کا ذمہ ایک ہے۔ پس جو شخص کسی مسلمان کی آبروریزی کرے اس پر اللہ کی فرشتوں کی اور سب آدمیوں کی لعنت ہے۔ اس کی نہ کوئی نفل عبادت مقبول ہوگی اور نہ کوئی فرض عبادت اور جو شخص کسی قوم سے بغیر اس کے موالی کی اجازت کے موالات کرے اس پر اللہ کی فرشتوں کی اور سب آدمیوں کی لعنت ہے اس کی نہ کوئی نفل عبادت مقبول ہوگی اور نہ کوئی فرض عبادت۔

سعدؓ پر عنایت

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے سوا اور کسی کے لئے یہ فرماتے نہیں سنا کہ "تم پر میرے باپ فدا ہوں" (اس وقت حضرت سعدؓ تیراندازی کر رہے تھے اور نبی کریم صلعم فرما رہے تھے کہ) "تیر چلاؤ، تم پر میرے ماں باپ فدا ہو جائیں"۔

مریمؑ و خدیجہؓ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ "گذشتہ امتوں کی عورتوں میں سب سے بہتر مریمؑ بنت عمران تھیں اور اس امت کی عورتوں میں سب سے بہتر خدیجہؓ ہیں"۔

خلاف شرع حکم دینا۔

ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ تم لوگوں کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سناتے وقت حضورؐ پر جھوٹ بولنے سے مجھے یہ بات کہیں زیادہ پسند ہے کہ میں آسمان سے گر پڑوں (اس کے بعد چند الفاظ اور ہیں۔ جن کا مفہوم اس کتاب کا مصنف نہیں سمجھ سکا) میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ "آخر زمانے میں کچھ (ناسمجھ لڑکوں کی صفات رکھنے والے) بیوقوف لوگ پیدا ہوں گے۔ جو تمام مخلوقات سے بدتر باتیں کریں گے اور اسلام سے اس طرح نکل جائینگے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ ایمان ان کے حلقوم سے نیچے نہیں اترے گا پس جب تم ان سے ملنا تو انہیں قتل کر دینا۔ جو ان لوگوں کو قتل کر دے گا۔ وہ قیامت کے دن ثواب کا مستحق ہو گا"۔

تسبیح کی تلقین

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک بار) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ نے اس تکلیف کی شکایت کی جو چکی پیسنے کے سبب سے انہیں ہوتی تھی (کچھ دن کے بعد) جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ قیدی آئے تو حضرت فاطمہؓ (اپنے لئے ایک خادم لینے کی غرض سے) حضورؐ کے پاس گئیں۔ اس وقت حضورؐ تشریف نہ رکھتے تھے البتہ حضرت عائشہؓ موجود تھیں۔ حضرت فاطمہؓ نے ان سے (اپنی آمد کا مقصد) بیان کیا۔ جب حضور نبی کریم صلعم تشریف لائے۔ تو حضرت عائشہؓ نے حضرت فاطمہؓ کی آمد کا واقعہ سنایا۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلعم ہمارے یہاں تشریف لائے اس وقت ہم دونوں اپنی خوابگاہ میں لیٹ چکے تھے۔ (حضورؐ کو آتا دیکھکر) میں نے

اٹھنا چاہا۔ مگر آپؓ نے فرمایا کہ تم دونوں اپنی جگہ پر (لیٹے) رہو۔ (اس کے بعد) آپؓ ہم دونوں کے درمیان بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ مجھے حضورؐ کے پاؤں کی ٹھنڈک اپنے سینے پر محسوس ہونے لگی (اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ "کیا میں تمہیں ایسی بات کی تعلیم نہ دوں جو اس سے بہتر ہے جس کی تم نے خواہش کی ہے! پس جب تم اپنی خواب گاہ میں جایا کرو تو چونتیس ۳۴ مرتبہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اور تینتیس ۳۳ مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہ اور تینتیس ۳۳ مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ پڑھا کرو۔ یہ تمہارے لئے خادم سے کہیں بہتر ہے۔"

متعہ اور گدھے کا گوشت کھانا

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جنگ خیبر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ متعہ کے ذریعہ سے نکاح کرنا اور گھریلو گدھے کا گوشت کھانا منع ہے۔

امیر کی مشروط اطاعت

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا اور ایک انصاری کو اس کا حاکم بناکر سب کو اس کی اطاعت کا حکم دیا۔ ایک بار اسے (امیر کو) غصہ آگیا (اور وہ) کہنے لگا کہ کیا تمہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میری اطاعت کرنے کا حکم نہیں دیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں (حکم دیا ہے) انصاری (امیر) نے کہا تم لوگ میرے لئے لکڑیاں جمع کرو۔ چنانچہ انہوں نے جمع کردیں۔ پھر کہا کہ آگ سلگاؤ۔ انہوں نے آگ بھی سلگا دی۔ پھر امیر نے کہا کہ اب اس میں کود پڑو۔ انہوں نے کودنے کا ارادہ کیا مگر (ان میں سے) بعض ایک دوسرے کو روکنے لگے اور کہنے لگے ہم آگ (دوزخ) سے تو بھاگ کر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تو آئے ہیں (اب اسی میں جل مریں) اس طرح سب ہی جھگڑتے رہے کہ اس اثنا میں آگ بجھ گئی۔ اور اس کا غصہ (بھی) جاتا رہا۔ جب حضورؐ کو یہ خبر پہنچی۔ تو آپ نے فرمایا:" اگر وہ اس آگ میں کود پڑتے تو قیامت تک اس میں سے نہ نکلتے (کیونکہ) اطاعت کرنا اچھے کاموں میں لازمی ہے" (گناہ کے کاموں میں اطاعت نہیں کرنی چاہئے)

کھڑے ہو کر پانی پینا

(ایک روز) حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ کی مسجد میں تشریف لائے اور کھڑے ہی کھڑے پانی پیا۔ پھر فرمایا ہر شخص اس طرح کھڑے ہو کر پانی پینے کو مکروہ سمجھتا ہے۔ حالانکہ میں نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح پانی پیتے دیکھا ہے جس طرح تم اب مجھے دیکھ رہے ہو۔

شرابی کے لئے حد

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے تھے۔ کہ جس شخص پر میں حد قائم کروں اور وہ (دوران سزا میں) مر جائے تو مجھے اس کا کچھ رنج نہ ہوگا۔ سوائے شرابی کے کہ اگر وہ مر جائے تو میں اس کا خون بہا دوں گا۔ کیونکہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے کوئی مخصوص حد قائم نہیں فرمائی۔ (تجرید بخاری سے ماخوذ)

علم توریت و انجیل

امام فخرالدین رازی "اربعین" میں حضرت علیؓ کا ایک قول نقل کرتے ہیں کہ:۔

حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ اگر میرے لئے مسند بچھا دی جائے۔ تو میں اس پر بیٹھ کر اہل تورات کے لئے تورات سے، اہل انجیل کے لئے انجیل سے، اہل زبور کے لئے

زبور سے، اور اہل قرآن کے لئے قرآن سے فیصلے کر سکتا ہوں۔ یہ صرف حضرت علیؑ کا دعوی ہی نہ تھا۔ انہوں نے اس کا ثبوت بھی دیا۔ چنانچہ اصبغ بن نباتہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ حضرت علیؑ کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ ایک یہودی آیا۔ اور اس نے حضرت علیؑ سے پوچھا کہ ہمارا رب کب سے تھا۔ اصبغ کا بیان ہے کہ ہم لوگ کھڑے ہو گئے تا کہ اسے سزا دیں۔ لیکن حضرت علیؑ نے فرمایا اسے نہ مارو اور پھر یہودی کی طرف مخاطب ہو کر بولے۔

"اے یہودی بھائی! میں تجھ سے جو کچھ کہوں اسے غور سے سن اور دل نشین کر لے میں تجھ سے تیری اس کتاب کے مطابق گفتگو کروں گا جو موسیٰ بن عمران علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی جب تو اپنی کتاب دیکھے گا۔ تو وہی نظر آئے گا جو میں تجھے بتاؤں گا۔"

اس کے بعد آپ نے اس کے سامنے توریت کی وہ تعلیم بیان کی جس سے خدا کا وجود ثابت ہوتا ہے۔ حضرت علیؑ کی تقریر سنکر یہودی رو پڑا اور کہنے لگا۔ اے امیرالمومنین میں شہادت دیتا ہوں کہ توریت میں بالکل اسی طرح لکھا ہے اور شہادت دیتا ہوں کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ (کنزالعمال)

اسی طرح ایک نصرانی کا واقعہ ہے۔ اس سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ نصرانیت پر عبور رکھتے تھے۔ وہاں اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ دوسرے ممالک کے سنین اور عام علومات سے بھی باخبر تھے۔ واقعہ یہ ہے۔

ایک عیسائی حضور سرور کائناتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ کی کتاب قرآن میں تین سو نو برس کا ذکر ہے۔ مگر ہم نے اپنی کتاب انجیل میں صرف

تین سو برس پڑھے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کتابوں میں تضاد ہے۔
ابھی حضورؐ جواب نہ دینے پائے تھے۔ کہ حضرت علیؓ بول اُٹھے :۔
"کچھ تضاد نہیں ہے۔ تمہاری کتاب میں پورے تین سو برس اس لئے
درج ہیں کہ وہ یونانیوں کے حساب کے مطابق ہیں۔ یونانیوں کے
تین سو نو سال عربوں کے تین سو سال کے برابر بنتے ہیں۔" (طبقات علامہ کفوی)
عیسائی اس وسعتِ معلومات پر انگشت بدنداں رہ گیا۔

علم نحو

اہل عرب میں یہ فخر و امتیاز بھی حضرت علیؓ کو حاصل ہے کہ سب سے پہلے آپ
ہی نے زبان کے اصول و قواعد وضع کئے۔ اس سے پہلے زبان کے اصول وضع
نہیں ہوئے تھے۔ اور تحریر و تقریر میں ہر شخص اپنے مذاق اور وجدان سے کام
لیتا تھا۔ اس میں تغیر و تبدل بھی ہوتا رہتا تھا۔ غیر عرب اور خصوصاً اہل ایران کے
ہاتھوں عربی زبان کو بہت نقصان پہنچ رہا تھا۔ حضرت علیؓ جو خود فصاحت و بلاغت
اور زبان دانی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ اس صورت حالات سے بہت متفکر تھے
چنانچہ آپ نے غور و فکر کے بعد زبان عربی کے اصول بنائے چنانچہ ابوالقاسم زجاجی کا
بیان ہے کہ ابوالاسود دؤلی نے کہا کہ :۔

ایک روز میں حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے آپ کو متفکر دیکھکر اس کی
وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ میں نے سُنا ہے کہ تمہارے اہل ملک عربی لغات میں تغیر و
تبدل کرتے ہیں۔ میں سوچ رہا ہوں۔ کہ عربی زبان کے کچھ اصول بنا دوں۔ تاکہ زبان فصاحت
سے گرنے نہ پائے۔

ابوالاسود نے کہا کہ اگر آپ نے ایسا کر دیا تو ہم پر بہت بڑا احسان کر جائیں گے۔ اس طرح زبان عربی کو نئی زندگی مل جائے گی۔ تین روز کے بعد جب ابوالاسود حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ نے میرے سامنے کاغذ کا ایک پرزہ رکھ دیا۔ اس میں بسم اللہ کے بعد یہ عبارت لکھی تھی۔

"کلام کی تین قسمیں ہیں۔ اسم، فعل، حرف۔ اسم وہ ہے جس سے مسمیٰ کی شناخت ہو۔ فعل اسے کہتے ہیں جس میں نہ اسم کی خصوصیت موجود ہو نہ فعل کی۔"

اس کے بعد حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اے ابوالاسود تو جانتا ہے کہ اشیاء کی تین قسمیں ہوتی ہیں۔ ظاہر، پوشیدہ۔ وہ جو ظاہر ہوں نہ پوشیدہ۔

اس کے بعد ابوالاسود حضرت علیؓ سے رخصت ہو کر چلے آئے اور زبان کے قواعد واصول سے متعلق اپنے طور پر غور و فکر کر کے کچھ باتیں لکھیں۔ ان میں حروف ناصبہ بھی تھے۔ ابوالاسود کا بیان ہے کہ میں نے حروف ناصبہ کی اتنی قسمیں لکھیں إِنَّ ۔ أَنَّ ۔ لَيْتَ ۔ لَعَلَّ ۔ كَأَنَّ ۔ حضرت علیؓ نے انہیں دیکھکر فرمایا کہ تم نے ان میں لٰكِنَّ کا اضافہ کیوں نہیں کیا۔ میں نے کہا کہ میری رائے میں یہ حروف ناصبہ میں شامل نہیں ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا "شامل ہے"۔ اس کے بعد ابوالاسود نے لٰكِنَّ بھی شامل کر دیا۔ (تاریخ الخلفا)

فقہ واجتہاد

یہ وہ علوم ہیں جن میں مہارت حاصل کرنے کے لئے رسمی علم سے زیادہ نکتہ رسی فراست اور سرعتِ فہم کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ان کے بغیر فقہی مسائل میں اجتہاد

نتائج کے اعتبار سے تسلی بخش نہیں ہو سکتا۔ حضرت علیؓ کے متعلق بلا کسی پس و پیش کے کہا جا سکتا ہے کہ وہ مندرجہ صفات سے پوری طرح متصف..... تھے۔ نہ صرف متصف تھے۔ بلکہ اپنے عہد میں ممتاز تھے۔ اور آج جب ہم فقہا کے سلسلوں پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام بڑے بڑے فقیہہ حضرت علیؓ کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہؒ۔ حضرت امام احمدؒ۔ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ چاروں فقہا کا سلسلہ حضرت علیؓ تک پہنچتا ہے۔ اول الذکر یعنی حضرت ابوحنیفہ نے کم از کم دو سال تک حضرت امام جعفر صادق سے علم حاصل کیا۔ (ملاحظہ ہو علامہ ذہبی کی کتاب "طبقات") اور امام جعفر کا حضرت علیؓ سے کیا تعلق قائم ہوتا ہے۔ یہ کسی سے پوشیدہ نہ ہوگا۔ اس اعتبار سے حضرت امام ابوحنیفہ کا سلسلہ حضرت علیؓ سے جا ملتا ہے۔ دوسرے بڑے فقیہہ حضرت امام شافعیؒ تھے جن کا سلسلہ حضرت امام مالکؒ پر ختم ہوتا ہے حضرت امام مالک ربیعۃ الرائی کے تلامذہ میں سے تھے۔ ربیعۃ الرائی عکرمہ کے شاگرد تھے..... اور وہ حضرت عبداللہ بن عباس کے اور حضرت ابن عباس حضرت علیؓ کے شاگردان خاص میں سے تھے۔ حضرت امام احمدؒ حضرت امام شافعیؒ کے شاگرد تھے۔ اس طرح ان کا سلسلہ بھی حضرت علیؓ تک پہنچتا ہے۔

ان سلسلوں سے ہٹ کر اگر ہم حضرت علیؓ کے فقہی کمال پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ فقہ و اجتہاد میں انہیں غیر معمولی دسترس حاصل تھی۔ دسترس بھی اتنی کہ بعض صحابۂ کبار جیسے حضرت عائشہؓ اور حضرت عمرؓ بھی ان کے کمال کے معترف تھے اور بعض موقعوں پر وہ بھی حضرت علیؓ کی طرف رجوع کرتے تھے۔

چنانچہ ایک دفعہ کسی نے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ ایک بار پاؤں

دھو کر موزہ پہننے کے بعد ان پر کتنے دن تک مسح کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ "اس معاملے میں علیؓ سے رجوع کرو..." سائل حضرت علیؓ کے پاس پہنچا۔ اور ان سے استفسار کیا۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ مسافر تین دن تین رات تک اور مقیم ایک دن ایک رات تک۔" (مسند ابن حنبل جلد اول)

اسی طرح ایک دفعہ حضرت عمرؓ کے سامنے ایک مجنون عورت کا مقدمہ پیش ہوا جس نے زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس جرم میں اسے سزا دینے کا ارادہ فرمایا۔ مگر حضرت علیؓ نے اس سے اختلاف کیا اور فرمایا کہ یہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ عورت دیوانی ہے اور دیوانہ آدمی سزا سے مستثنیٰ ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی رائے بلا پس و پیش تسلیم فرمالی۔ (مسند ابن حنبل)

مقدمات کے فیصلے

علوم قرآن و حدیث کے بعد حضرت علیؓ کا پایہ قضا میں بہت اونچا تھا۔ وہ حضورؐ کے زمانے میں عرصے تک منصب قضا پر فائز رہے۔ خود حضورؐ نے متعدد بار ان کے طریق فیصلہ کی بے حد تعریف کی۔ وہ بعض اوقات انتہائی پیچیدہ معاملات کا فیصلہ اس خوش اسلوبی سے کر دیتے تھے کہ لوگ دنگ رہ جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ:-

"اقضانا علی واقرانا ابی"۔ (طبقات ابن سعد جلد دوم)

یعنی علیؓ مقدمات کا فیصلہ کرنے میں اور ابی قرأت میں موزوں تر ہیں۔

ان کی اصابت رائے کا یہ عالم تھا کہ ایک بار انہوں نے کسی معاملے میں اپنی رائے دی۔ جب وہ معاملہ حضور سرور کائنات کی خدمت میں پیش ہوا۔ اور حضرت علیؓ کی رائے بیان کی گئی تو حضورؐ نے فرمایا کہ میری رائے میں بھی وہی فیصلہ درست ہے جو

علیؑ نے کیا ہے۔

مندرجہ ذیل فیصلے حضرت علیؓ کے علم قضا، اصابت رائے اور ان کی ذہانت و فراست کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ہیں۔ ان سے اندازہ ہوگا کہ حضرت علیؓ اپنے دور کے سب سے بڑے جسٹس تھے۔

ایک بار کوفے سے سات آدمی سفر پر روانہ ہوئے۔ عرصے کے بعد جب وہ واپس آئے تو ان میں ایک شخص نہیں تھا۔ اس مفقود الخبر شخص کی بیوی حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ امیرالمومنین! مجھے ان لوگوں پر شک ہے کہ انہوں نے میرے شوہر کو قتل کر دیا ہے۔ میں آپ سے التجا کرتی ہوں کہ انصاف فرمایا جائے۔ حضرت علیؓ نے ان لوگوں کو بلا کر مسجد میں الگ الگ بٹھا دیا اور پہرے دار مقرر کر دیئے تاکہ ان سے کوئی شخص بات نہ کرنے پائے۔ اس کے بعد آپ نے ان میں سے ایک ایک شخص کو اپنے پاس بلایا اور اس سے پوچھ گچھ کی۔ ایک شخص پر حضرت علیؓ کو شک گذرا چنانچہ آپ نے ذرا بلند آواز سے اُسے اس طرح مخاطب کیا کہ اس کے ساتھیوں نے سمجھا کہ اس نے اعتراف جرم کر لیا ہے۔ مجبوراً انہوں نے سارا واقعہ سچ سچ کہہ دیا اور قاتل گرفتار ہو کر اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا۔ (مطالب السئول)

اس طرح حضرت علیؓ نے اپنی ذہانت و فراست سے ایک پیچیدہ قتل کا سراغ لگا لیا۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت کا واقعہ ہے کہ دو عورتوں نے ایک بچے کے متعلق دعوے کیا۔ دونوں میں سے ہر ایک کہتی تھی کہ یہ بچّہ اس کے بطن سے ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ مقدمہ حضرت علیؓ کی خدمت میں بھجوا دیا۔ آپ نے ان کے بیانات سن کر فرمایا کہ

بڑھئی کو بلایا جائے۔ تاکہ وہ اس بچے کے دو ٹکڑے کرکے ایک ایک ٹکڑا ان کو دیدے اس پر جو عورت بچہ کی حقیقی ماں تھی بیتاب ہوکر چلا اٹھی۔ کہ مجھے بچہ نہیں چاہیئے یہ اس کو (دوسری عورت کی طرف اشارہ کرکے) دے دیا جائے۔ لیکن ماں ہونے کی جھوٹی دعوے دار عورت اس فیصلہ پر رضامند ہوگئی۔ حضرت علیؓ نے بچہ کو اٹھاکر اس عورت کی گود میں دیدیا جس نے اپنا جگر گوشہ دوسری عورت کو دے دینا منظور کر لیا تھا۔ مگر اس کے ٹکڑے کروانا منظور نہ کیا تھا۔ اس طرح حق، حق دار کو مل گیا۔

(مناقب الاصحاب)

ایک روز کا ذکر ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ساتھ تشریف رکھتے تھے۔ کہ دو آدمی ایک تنازع لے کر آئے اور ان میں سے ایک شخص نے حضورؐ سے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ اس شخص کی گائے نے میرے گدھے کو مار ڈالا۔ صحابہ میں سے بعض نے کہا۔ جانوروں کے افعال کا ذمہ دار کوئی نہیں ہوسکتا۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علیؓ تم اس مقدمے کا فیصلہ کرو۔ حضرت علیؓ نے ان دونوں سے پوچھا کہ تمہارے جانور بندھے ہوئے تھے یا کھلے پھر رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ گدھا بندھا ہوا تھا اور گائے کھلی ہوئی تھی۔ گدھے والے نے بتایا کہ گائے کا مالک بھی گائے کے ساتھ تھا۔ حضرت علیؓ نے فیصلہ کیا کہ گائے کا مالک گدھے والے کے نقصان کی تلافی کرے۔

خطابت

حضرت علیؓ کی جن خصوصیات نے دوست تو دوست دشمن سے بھی لوہا منوالیا اور جن میں ان کا نظیر صدیوں تک پیدا نہ ہوسکا۔ ان میں سے شجاعت کے بعد خطابت

سب سے زیادہ قابل ذکر ہے۔ یہ حضرت علیؓ کی زندگی کا وہ پہلو ہے جس نے عربی ادب کو تمام دنیا کے ادب میں ممتاز ترین مقام عطا کیا۔ اس میں شک نہیں کہ عربی نظم حضرت علیؓ سے پہلے بھی موجود تھی اور فصاحت و بلاغت اور زور بیان میں اپنا جواب نہیں رکھتی تھی۔ مگر عربی نثر کا دامن حضرت علیؓ سے پہلے بھرپور نہیں تھا۔ یہ درست ہے کہ قرآن کریم نے عربی نثر کا وہ شاہکار پیش کیا۔ جس کی ایک آیت کا بھی ثانی آج تک پیش نہ کیا جا سکا۔ مگر قرآن الہامی اور آسمانی کتاب ہے۔ اس لئے اسے زیر بحث نہیں لایا جا سکتا۔ یہ بھی درست ہے کہ رسول اللہ کی احادیث، حضرت عائشہؓ کے اقوال، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے مکتوبات و فرامین کا پایہ بھی عربی ادب میں نہایت بلند ہے۔ لیکن جہاں تک فنِ خطابت کا تعلق ہے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ حضرت علیؓ کے خطبات ہی نثر کا وہ لازوال سرمایہ ہیں۔ جن سے عربی نثر میں گراں قدر اضافہ ہوا۔ مگر سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ یہی ابتدا انتہا بھی ثابت ہوئی اور حضرت علیؓ کے بعد فنی اعتبار سے، زورِ بیان اور قوتِ اظہار کے اعتبار سے، اسلوبِ ادا اور شوکت الفاظ کے لحاظ سے عربی نثر اس مقام سے آگے نہ بڑھ سکی۔ جو حضرت علیؓ نے اسے عطا کیا۔ یہ حضرت علیؓ کے کلام کا اعجاز نہیں تو اور کیا ہے۔

ہمہ گیری

حضرت علیؓ کے خطبات کا جائزہ لیتے وقت ایک قاری کے ذہن پر جو سب سے پہلا تاثر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے خطبات میں بڑی ہمہ گیری ہے۔ دین اور دنیا کا کوئی موضوع ایسا نہیں ہے۔ جو ان کے خطبات میں نہ ہو۔ ان میں اس عہد کے سیاسی اور تمدنی حالات پر بھی تبصرہ ملتا ہے۔ اس عہد کے عوام و خواص کی

فطرت اور طریقِ کار پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ داخلی اور خارجی امور بھی سامنے آتے ہیں۔ رفقائے کار کی روش کا بھی پتہ چلتا ہے۔ مخالفین کے طور طریقوں سے بھی نقاب کشائی ہوتی ہے۔ فوجی مہمات کا حال بھی معلوم ہوتا ہے اور سب سے بڑھکر یہ کہ خود حضرت علیؑ کے نقطۂ نگاہ اور طریقِ کار کی بھی فصاحت ہوتی ہے۔ ان کے مشرب اور مسلک کا بھی علم ہوتا ہے۔ ان خطبات میں فلسفہ بھی ہے، منطق بھی، الٰہیات بھی ہے سیاست بھی، نکتہ طرازی بھی اور دقیقہ سنجی بھی۔ گویا حضرت علیؑ کے خطبات کیا ہیں، اس دور کی تاریخ ہے اور اس کے ساتھ اسلام کا دستور العمل ہے۔ حضرت علیؑ کی خود نوشت سوانح عمری ہے ان کی سیرت و کردار کا مرقع ہے۔ اگر انہیں حسن کے ساتھ ترتیب دیدیا جائے۔ تو حضرت علیؑ کی زندگی کی مستند دستاویز تیار ہو جائے۔ مگر شرط یہ ہے کہ احتیاط کا دامن نہ چھوڑا جائے کہ ان کے خطبات میں مخصوص مصالح کے پیش نظر آمیزش بھی کر دی گئی ہے۔

حسنِ تشبیہہ

حضرت علیؑ کے خطبات کی دوسری خصوصیت تشبیہہ و استعارہ کا بکثرت مگر برمحل استعمال ہے۔ انہوں نے جہاں جہاں تشبیہہ و استعارہ سے کام لیا ہے۔ وہاں کلام میں بے حد زور اور اثر پیدا ہو گیا ہے اور بیشتر تشبیہات ایسی ہیں۔ جو ان سے پہلے شاید ہی کسی نے استعمال کی ہوں۔ اس سے ان کی جدتِ فکر کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کی تشبیہات کو دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ کلامِ علیؑ میں اعلیٰ درجہ کے ادب کی تمام خوبیاں موجود ہیں۔ ذیل کی مثالوں سے حضرت علیؑ کی تشبیہات کے حسن کا اندازہ ہو جائیگا۔

حضرت علیؑ نے اپنے ساتھیوں کو بار بار تحریک کی کہ اہلِ شام کے مقابلے کے لئے

نکلو۔ مگر لڑتے لڑتے ان کے بازو شل ہو چکے تھے۔ اس لئے ہر بار وہ کوئی نہ کوئی بہانہ تلاش کر کے پیش کرتے رہے اور جنگ کے لئے نہ نکلے۔ آخر تنگ آ کر حضرت علیؓ نے ایک پُرزور اور فصیح و بلیغ خطبہ دیا جس کے اقتباسات درج ذیل ہیں۔

"ہر صبح کو میں چوب شمشاد کی طرح تمہیں سیدھا کرتا ہوں، اور شام کو جب میری طرف واپس آتے ہو تو یوں جیسے کمانِ کج کی پشت، جس کا قابو میں آنا دشوار ہو اور جس کا سیدھا کرنے والا ناتوان و عاجز آ چکا ہو۔"

"پس بخدا میں گمان کرتا ہوں کہ اگر کبھی آتشِ جنگ تیزی سے بھڑکی اور تلواریں تیزی سے چلیں تو تم ابن ابی طالب سے اس طرح پراگندہ اور جُدا ہو جاؤ گے جس طرح عورت ہنگامِ زائیدن اپنے بچے، شکم سے دور ہو جاتی ہے۔" (نہج البلاغہ)

ان دونوں اقتباسات پر ایک تنقیدی نظر ڈالئے اور دیکھئے کہ ان میں جو تشبیہیں استعمال کی گئی ہیں، ان میں کس قدر حسن ہے اور حقیقت سے کس قدر قریب ہیں۔ پہلے اقتباس میں جو لفظی و معنوی حسن ہے اس سے تو انکار کیا ہی نہیں جا سکتا لیکن دوسرے اقتباس کی حقیقت نگاری بھی پہلے اقتباس سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ وہ بچہ جو نو ماہ تک شکمِ مادر میں ماں کے جسم کا ایک حصہ بن کر رہتا ہے۔ پیدائش کے بعد اس سے اس طرح جدا ہوتا ہے کہ پھر کبھی واپس نہیں جاتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے ایک مشاہدہ ہے جو حضرت علیؓ کی نظر سے گذرا۔ اس مشاہدہ کا سہارا لے کر انہوں نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کیا اور انہیں بتایا کہ باوجودیکہ مجھے تم سے اسی قدر محبت ہے، جتنی شفیق والدین کو اپنی اولاد سے ہوتی ہے۔ مگر مجھے توقع ہے کہ جب دشمن حملہ کرے گا تو تم مجھ سے اس طرح

جدا ہو جاؤ گے جس طرح پیدائش کے بعد بچہ ماں سے جدا ہو جاتا ہے، اور پھر کبھی واپس نہیں آؤ گے جس طرح بچہ مادرِ شکم میں واپس نہیں جاتا۔ اس مشاہدہ سے انہوں نے کتنا فائدہ اُٹھایا اور اسے ادب کا ایک حصہ بنا دیا۔ ایک اعلیٰ درجہ کے فن کار کی یہی خصوصیت ہے کہ وہ زندگی کے عام مشاہدوں کو ادب میں حیات جاوید کا درجہ عطا کر دیتا ہے حسن تشبیہہ کے ساتھ اس میں کس قدر بلاغت ہے۔ یہ بات بھی اہل نظر سے پوشیدہ نہیں ہو گی۔

قوتِ مشاہدہ

کلامِ علیؑ پر گہری نظر ڈالنے سے اس امر کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مبالغہ اور دور از کار تشبیہوں سے ہمیشہ دامن بچاتے تھے۔ وہ عرب کے سب سے پہلے "نثر گو" اور نثر نگار ہی نہیں تھے۔ بلکہ سب سے پہلے حقیقت نگار بھی تھے۔ اور یہ حقیقت نگاری نتیجہ تھی ان کے مشاہدہ کی گہرائی اور گیرائی کا۔ وہ کائنات کی ہر چیز اور ہر پہلو کا بڑی گہری نظر سے مشاہدہ کرتے تھے۔ وہ مقامات جہاں سے دوسرے لوگ بے نیازانہ اور بغیر کوئی اثر قبول کئے گذر جاتے ہیں۔ حضرت علیؑ وہاں ٹھہر جاتے تھے اور اس کی تہہ تک پہنچ جاتے تھے۔ صرف یہی نہیں، تہہ تک پہنچنے کے بعد وہ جو دُرِ بے بہا لاتے تھے اسے بڑے حسن اور سلیقہ کے ساتھ بڑی رعنائی اور بڑے کمالِ فن کے ساتھ ادب کے دامن میں سجا کر پیش کر دیتے تھے۔ ان کے کلام میں قدم قدم پر اس کی مثالیں ملتی ہیں مثلاً

"خدا کی قسم ابو طالب کا بیٹا موت سے اتنا ہی مانوس ہے۔ جتنا طفلِ شیر خوار پستانِ مادر سے اُنس رکھتا ہے۔"

"نہیں یہ بات نہیں۔ میرے سکوت اور خاموشی کا راز وہ اسرار ہیں کہ جو کچھ

جانتا ہوں اگر اسے افشا کر دوں، تو تم یوں لرزنے اور کانپنے لگو جس طرح گہرے کنوئیں میں (ڈول کی) رسیاں لرزتی اور کانپتی ہیں۔" (نہج البلاغہ)

یہ امر بھی نظر انداز نہ کرنا چاہیئے کہ حضرت علیؓ کی تشبیہات اور حسن کلام کی یہ کیفیات یہ حسن اور لطافت اردو زبان میں منتقل ہونے کے بعد جب اس قدر پر کشش ہے۔ تو عربی زبان میں ان خصوصیات کا کیا عالم ہوگا۔ اس کا اندازہ کچھ وہی لگا سکتے ہیں۔ جو عربی میں تھوڑی سی بھی شُد بُد رکھتے ہیں۔

ایک اور مثال:۔

"یہ گمراہی تمہیں چمڑے کی طرح چھیل ڈالے گی اور اس طرح پامال کر دیگی جس طرح کھیت کا کٹا ہوا اناج روندا جاتا ہے اور تم میں کا مومن خدا پرست اس طرح (ظلم و ستم کے لئے) چھانٹ لیا جائے گا جس طرح پرندہ دانہ لاغر سے دانۂ فربہ کو چھانٹ لیتا ہے۔" (نہج البلاغہ)

مور کی تعریف

ذیل میں حضرت علیؓ کے خطبہ کا ایک لازوال ادب پارہ درج کیا جاتا ہے۔ جو تشبیہات، مشاہدہ اور قوت بیان کی عجیب و غریب خصوصیات سے لبریز ہے۔ اسے ادب عربی کا شاہکار کہنا بے جا نہ ہوگا۔

"اور ان پرندوں میں سب سے زیادہ عجیب چیز طاؤس ہے۔ جسے پروردگار نے نہایت ہی مضبوط اور مناسب اعضا کے ساتھ خلق فرمایا ہے، اور اس کے رنگوں کو بڑے حسن کے ساتھ ایک دوسرے سے ترتیب دیا ہے لمبے لمبے پر دیئے ہیں جن کی جڑیں ایک دوسرے میں داخل ہیں۔ ایسی دُم

مرتین کیاہے جو لمبی ہے اور جب وہ مورنی کے پاس جاتا ہے۔ تو اس کی
پشتی ہوئی تہیں کھل جاتی ہیں اور پھر اسے اس طرح اونچا کرتا ہے کہ وہ
اس کے سر پر سایہ فگن ہو جاتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے یہ کشتی کا
بادبان ہے اور کوئی ملاح اسے حرکت دے رہا ہے۔ وہ اپنے گوناگوں رنگوں
پر اتراتا ہے۔ وہ خوش خرامی کا منظر دکھاتا ہے۔ میں انہیں مشاہدہ
اور نظارہ کی طرف متوجہ کرتا ہوں، اس آدمی کی مانند نہیں جو کسی سند
ضعیف کا حوالہ دے رہا ہو جس کا یہ خیال ہو کہ مور مادہ کو اپنے قطرۂ اشک
سے حاملہ کرتا ہے۔ جو اس کے گوشۂ چشم سے جاری ہوتا ہے اور پلکوں کے
کنارے آکر ٹھہر جاتا ہے۔ پھر مادہ اسے کھا لیتی ہے اور انڈا دیتی ہے۔ تو یہ
گمان اس سے عجیب تر نہیں جو کوے کے بارے میں (عام طور پر) مشہور ہے
کہ وہ اپنی مادہ کی چونچ سے چونچ ملا کر اپنے سنگدانہ کا پانی اس کے منہ میں
ٹپکا دیتا ہے اور وہ انڈا دینے لگتی ہے)

تم مور کے پروں کی جڑوں کو چاندی کی سلائیاں گمان کرو گے اور ان
پر جو عجیب و غریب ہالے اور آفتاب نما اگائے گئے ہیں۔ انہیں خالص
سونا اور زبرجد کے ٹکڑے تصور کرو گے اور اگر تم ان چیزوں سے تشبیہہ
دینا چاہو جیسی زمین کی روئیدگی ہوتی ہے۔ تو یوں کہو گے کہ یہ ایک دستہ
گل ہے کہ شگوفۂ پر بہار اس میں موجود ہے اور اگر اس کا لباس سے مقابلہ
کرو تو وہ ایسا نظر آئے گا جس پر نقش و نگار بنے ہوئے ہیں، یا ایسا
جامۂ خوش رنگ ہے جیسے یمن کا بنا ہوا اور اگر اسے زیور سے تشبیہہ دو

تو یوں کہوگے کہ وہ ایک نگینۂ رنگ برنگ ہے۔ جس کے بیچ میں جو اہر سے مزین چاندی موجود ہے۔ وہ پُر ناز اور دل شاد شخص کی طرح چلتا ہے اپنے پروں اور دم کو جب دیکھتا ہے تو اپنی زیبائی پر اور رنگ ہائے گوناگوں پر قہقہہ لگاتا ہے اور جب اپنے پائے زشت پر نگاہ ڈالتا ہے تو فریاد کرتا ہے اور روتا ہے۔ جیسے وہ عنقریب کسی فریاد رس کے سامنے اپنے دردِ دل کا اظہار کرے گا اور اپنے (زشتیٔ پا کے سبب) اندوہ کا اظہار کرے گا۔ کیونکہ اس کا پاؤں باریک اور بدنما ہوتا ہے۔ جیسے ملی جلی نسل کے پاؤں (بدصورت ہوتے ہیں) اس کا حال یہ ہے کہ اس کی پنڈلی کی ہڈی سے ایک کانٹا نمایاں ہے۔ جو اس کے پس پا چھپا ہوا ہے اور گردن کے بالوں کی جگہ پر سبز رنگ کی منقش کاکل ہیں۔ اس کی گردن کی برآمدگی کا مقام صراحی کی گردن کی طرح (کشیدہ و بلند) ہے۔ اس کی گردن کے جوڑ سے لیکر پیٹ تک الیسا رنگ ہے جیسے وسمہ، ہانیہ کا رنگ، یا مانند دیبا و حریر جو پہنایا گیا ہے۔ درآنحالیکہ وہ ایک صیقل شدہ آئینہ ہے، اور گویا ایک سیاہ چادر کو اپنے اوپر لپیٹ لیا ہے۔ لیکن اس کی آب و تاب کی زیادتی اور چمک کی جگمگاہٹ سے یہ گمان ہوتا ہے کہ تر و تازہ سبزی اس میں ملی ہوئی ہے اس کے کانوں کے سوراخ سے ملی ہوئی ایک لکیر ہے جو سفید بابونہ کے رنگ میں قلم کی باریک نوک سے مشابہت رکھتی ہے اور یہ لکیر اپنی سفیدی کے ساتھ سیاہی کے مقام کو چمکا دیتی ہے۔ بہت کم رنگوں کو الگ کرتے ہوئے ہر رنگ سے اس نے پورا حصہ لیا ہے۔ بلکہ اپنی آب و تاب کی زیادتی اور جامۂ

خوش رنگ کی رونق ہیں یا اس سے گوئے سبقت لے گیا ہے۔

وہ ان بکھری ہوئی کلیوں کی مانند ہے جنہیں موسم بہار کی بارش اور سورج کی گرمیوں نے پرورش نہیں کیا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنے بال و پر سے برہنہ اور اپنے جامۂ رنگارنگ سے عریاں ہو جاتا ہے اس کے پر جھڑ جاتے ہیں اور پھر دوبارہ اُگتے ہیں۔ یہ ٹہنیوں کے پتوں کی طرح اس کے بازو کی ہڈی سے جھڑتے ہیں اور دوبارہ پھر نمایاں ہو کر ایک دوسرے سے پیوست ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ پروں کے جھڑنے سے پہلے جو شکل تھی۔ وہ پھر واپس آ جاتی ہے۔ اب وہ اپنے سابقہ رنگوں سے ذرا بھی متجاوز نہیں ہوتا۔ جو رنگ جس جگہ تھا وہ وہیں اب بھی ہے اس کے بازو کے بالوں میں سے کسی بال کو غور سے دیکھو تو کبھی وہ سرخ گل رنگ اور کبھی سبز زبرجد رنگ، کبھی زرد طلائی رنگ دکھائی دیں گے۔"

("نہج البلاغہ"۔ ترجمہ رئیس احمد جعفری)

تجربات و مشاہدات

تجربات و مشاہدات

حضرت علیؓ ان لوگوں میں سے تھے جنہیں رسولؐ اللہ کا سب سے زیادہ قرب حاصل رہا۔ جو زبان وحی والہام سے مستفید ہوتے تھے۔ جنہوں نے انتہائی غربت کا زمانہ بھی دیکھا اور اقتدار اعلیٰ کے معزز ترین عہدے تک بھی پہنچے۔ جنہوں نے دوستوں کی دوستی کا بھی لطف اٹھایا اور دشمنوں کی دشمنی کا بھی مزا چکھا۔ جنہوں نے مسند علم پر بیٹھکر اسرار و رموز کے دریا بھی بہائے اور میدان جنگ میں کھڑے ہو کر شجاعت کے بے مثال جوہر بھی دکھائے اور حقیقت یہ ہے کہ زمانے کے گرم و سرد کی رفتار کا مشاہدہ کرنے کے اتنے مواقع شاید ہی کسی کو ملے ہوں۔ مگر جو بات اس سے زیادہ قابل توجہ ہے وہ یہ کہ انہوں نے اپنے تجربات و مشاہدات سے جو کچھ حاصل کیا۔ اسے بڑی دریا دلی سے دوسروں تک پہنچا دیا۔ نہ صرف دریا دلی سے بلکہ بڑے حسن اور سلیقہ سے۔ حضرت علیؓ کے یہ مختصر مگر

قیمتی کلمات اس قابل ہیں کہ دنیا کا ہر انسان ان سے استفادہ کرے۔ ان سے استفادہ کرنے کے لئے کسی مذہب وملت اور کسی نسل ورنگ کی قید نہیں ہے۔ حضرت علیؓ کے کلمات کی یہ آفاقیت اور ہمہ گیری انکی عظمتِ ذات اور عظمتِ کلام دونوں کی بہت بڑی دلیل ہے۔ ان کے یہ کلمات زندگی کے کسی ایک گوشے تک محدود نہیں ہیں بلکہ انسانی زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کئے ہوئے ہیں اور اگر کوئی شخص صرف انہیں کو اپنی رہنمائی کے لئے منتخب کرلے تو بلاشبہ وہ بہت سے مصائب سے نجات پا سکتا ہے اور ایک کامیاب اور پاکباز انسان کی حیثیت سے زندگی گذار سکتا ہے ذیل میں ان کے کلمات ان کے خطبات سے منتخب کرکے پیش کئے جاتے ہیں۔

اقوال علیؓ

دوسروں کا غلام نہ بن کیونکہ خدا نے تجھے آزاد پیدا کیا ہے۔

وہ بھلائی بھلائی نہیں جو برائی سے آئے۔ وہ دولت دولت نہیں جو ذلت کی راہ سے حاصل کی جائے۔

خاموشی کی وجہ سے جو خرابی پیدا ہوتی ہے اس کا تدارک آسان ہے مگر گفتگو سے جو خرابی پیدا ہوتی ہے، اس کا تدارک مشکل ہے۔ کیا تونے نہیں دیکھا کہ مشک کا منہ باندھکر ہی پانی روکا جاتا ہے۔

اپنا مال خرچ نہ کرنا دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے کہیں اچھا ہے۔

مایوسی کی تلخی سوال کرنے سے بہتر ہے اور آبرو کے ساتھ محنت مزدوری بدکاری کی دولت سے بہتر ہے۔

آدمی اپنا راز خود ہی چھپا سکتا ہے۔ کبھی آدمی اپنے پاؤں پر خود ہی کلہاڑی مار لیتا ہے

جو زیادہ بولتا ہے۔ زیادہ غلطی کرتا ہے۔

نیکوں کی صحبت اختیار کرو' نیک ہو جاؤ گے۔ بدوں کی صحبت سے پرہیز کرو گے بدی سے دور رہو گے۔

حرام کھانا بدترین کھانا ہے۔

کمزور پر ظلم کرنا سب سے بڑا ظلم ہے۔

جب نرمی سختی بن جائے تو سختی نرمی بن جاتی ہے۔

کبھی دوا بیماری ہو جاتی ہے اور بیماری دوا۔

کبھی بدخواہ خیر خواہی کو جاتا ہے اور خیر خواہ بدخواہی کو۔

موہوم امیدوں پر تکیہ نہ کرو کیونکہ یہ مُردوں کا سرمایہ ہیں۔

تجربے یاد رکھنے کا نام عقل ہے۔ بہترین تجربہ وہ ہے جو نصیحت آموز ہو۔

موقع سے فائدہ اٹھاؤ' اس سے پہلے کہ وہ تمہارے خلاف ہو جائے۔

مال کا ضائع کرنا اور عاقبت کا بگاڑنا فسادِ عظیم ہے۔

تاجر ایک لحاظ سے قمار باز ہوتا ہے۔

قلّت میں کثرت سے زیادہ برکت ہوتی ہے۔

توہین کرنے والے مددگار اور سوءظن رکھنے والے دوست میں ذرا بھلائی نہیں۔

جب تک زمانہ ساتھ دے۔ زمانے کا ساتھ دو۔

حرص تجھے اندھا نہ کر دے اور عداوت تجھے بے عقل نہ بنانے پائے۔

دوست دوستی توڑے تو تم اسے جوڑ دو' جو دوری اختیار کرے تو تم نزدیک ہو جاؤ' وہ سختی کرے تو تم نرمی کرو۔ وہ غلطی کرے تو تم اس کے لئے عذر تلاش کرو۔ دوست

کے ساتھ ایسا برتاؤ کرو گویا تم غلام ہو اور وہ آقا لیکن خبردار یہ برتاؤ بے محل نہ ہو۔ نا اہل کے ساتھ نہ ہو۔

دوست کے دشمن کو دوست نہ بناؤ۔ ورنہ دوست بھی دشمن ہو جائیگا۔

دوست کو بے لاگ نصیحت کرو۔ اچھی لگے یا بُری لگے۔

غصہ پی جایا کرو۔ میں نے غصے کے جام سے زیادہ میٹھا کوئی جام نہیں دیکھا۔

جو تم سے سختی کرے، تم اس سے نرمی کرو۔ خودبخود نرم پڑ جائے گا۔

دوستی کا ٹنا ضروری ہی ہو تو بھی کچھ نہ کچھ لگاؤ باقی رکھو تاکہ جب چاہو دوستی کو جوڑ سکو۔

جو تم سے حسن ظن رکھے، اس کے حسنِ ظن کو جھوٹا نہ ہونے دو۔

دوستوں کے حقوق اس گھمنڈ میں تلف نہ کرو کہ دوست ہے۔ کیونکہ جس کے حقوق تلف کر دیئے جاتے ہیں۔ وہ دوست نہیں رہتا۔

ایسے نہ ہو جاؤ کہ تمہارا خاندان ہی تمہارے ہاتھوں سب سے زیادہ بد بخت بن جائے۔

جو کوئی بے پرواہی ظاہر کرے اس کی طرف نہ جھکو۔

دوست دوستی توڑنے میں اور تم دوستی جوڑنے میں برابر نہ ہو۔ تمہارا پلہ ہمیشہ بھاری رہے۔

نیکی سے زیادہ بدی میں تیز نہ ہو۔

ظالم کے ظلم سے تنگ دل نہ ہو۔ کیونکہ وہ خود اپنا نقصان اور تمہارا نفع کر رہا ہے

جو تمہیں خوش کرے اس کا صلہ یہ نہیں کہ تم اسے رنج پہنچاؤ۔

اگر تو اس چیز پر رنج کرتا ہے۔ جو تیرے ہاتھ سے نکل گئی ہے تو ہر اس چیز پر بھی رنج کر جو تیرے ہاتھ میں نہیں آئی۔

دانا آدمی معمولی تادیب سے مان جاتا ہے مگر چوپایہ مار سے باز آتا ہے۔

خواہشوں اور دل کے وسوسوں کو صبر و یقین کی عزیمت سے زائل کر دو۔

جو کوئی راہِ اعتدال سے تجاوز کرتا ہے۔ بدراہ ہو جاتا ہے۔

نفس کی خواہشوں اور بدبختیوں میں ساجھا ہے۔

کتنے اپنے ہیں جو غیروں سے زیادہ غیر ہیں اور کتنے غیر ہیں جو اپنوں سے زیادہ عزیز ہیں۔

پردیسی وہ ہے جس کا کوئی دوست نہیں۔

جو اپنی حیثیت پر رہتا ہے اس کی عزت باقی رہتی ہے۔

جب امید میں موت ہو تو ناامیدی زندگی بن جاتی ہے۔

نہ ہر عیب ظاہر ہوتا ہے۔ نہ ہر موقع سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔

کبھی آنکھوں والا ٹھوکر کھا جاتا ہے اور اندھا سیدھی راہ چلا جاتا ہے۔

احمق سے دوستی کاٹنا عقلمند سے دوستی جوڑنے کے برابر ہے۔

ہر تیر نشانے پر نہیں بیٹھتا۔

جب حاکم بدلتا ہے تو زمانہ بھی بدل جاتا ہے۔

سفر سے پہلے سفر کے ساتھیوں کو دیکھ لو۔ ٹھہرنے سے پہلے پڑوسیوں کو جانچ لو۔

عورت کو لوگوں کی سفارش کرنے کا عادی نہ بناؤ۔

بے جا رقابت ظاہر نہ کرو۔ کیونکہ اس سے پاکباز اور بے لاگ عورت کی بھی

برائی کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔

اپنے نوکروں میں سے ہر ایک کے ذمے کوئی نہ کوئی کام رکھو۔ تاکہ وہ تمہاری خدمت کو ایک دوسرے پر نہ ٹالیں۔

اپنے کنبے کی عزت کرو کیونکہ وہ تمہارا بازو ہے۔ جس سے اڑتے ہو۔ بنیاد ہے جس پر ٹھہرتے ہو۔ ہاتھ ہے جس سے لڑتے ہو۔

(حضرت حسنؓ کے نام وصیت از "نہجہ البلاغۃ)

(مترجمہ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی)

ادبی تحریک

ادبی تحریک

حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ کے خلاف جو خوں ریز جنگیں لڑیں۔ انہیں بعض مورخین نے ایک انتقامی یا ہنگامی اقدام سے تعبیر کیا ہے اور ان جنگوں کو اسی قسم کی جنگوں میں شمار کیا ہے۔ جیسے سلاطین ایک دوسرے کے خلاف لشکر کشی کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دو تحریکوں کا مقابلہ تھا۔ ایک ذاتی اقتدار کی تحریک تھی اور دوسری اسلامی اقتدار کی۔ حضرت علیؓ اس اسلامی تحریک کے داعی اور رہنما تھے۔ تحریک اسلامی کے اس داعی نے جہاں تلوار سے کام لیا وہاں ادب کو بھی معاون و مددگار بنایا اور جہاں حامیانِ علیؓ نے حضرت علیؓ کی حمایت میں تلوار کا سہارا لیا وہاں اپنے ولولہ انگیز اشعار سے بھی اس تحریک میں توانائی اور زندگی کی روح پھونکی۔ اس طرح اسلامی تحریک کو تقویت پہنچانے کے لئے ایک ادبی تحریک نے بھی جنم لیا جس میں اس دور کے تمام نامور شعراء نے حصہ لیا۔ حضرت علیؓ کی اس ادبی تحریک میں ہمیں مندرجہ ذیل قابلِ ذکر

شعرا کے نام ملتے ہیں۔

علوی شعرا

ابوالاسود الدؤلی۔ الاشتر النخعی۔ الفضل بن العباس۔ نہشل بن حری، ابن مفرغ الحمیری۔ نجاشی۔ نعمان بن بشیر الانصاری قیس بن قہدان الکندی۔ شاعرہ ہند انصاری اور عبداللہ بن خلیفہ۔

ان میں سے بعض شعرا نے صرف پُرجوش اور حیات آفرین کلام کے ذریعہ حضرت علیؓ کی حمایت کی اور بعض شعراء نے حضرت علیؓ کی حمایت میں ولولہ انگیز شعر کہنے کے ساتھ ساتھ ان کے دوش بدوش اپنی شمشیر زنی کے بھی جوہر دکھلائے۔ حضرت علیؓ کے حامی شعرا میں سے کچھ شعراء نے اپنی شاعری کو صرف حضرت علیؓ کی حمایت تک محدود رکھا اور حضرت معاویہؓ کی ذات یا کردار سے بحث نہ کی۔ مگر کچھ شعراء نے اس سے آگے بڑھکر جہاں حضرت علیؓ کی حمایت کی وہاں حضرت معاویہؓ کی باغیانہ روش کو بھی ہدف ملامت بنایا۔ جو بلاشبہ اسی کی مستحق تھی۔ ایسے ہی شعرا میں اشتر بھی تھے جو اپنے دَور کے نامور جرنیل اور شجاع ہونے کے ساتھ نہایت بلند پایہ شاعر بھی تھے انہوں نے حضرت علیؓ کی مدافعت میں اس جوش اور بہادری سے جنگیں لڑیں کہ دشمن کے دانت کھٹے کر دیئے اور اس کی صفیں کی صفیں کاٹ کر رکھدیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ کے بعد اگر کسی سے خائف تھے۔ تو وہ یہی جری دل شاعر اور جنگ آزما اشتر تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ جس بازو پر اشتر جنگ کر رہے ہوتے۔ ادھر دشمن کی فوج کا زور سب سے زیادہ ہوتا اور بعض وقت اس شدت کی وجہ سے ان کے سپاہیوں میں بددلی پیدا ہونے لگتی۔ اس نازک موقعہ پر اشتر کی ولولہ انگیز شاعری آڑے آتی اور وہ اپنے اشعار سے دل چھوڑتی ہوئی فوج کے قلب گرما دیتے انہوں نے اس مقصد

کے لئے متعدد نظمیں لکھیں اور مختلف طریقوں سے اپنی فوج کے دل بڑھائے۔ انہیں دشمن پر حملہ کرنے کی ترغیب دی اور تاریخ شاہد ہے کہ اس میں انہیں کبھی ناکامی نہ ہوئی۔ چنانچہ ایک موقعہ پر کہتے ہیں۔

اشتر کا رزمیہ

"اگر میں معاویہؓ بن حرب پر حملہ نہ کروں، اور ایسا حملہ جس میں سینکڑوں جانیں تباہ ہو جائیں تو بہتر ہے کہ میں دولت جمع کروں اور اسے خرچ نہ کروں۔ عزت و شرف سے منہ پھیر لوں اور مہمان میرے گھر آئیں تو ان کا ترش روئی کے ساتھ استقبال کروں (چونکہ یہ رذائل میرے بلند کردار کے خلاف ہیں۔ اس لئے میں اسے پسند کروں گا کہ ابن حرب پر حملہ کروں اور ان خصائل بد سے محفوظ رہوں) یہ حملہ غارت گر گھوڑوں کے ذریعہ سے ہوگا۔ یہ گھوڑے تیز گام اور پتلی کمر والے ہیں۔ یہ اپنی پشت پر مردان غازی کو لئے میدان جنگ میں دوڑتے ہیں۔ یہ مردان بلند نظر، دشمنوں پر حقارت کی نظر ڈالتے ہوئے بڑھتے ہیں صیقل کی ہوئی زرہیں ان کے جسم پر جوش حرارت سے تپ رہی ہیں اور حرارت اور صیقل کی وجہ سے وہ بجلی کے کوندے اور سورج کی شعاع کی مانند چمک رہی ہیں۔"

(الحماسہ۔ ترجمہ افتخار اعظمی)

دو عنصر

حضرت علیؓ کی ادبی تحریک میں ہمیں دو عنصر ملتے ہیں۔ ایک کا تعلق میدانِ جنگ سے ہے اور دوسرے کا میدان جنگ سے باہر کے ماحول سے جب دونوں فوجیں ایک دوسرے

کے خلاف صف آراء ہوتیں تو اس وقت ایک عنصر حرکت میں آتا اور حامیانِ علیؓ کو ترغیب دیتا کہ آگے بڑھو اور دشمنوں کے سرتن سے اور بازو شانوں سے جدا کر دو۔ دوسرا عنصر وہ ہے۔ جو میدانِ جنگ سے باہر کے ماحول میں مفاہمت اور افہام وتفہیم کے ذریعہ معاملات کو روبہ اصلاح لانا چاہتا تھا۔ وہ حضرت معاویہؓ اور امویوں کو مشورہ دیتا کہ ملت میں انتشار نہ پیدا کرو۔ اتحاد و اتفاق سے رہو اور خلیفۂ وقت کی اطاعت کرو۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ اپنی روایتی آن اور وقار کو قائم رکھتے ہوئے اپنے مقام اور منصب کا اظہار بھی کرتا جاتا۔ سطور بالا میں جس ادب پارے کا نمونہ درج کیا گیا ہے۔ وہ پہلے عنصر سے تعلق رکھتا ہے یعنی دشمن کی صفوں پر شمشیر صاعقہ بار کی طرح ٹوٹ پڑنے کی ترغیب دینا۔ ذیل میں دوسرے عنصر کی کارفرمائی کا ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔ جو مفاہمت کی تحریک سے تعلق رکھتا ہے مگر جس میں وقار اور روایتی آن بان بھی پائی جاتی ہے۔ یہ نظم علوی تحریک کے مشہور شاعر الفضل بن العباس کی ہے اور عربی قصائد کی مشہور کتاب "الحماسہ" میں شامل ہے۔

"چچا زاد بھائیو! خدا کے لئے ذرا نرمی اختیار کرو، اور گڑے ہوئے مردے نہ اکھیڑو، ہماری ہتک کی آرزو دل میں نہ لاؤ۔ اور (پھر) اس بات کے بھی خواہشمند نہ رہو کہ تم ہماری توہین کرو گے اور ہم تمہاری عزت کریں گے۔ یہ ممکن نہیں کہ تم تو ہمیں ستاؤ، اور ہم تمہیں اذیت پہنچانے سے باز رہیں۔

چچا زاد بھائیو! اب طعن وتشنیع سے پرہیز کرو اور وہی میانہ روی اختیار کرو، جو پہلے تمہارا شعار رہی ہے۔" (ترجمہ افتخار اعظمی)

افسوسناک ردِّ عمل

جب اس تحریک میں حصہ لے کر علوی شعرا نے حضرت علیؓ کی حمایت اور حضرت معاویہؓ

کی مخالفت میں اشعار کہے۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت معاویہؓ کے طرفداروں میں بھی
انتقامی جذبہ بیدار ہو گیا۔ مگر یہ جذبہ بیدار ہونے سے زیادہ بیدار کیا گیا۔ چنانچہ حضرت
امیرؓ نے خود اپنے شعراء کو حضرت علیؓ کی مخالفت میں شعر کہنے کی دعوت دی۔ مگر افسوس
کہ یہاں بھی وہی روح کارفرما رہی۔ جو اس کش مکش کے آغاز میں نظر آتی ہے یعنی
انہوں نے حصولِ مقصد کے ذرائع سے کوئی سروکار نہ رکھا۔ خواہ وہ جائز ہوں یا ناجائز
چنانچہ انہوں نے اس مقصد کے لئے ایک دشمنِ اسلام عیسائی شاعر اخطل کو نوازا۔ اسے انعام
اکرام دیا اور اپنے مصاحبین میں شامل کر لیا۔ اخطل نے حضرت علیؓ اور ان کے حامیوں کے
خلاف خوب خوب زہر اُگلا۔ اور یہ کاتب وحیؓ اس زہر افشانی کی داد دیتے رہے۔ آخر جب
اخطل کی یاوہ گوئی کی اطلاع مشہور علوی شاعر نعمان بن بشیر الانصاری کو ہوئی تو انہوں نے
ایک زوردار اور پُرشوکت نظم لکھی جس میں اخطل کو منہ توڑ جواب دیا گیا تھا۔ یہ نظم اتنی اچھوتی
اور اثر انگیز تھی کہ بہت جلد زبان زدِ خاص و عام ہو گئی۔

علوی شاعری

غرض اس طرح حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ کی کشمکش میں ایک ادبی تحریک پروان چڑھی
اس تحریک سے عربی ادب کو بڑا فائدہ پہنچا۔ طرفین کے شعراء خصوصاً حضرت علیؓ کے حامی
شعراء نے اپنی لازوال نظموں سے اس تحریک کے دامن کو مالا مال کر دیا۔ ان نظموں میں
ہمیں وہی قوت و حرارت اور بیباکی ملتی ہے جو حضرت علیؓ اور ان کے حامیوں کا طرہ امتیاز
تھا۔ ان کی تلواروں کی کاٹ کی طرح ان کی نظموں میں بھی بڑی کاٹ ہے۔ ان کی فطری
غیرت اور خودداری کی طرح ان کے اشعار بھی ان ہی قابلِ قدر جذبات سے سرشار ہیں۔
ان نظموں کے پسِ منظر میں ایک ایسی روح کارفرما نظر آتی ہے۔ جو اطاعتِ امیر کے

جذبہ سے مملو اور ہاشمیوں کی روائتی شجاعت میں ڈوبی ہوئی ہے۔ ان نظموں میں جہاں دو تحریکوں کی کش مکش کا عکس جھلکتا ہے۔ وہاں ان میں ہمیں شرفائے عرب کے تمدن۔ ان کی روایات، ان کی کیفیتِ مزاج اور عربوں کی فطری خصوصیات کے مختلف پہلو بھی نظر آتے ہیں۔ عرب میں بخیلی یا کنجوسی نہایت درجہ معیوب اور رذیلوں کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ مہمان نوازی شرفائے عرب کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔ نہ صرف شرفائے عرب کی بلکہ ایک عام عرب بھی اس خصوصیت کا مجسمہ نظر آتا ہے۔ چنانچہ عربوں کی یہ دونوں بڑی خصوصیتیں اس تحریک سے متعلق نظموں میں عام ہیں۔ مثال کے طور پر:۔

"اگر میں معاویہ بن حرب پر حملہ نہ کروں۔۔۔۔ تو بہتر ہے کہ میں دولت جمع کروں اور اسے خرچ نہ کروں۔۔۔ اور مہمان میرے گھر آئیں تو ان کا ترش روئی سے استقبال کروں۔" (علوی شاعر اشتر کی نظم)

عربوں کو تلوار، زرہ، اونٹ اور گھوڑے سے بے اندازہ محبت ہوتی تھی (تلوار سے اب شاید ہی ہوتی ہو) عربی گھوڑے اپنی خصوصیات کے لحاظ سے تمام دنیا میں مشہور تھے۔ چنانچہ مذکورہ بالا قسم کی نظموں میں ہمیں یہ خصوصیت بھی نظر آتی ہے اور شجاعت کی روح تو بولتی ہوئی سنائی دیتی ہے۔ محاکات، تشبیہہ و استعارات خاص طور سے قابل توجہ ہیں۔ بعض جگہ تو میدانِ جنگ کا منظر نظروں کے سامنے پھرنے لگتا ہے۔ مثال کے طور پر:۔

"یہ حملہ غارت گر گھوڑوں کے ذریعہ سے ہوگا۔ یہ گھوڑے تیز گام اور پتلی کمر والے ہیں۔ یہ اپنی پشت پر مردان غازی کو لئے میدانِ جنگ میں دوڑتے پھرتے ہیں۔۔۔۔ صیقل کی ہوئی زرہیں ان کے جسم پر جوشِ حرارت سے تپ رہی ہیں۔"

اور حرارت اور صیقل کی وجہ سے وہ بجلی کے کوندے اور سورج کی شعاع کی مانند چمک رہی ہیں۔" (علوی شاعر اشتر کی نظم)

اس کی پائداری

یہ ادبی تحریک اس قدر جاندار اور اس کے ساتھ ساتھ اتنی پائدار تھی کہ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد بھی جاری رہی اور خوب پھلی پھولی۔ در اصل جو لوگ ایک بار بھی حضرت علیؓ کی صحبت میں بیٹھ گئے اور کچھ دن بھی انہیں حضرت علیؓ کی رفاقت کا شرف حاصل ہو گیا۔ ان میں حضرت علیؓ نے ایسی روح پھونکدی اور ایسا شعلہ بھڑکا دیا جو کسی کے بجھائے نہ بجھ سکا۔ یہی وجہ ہے کہ سخت نامساعد حالات میں بھی ہمیں یہ شعلہ روشن نظر آتا ہے۔ ظلم و ستم کی قیامت خیز آندھیاں بھی اسے گل کرنے میں ناکام رہیں۔ چنانچہ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد جب امیر معاویہؓ تمام عالم اسلام کے بلا شرکت غیرے فرماں روا بن گئے۔ تو اموی سرداروں نے حامیانِ علی کو مرعوب کرنے کی کوشش کی جس شخص پر ذرا سا بھی شبہ ہوا اسے پابندِ سلاسل کر دیا گیا۔ بعض لوگوں کو اذیت ناک تکلیفیں دے دے کر ہلاک کروا دیا گیا۔ منبروں پر کھڑے ہو کر حضرت علیؓ کو سب و شتم کا نشانہ بنایا گیا۔ بعض جری دل لوگوں نے اس طریقِ کار کے خلاف احتجاج کیا تو انہیں جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ ایسے ہی لوگوں میں مشہور صحابی رسولؐ حضرت حجرؓ بن عدی بھی تھے۔ حضرت حجرؓ نے اموی سردار کی اس دل آزار روش پر اسے ٹوکا۔ نہ صرف ٹوکا بلکہ بعض دفعہ ملامت بھی کی۔ آخر انہیں مختلف الزامات لگا کر گرفتار کر لیا گیا اور بالآخر مع چھ یا سات رفقا کے نہایت بیدردی سے شہید کر دیا گیا۔ تاریخ ثابت کرتی ہے کہ یہ واقعہ حضرت معاویہؓ کے ایما سے ہوا۔

اس موقع پر حضرت علیؓ کے حامی شعراء نے بڑی جرأت کا ثبوت دیا۔ انہوں نے اس واقعہ پر بڑی دلگداز نظمیں لکھیں۔ جو جذبات نگاری اور جوشِ بیان کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہیں۔ چنانچہ جب حضرت حجرؓ بن عدی کو گرفتار کر کے حضرت معاویہؓ کے پاس لے جایا گیا تو اس واقعہ کو ایک شاعرہ ہند نے نظم کیا ہے وہ کہتی ہے کہ:۔

ہند کی نظم

"اے مہِ شب تاب! ذرا بلند ہو اور فرازِ آسمان سے دیکھ، کہیں حجرؓ تجھے سفر کرتا ہوا نظر آتا ہے یا نہیں؟ وہ معاویہؓ کے پاس جا رہا ہے۔ امیرؓ کا ارادہ ہے کہ اسے تہ تیغ کر دیا جائے۔ حجرؓ کے بعد اربابِ ستم کے مظالم کچھ اور بڑھ گئے "خورنق" اور "سدیر" میں اب انہیں سکون و عیش مل گیا۔ اے حجرؓ! تم جہاں بھی رہو، سلامتی اور شادمانی تمہارے قدم چومے۔ مجھے اس بوڑھے شخص سے اندیشہ ہے جو دمشق میں بیٹھا غرا رہا ہے۔ نیک بندگانِ خدا کا خون اس کے لئے روا ہے۔ کاش! حجرؓ طبعی موت مرتا اور کوئی اسے اونٹ کی طرح ذبح نہ کرتا۔ اگر وہ مردِ حق ہلاک ہو گیا تو سمجھنا چاہیئے کہ قوم کا ہر لیڈر ایک نہ ایک دن ضرور ہلاک ہو گا۔" (طبری جلد ہفتم۔ ترجمہ افتخار اعظمی)

اس نظم کا ایک ایک شعر اور ہر شعر کا ایک ایک فقرہ شہادت دے رہا ہے کہ حضرت علیؓ کی جاری کی ہوئی ادبی تحریک بڑی جاندار تھی اور اس تحریک سے متاثر ہونے والے شعراء بڑے نڈر اور صاف گو تھے۔ زیاد اور اس کے ساتھی اموی سرداروں کے ہیبت ناک مظالم کے باوجود، حضرت معاویہؓ کے طنطنہ اور طمطراق سے باخبر ہوتے ہوئے ایک خاتون شاعر کا اس واقعہ پر اس قدر بے باکی سے اظہارِ خیال کرنا بے حد تعجب انگیز ہے۔

حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد امویوں کے ظلم و ستم کا سلسلہ اور زیادہ طویل اور شدید ہو گیا۔ حضرت معاویہؓ کا جانشین یزید اور زیاد کا جانشین ابن زیاد ہوا۔ یہ دونوں وحشت و بربریت میں اپنے پیشرو سے منزلوں آگے نکل گئے۔ مگر حامیانِ علیؑ نے بھی حیرت انگیز ثباتِ قدم کا مظاہرہ کیا اور علوی شعراء نے پہلے سے بھی بڑھکر ہمت سے اپنے پاکیزہ مقاصد کی ترجمانی کی۔ چنانچہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے حادثۂ فاجعہ کے بعد جب ان لوگوں کی گرفت کی گئی جنہوں نے کسی نہ کسی حیثیت سے حضرت امام حسینؑ کی حمایت اور یزید یا اس کے دستِ راست ابن زیاد کی مخالفت کی تھی تو عبداللہ بن حُر جعفی، ابجی ابن زیاد کے دربار میں طلب کئے گئے۔ ابن حُر پر یہ الزام تھا کہ اس نے ابنِ زیاد کی مخالفت کی تھی۔ اور حضرت امام حسینؑ کی مدح میں اشعار لکھے تھے۔ چنانچہ جب اسے معلوم ہوا کہ ابن زیاد کے یہاں سے میری طلبی کا پروانہ جاری ہو گیا ہے۔ تو وہ اس کے ظلم و ستم کے خوف سے فرار ہو گیا۔ مدائن کی وادی میں روپوش ہو کر اس نے ایک نظم لکھی۔ جسے ابنِ جریر طبری نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے، وہ کہتا ہے۔

ابنِ حُر کی نظم

"یہ امیر جس کا باپ عملی دغا پیشہ تھا اور جو خود بھی دغا پیشہ ہے۔ مجھ سے کہتا ہے کہ تم نے فاطمۃ الزہرا کے لال کو قتل کیوں نہیں کیا۔ میں تو اس بات پر پشیمان ہوں کہ میں نے ان کی (تلوار سے) مدد کیوں نہیں کی۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر نفس انسانی تربیت یافتہ نہ ہو تو کبھی نہ کبھی ندامت سے سر جھکانا ہی پڑتا ہے۔ یہ تصور میرے لئے اذیت بخش ہے۔ کہ میں مصیبت میں ان کا ساتھی نہ بنا۔ میں کربلا کے مشہدِ معلّی پر جاتا ہوں تو شدتِ تاثر اور رقتِ قلب

سے کلیجہ منہ کو آتا ہے اور آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی ہے۔ خدا گواہ ہے
کہ وہ (حامیانِ حسینؑ) میدانِ جنگ میں نہایت ثابت قدم تھے۔
رفعتِ خیال اور وسعتِ قلب کے اعتبار سے بحرِ بیکراں سے کم نہ تھے۔ انہوں نے
سبطِ رسولؐ کی دلجوئی اور غمخواری کی اور تلواروں سے ان کی مدد پر سینہ سپر
رہے۔ وہ جنگل کے نڈر شیر تھے۔ وہ خاک و خون میں تڑپ کر دنیا سے چلے
گئے لیکن آج روئے زمین پر ہر ایک نفس غیظ و غضب کے ساتھ مصروفِ
ماتم ہے۔"

"اے زیاد کے بیٹے! تو نے ان پر ستم ڈھایا اور بے کسی کے عالم میں انہیں قتل
کیا۔ اس کے باوجود تیرے دل میں یہ خامِ خیال سمایا ہوا ہے کہ ہم تجھے دوست
بنائیں گے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ انہیں قتل کر کے تو نے ہماری گردنیں
ندامت سے جھکا دیں۔ ہر مرد و زن کے دل میں اب تجھ سے نفرت پیدا ہو گئی
ہے۔ میں تو بار بار قصد کرتا ہوں کہ ایک لشکرِ جرار ساتھ لوں اور ان اربابِ
ستم پر ٹوٹ پڑوں جنہوں نے حق کا ساتھ چھوڑ دیا۔"

(طبری جلد ہفتم۔ ترجمہ افتخار اعظمی)

اس نظم سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کی جاری کی ہوئی ادبی تحریک میں کس قدر
ولولہ اور توانائی تھی۔ اس تحریک کا ساتھ دینے والے شعراء کے احساسات کتنے نازک اور
شدید تھے۔ ان میں کس قدر قادر الکلامی اور جذبات نگاری کی قوت تھی۔ اور اس کی بڑی
وجہ خود حضرت علیؑ کی قادر الکلامی اور بے مثال خطابت تھی۔ وہ اپنے دور کے سب سے
بڑے صاحب علم و فضل ہونے کے ساتھ ساتھ فصاحت و بلاغت میں اپنا جواب نہیں

رکھتے تھے۔ وہ خود اعلیٰ درجہ کے شاعر، شعر کے بہت بڑے ناقد اور سخن شناس تھے ان کی رزمیہ نظمیں جو انہوں نے خیبر اور بدر و اُحد کے معرکوں میں کہی تھیں، اپنے جوشِ بیان اور علوئے خیال کے اعتبار سے عربی ادب میں ممتاز مقام کی مستحق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس دَور کے اربابِ علم وفضل اور شعر وادب ان سے بے حد متاثر تھے اور تمام نامی گرامی شعراء انہیں اپنا امام تسلیم کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ جس تحریک کا داعی خود صاحبِ علم وفضل، نکتہ شناس، بے خوف، قوت وحرارت اور سطوت وشوکت کا پیغامبر ہوگا اس کے زیرِ سایہ پروان چڑھنے والی تحریک بھی ان ہی خصوصیات کی حامل ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ علوی شعراء اپنے اشعار کے دبدبے اور طنطنے، اپنی اثر انگیزی اور رفعتِ خیال کے اعتبار سے نہایت بلند پایہ تھے اور ان ہی کی لگائی ہوئی آگ اور بھڑکتے ہوئے شعلے کا ادنیٰ کرشمہ ہے کہ عوام الناس کے دلوں میں اموی حکومت کے خلاف نفرت کا بحرِ بیکراں جوش مارنے لگا اور ایک دن ایسا بھی آیا، جب اموی حکومت کا رفیع الشان قصر زمیں بوس ہوگیا۔ گو اس میں کچھ اور عوامل بھی کارفرما تھے۔ مگر ان کے باوجود علوی شعرا کی شعلہ بیانی کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

[اس باب کی تصنیف میں اقتدار اعظمی صاحب کے ایک بے نظیر مضمون "ادب میں تعمیری تحریک کا پس منظر" مطبوعہ ماہنامہ "تعمیر انسانیت" لاہور سے بھی استفادہ کیا گیا ہے]

نظامِ سلطنت

نظامِ سلطنت

عام طور سے کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ کا عہدِ خلافت انتشار اور بدامنی کا عہد تھا، ہمیں اس سے انکار نہیں کہ حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت میں بدامنی ہوئی، بغاوتیں رونما ہوئیں اور ان کی حدودِ سلطنت پر حملے بھی کئے گئے، مگر یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو حکومتوں یا فرمانرواؤں کے لئے نئی ہو۔ حضرت علیؓ کے عہد میں اگر بغاوت ہوئی۔ تو اسے فرو بھی کر دیا گیا۔ اگر فساد اٹھا تو اسے دبا دیا گیا اور تاریخ شاہد ہے کہ جس علاقے میں ایک بار فساد ہوا۔ وہاں حضرت علیؓ اور ان کے گورنروں نے فسادیوں کا سر اس طرح کچلا کہ پھر انہوں نے کبھی سر نہ اٹھایا۔ کہیں سختی کے ساتھ ساتھ نرمی سے کام لیا اور وہ نرمی ایسی کارگر ثابت ہوئی کہ رعایا ان کے نام کا پانی بھرنے لگی۔ چنانچہ ایران کے باغیوں کے ساتھ اگر سختی کی گئی تو بعض باغیوں پر عفو و کرم کی بارش بھی ہوئی اور سرکش ایرانی

حضرت علیؓ کا حسن سلوک دیکھ کر بے ساختہ پکار اٹھے کہ واللہ اس عربی نے نوشیروانِ عادل کا عہد یاد دلا دیا۔" یہی وجہ ہے کہ ان کی مملکت کا نظم و نسق ابتر نہ ہونے پایا۔ تمام گورنر آخر تک ان کے مطیع اور باجگذار رہے۔ ہر حصۂ ملک سے وہاں کے اخراجات وضع کرنے کے بعد فاضل آمدنی مرکز میں بھجوائی جاتی رہی۔ پولیس اور عدالتیں نہایت اطمینان اور خوش اسلوبی سے اپنے فرائض منصبی ادا کرتی رہیں۔ علوم دینی کی تعلیم جاری رہی۔ چنانچہ کنز العمال میں ہے کہ حضرت علیؓ نے قرآن کا علم عام کرنے کے لئے لوگوں کو مختلف طریقوں سے ابھارا۔ جو طلبہ قرآن کا علم حاصل کرنے پر آمادگی ظاہر کرتے تھے۔ انہیں وظائف دیئے جاتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق ان وظائف کی تعداد دو ہزار تھی۔ (کنز العمال جلد اول)

قرآن کی تعلیم کے علاوہ حضرت علیؓ کے زمانے میں رفاہِ عامہ کے لئے بھی بہت سے کام کئے گئے۔ اس سلسلہ میں نہروں کا وقفِ عام خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ نہ صرف حکومت کی طرف سے نہریں رفاہ عام کے لئے وقف کی جاتی تھیں۔ بلکہ خود حضرت علیؓ نے ینبع کی متعدد نہریں جو ان کی ذاتی ملکیت تھیں رفاہ عامہ کے لئے وقف کر دی تھیں۔ (وفا الوفا جلد دوم)

ایک روایت کے مطابق انہوں نے صرف مدینہ میں دو نہریں غرباء کے لئے وقف کی تھیں۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ ان نہروں سے کیا کام لیا جاتا تھا۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ یہ نہریں ان لوگوں کی زمینوں کو سیراب کرتی تھیں۔ جن کی مالی حالت بے حد خراب تھی بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نہریں وقف کرنے کا مقصد یہ تھا کہ جس علاقے میں وقف شدہ نہر واقع ہے۔ وہاں کے لوگ اسے جس طرح چاہیں استعمال کریں حکومت کی طرف سے کوئی روک ٹوک نہ ہوگی۔

حضرت علیؓ کے عہد میں تعمیرات کا کام زیادہ نہیں ہوا لیکن بعض لوگوں کے اس خیال کی تردید ضرور ہو جاتی ہے، جو کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے زمانے میں تعمیرات کی طرف قطعاً توجہ نہیں دی گئی۔ تاریخ سے ان کے عہد حکومت میں جنگی تعمیرات کا پورا ثبوت ملتا ہے۔ جس کا ذکر آئندہ صفحات میں کیا جائے گا۔ جنگی تعمیرات سے قطع نظر مساجد کی تعمیر اور بستیوں کی آباد کاری کا ثبوت بھی موجود ہے۔ چنانچہ اردبیل کی مسجد آذربائیجان کے گورنر اشعث بن قیس نے تعمیر کروائی تھی اور عرب کے بہت سے قبائل بھی اس مقام پر آباد کئے تھے۔ (فتوح البلدان)

غرض یہ اور اس قسم کے دوسرے امور جن کا ذکر ان کے مقام پر کیا جائے گا یہ بات ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ حضرت علیؓ کا عہد انتظام سلطنت کے اعتبار سے تسلی بخش تھا بلکہ بعض پہلو تو ایسے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ میں نظم و نسق سلطنت کے قیام کا غیر معمولی ملکہ تھا۔ ان کے عہد خلافت میں ہمیں کوئی بات ایسی نظر نہیں آتی جس سے ثابت ہو کہ نظم و نسق میں کسی قسم کی خرابی واقع ہوئی تھی اور لوگ مسلسل پریشانی یا ابتری کا شکار رہتے تھے۔ کیا سرکاری ملازم اپنے فرائض ادا نہیں کرتے تھے؟ کیا ملازمین کو ان کی تنخواہیں نہیں ملتی تھیں؟ بوڑھے اور جوان تو خیر جوان تھے، شیر خوار بچوں تک کو ان کی تنخواہ ملتی تھی۔ ایک واقعہ بھی تو ایسا پیش نہیں کیا جا سکتا کہ کسی نے شکایت کی ہو کہ ہم فاقے کر رہے ہیں۔ ہمارے گھر کا چولھا ٹھنڈا پڑا ہے، ہماری تنخواہ ادا کرو۔ اگر کوئی مثال ہو تو پیش کی جائے۔ یقیناً اس میں ناکامی ہوگی۔ ہاں اس کے برعکس ایسی مثالیں بکثرت پیش کی جائیں گی۔ جن سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ علیؓ کی مملکت کا شیر خوار بچہ بھی اپنی تنخواہ پاتا تھا۔

کیا یہ امور حضرت علیؓ کے حسنِ انتظام پر دلالت نہیں کرتے۔ اور ان سے یہ ثابت نہیں ہو جاتا ہے کہ مورخین نے حضرت علیؓ کے عہد کو انتشار اور بدامنی کا دور قرار دے کر ان کے عہد کی جو بھیانک تصویر پیش کی ہے۔ وہ اصل سے بے حد مختلف ہے؟ اور اگر کوئی شخص اس بھیانک تصویر کی صحت پر مصر ہی ہو۔ تو اسے ہمارا جواب یہ ہے کہ پھر تو اسے علیؓ کی مافوق الفطرت شخصیت پر آنکھیں بند کر کے ایمان لے آنا چاہیئے اور ان کی غیر معمولی فراستِ سیاست اور حسنِ انتظام کا بھی وسیع القلبی سے اعتراف کرنا چاہیئے کہ سرحدوں پر حملے ہو رہے تھے، اور ہر طرف خوف و ہراس تھا۔ لوگ اپنے آپ کو غیر محفوظ و غیر مامون پاتے تھے۔ مگر پھر بھی ملک کا نظم و نسق بڑی خوبی سے چل رہا تھا۔ عدالتیں اور پولیس عدل و انصاف اور انتظام کے تقاضے پورے کرتی رہیں، تعلیم و تدریس، تجارت، زراعت و حرفت، رسل و رسائل اور تحصیل وصول میں ذرہ برابر رکاوٹ پیدا نہ ہوئی۔ یہ علیؓ کا اعجاز نہیں تو اور کیا تھا۔ آئندہ سطور میں اسی اجمال کی تفصیل پیش کی جائے گی۔ سب سے پہلے یہ بتایا جائیگا کہ ان کے عہد میں صوبوں اور محکموں کا نظم و انتظام کیا تھا۔

صوبوں کی تقسیم

حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت میں صوبوں کی تقسیم مندرجہ ذیل طریقے پر تھی۔

(۱) مکہ (۲) مدینہ (۳) بصرہ (۴) کوفہ (۵) فارس۔

ان میں سے فارس کا صوبہ سب سے بڑا تھا جو کئی صوبوں پر مشتمل تھا اور اس کی حدیں افغانستان اور بلوچستان کی سرحدوں تک وسیع تھیں۔ ان صوبوں پر مختلف اوقات میں مختلف گورنر تھے۔ حضرت علیؓ کے انتقال کے وقت :-

مکہ، طائف اور اس کے مضافات پر قثم بن عباسؓ، مدینہ پر ابوایوب انصاریؓ
بصرہ پر عبداللہ بن عباسؓ اور فارس پر زیاد بن ابوسفیان گورنر تھے۔

شعبہ جات کی تقسیم

حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں سلطنت کا نظم و نسق قائم رکھنے اور اسے بہتر طریق سے چلانے کے لئے مملکت میں مختلف شعبے قائم تھے۔ محکمۂ مال علیحدہ تھا جس کا کام خراج کی تحصیل وصول تھا۔ محکمۂ قضا ایک مستقل محکمہ تھا جس کا کام مقدمات سننا اور ان کے فیصلے کرنا تھا۔ محکمۂ دفاع سب سے مضبوط محکمہ تھا۔ اس کا کام فوجوں کا انتظام و استحکام اور ان کی نقل و حرکت کے احکامات صادر کرنا تھا۔ ملک کے اندرونی انتظام اور امن و امان کے قیام کے لئے پولیس کا محکمہ قائم تھا۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے وقت متذکرہ بالا محکموں پر مندرجہ ذیل اصحاب مقرر تھے۔

محکمہ مال پر ابواسود جنہیں موجودہ اصطلاح میں وزیر مال کہنا چاہیئے۔
محکمۂ دفاع پر " " " ڈیفنس منسٹر " "
محکمۂ قضا پر قاضی شریح " " " چیف جسٹس آف سپریم کورٹ کہنا چاہیئے
محکمہ پولیس پر مالک بن حبیب " " " انسپکٹر جنرل پولیس " "

ان کے علاوہ ایک عہدہ اور ملتا ہے جسے پرائیویٹ سکرٹری کا عہدہ کہنا چاہیئے۔ حضرت علیؓ کے آخر وقت میں عبداللہ بن ابی رافع جو حضور سرور کائنات کے غلام تھے۔ حضرت علیؓ کے پرائیویٹ سکرٹری تھے۔

محکمۂ پولیس

اوپر کی سطور میں محکمۂ پولیس کا ذکر آیا ہے۔ اس سلسلے میں یہ بتا دینا

ضروری ہوگا کہ محکمہ پولیس کا قیام حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت کا خاص طور سے قابل ذکر کارنامہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ پولیس تو حضرت عمرؓ ہی کے زمانے سے موجود تھی۔ مگر یہ پولیس دستوں کی صورت میں صرف رات کو گشت کرتی تھی۔ نہ تو اس کا باقاعدہ انتظام تھا۔ اور نہ رات کو گشت کرنے کے سوائے اس کا اور کوئی کام تھا۔ سب سے پہلے حضرت علیؓ نے پولیس کا باقاعدہ محکمہ قائم کیا جسے شرطہ کہتے تھے۔ اور اس کا نگران اعلیٰ صاحب الشرطہ کہلاتا تھا۔ اس محکمہ کا کام شہر اور قصبات میں امن و امان قائم رکھنا اور مظلوموں کو ظالموں اور جرائم پیشہ لوگوں کی دست برد سے بچانا تھا۔ حضرت علیؓ کے عہد حکومت میں انسپکٹر جنرل پولیس کی حیثیت سے مالک بن حبیب کے علاوہ جو حضرت علیؓ کے انتقال کے وقت اس عہدے پر فائز تھے۔ ایک نام اور بھی ملتا ہے اور وہ ہے معقل بن قیس کا۔

مالگذاری کا انتظام

زرعی زمینوں سے مالگذاری وصول کرنے کے معاملے میں حضرت علیؓ نے جو طریق کار اختیار فرمایا تھا اس میں نرمی، عدل و انصاف اور حقوق انسانیت کو پوری طرح ملحوظ رکھا تھا۔ حضرت علیؓ کا یقیناً یہ اصول تھا کہ جو لوگ زمینوں سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ انہیں اس فائدہ کا کچھ حصہ حکومت یا اس کے بیت المال میں بھی جمع کرنا چاہیے۔ کیونکہ حکومت، اس کے کارندے، عمال اور فوج ان کی حفاظت کی ذمہ دار ہے اور پرامن ماحول میں انہیں زراعت کرنے کے مواقع مہیا کرتی ہے۔ لیکن اس سلسلے میں وہ ظلم و ستم اور بے اعتدالیاں کسی حالت میں برداشت نہ کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے عاملوں اور تحصیل وصول کرنے والوں کو ہدایت فرما دی تھی کہ

مال گذاری وصول کرنے میں کسی شخص پر سختی نہ کی جائے۔ جو شرح مقرر ہے اس سے نصف درہم بھی زیادہ وصول نہ کیا جائے۔ مال گذاری وصول کرتے ہوئے کسی کو ذہنی یا جسمانی تکلیف نہ دی جائے۔ اگر کسی شخص کی طرف مالگذاری کا روپیہ باقی رہ جائے اور اس میں استطاعت نہ ہو تو اس کے گھر کا سامان یا موسم گرما و سرما میں استعمال ہونے والے کپڑے فروخت کرکے روپیہ وصول نہ کیا جائے۔ دیہات میں جو درخت ہوں انہیں مالگذاری سے مستثنےٰ کر دیا جائے اور انہیں مسافروں اور اہل دیہہ کے آرام کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔ حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں مالگذاری کی شرح کیا تھی۔ اس کا اندازہ کرنے کے لئے صرف ایک علاقے مدائن کی شرح مالگذاری کا ذکر کر دینا کافی ہوگا۔

جہاں فصل گنجان ہو وہاں فی جریب	$1\frac{1}{2}$ درہم
جہاں فصل اوسط درجے کی ہو وہاں فی جریب	۱ درہم
جہاں فصل ناقص ہو وہاں فی جریب	$\frac{2}{3}$ درہم
انگور کی فصل پر فی جریب	۱۰ درہم
نخلستان میں فی جریب	۱۰ درہم

حضرت علیؓ کے مالی انتظامات کا ذکر کرتے ہوئے ان کے ایک اہم اقدام کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے۔ ہماری مراد اس اصلاح سے ہے جو انہوں نے جنگلات پر مالگذاری عائد کرنے کے سلسلے میں نافذ کی تھی۔ حضرت علیؓ سے پہلے ان تمام چیزوں پر مالگذاری عائد تھی۔ جن سے کسی قسم کی بھی آمدنی ہو سکتی تھی۔ مگر جنگلات کی طرف کسی نے توجہ نہ کی حالانکہ جنگلات بھی آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ ہوتے ہیں۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ انہیں

مالگذاری سے مستثنیٰ کردیا جائے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے جنگلات پر بھی محصول عائد کردیا اس سے بڑا فائدہ ہوا اور بیت المال کی حالت پہلے سے کہیں بہتر ہوگئی۔ اس محصول کے نتیجے میں صرف ایک علاقے کے جنگل سے چار ہزار درہم سالانہ وصول ہوتے تھے۔ (کتاب الخراج)

زکوٰۃ کا انتظام

حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں زکوٰۃ مسلمانوں کی ہر قسم کی جائداد پر وصول کی جاتی تھی۔ جیسے سونا۔ چاندی، مویشی (اونٹ۔ گائے بکری وغیرہ) زکوٰۃ کی آمدنی کا مصرف یہ تھا کہ وہ غربا، مساکین، مسافروں اور مجاہدین پر صرف کی جاتی تھی۔ ناداروں کے قرضوں کی ادائیگی بھی اسی سے ہوتی تھی۔ اسی سے غلام آزاد کئے جاتے تھے اور تالیف قلوب پر بھی اسی میں سے خرچ کیا جاتا تھا۔

زکوٰۃ کے انتظام میں حضرت علیؓ نے ایک اصلاح بھی کی تھی۔ اور وہ یہ کہ ان سے پہلے گھوڑوں کی تجارت سے حاصل شدہ روپیہ پر بھی زکوٰۃ لی جاتی تھی۔ یہ اصلاح حضرت عمرؓ نے جاری فرمائی تھی۔ مگر حضرت علیؓ نے اپنے اجتہاد سے یہ نتیجہ نکالا کہ گھوڑے جنگی ضروریات میں بے حد امداد پہنچاتے ہیں۔ وہ زمانہ سائنس کا زمانہ نہیں تھا۔ موٹر۔ ہوائی جہاز۔ ٹینک اور راکٹ ایجاد نہیں ہوئے تھے۔ اس زمانے میں باربرداری سے لے کر میدان جنگ میں لڑنے تک کے تمام کام گھوڑوں ہی سے لئے جاتے تھے۔ اس لئے حضرت علیؓ نے گھوڑوں کی افزائش نسل کی طرف توجہ دی۔ انہیں ہر اس پابندی سے آزاد کرنے کی کوشش کی جس سے ان کی نسل میں اضافہ ہونے کے راستے مسدود ہو سکتے تھے ان کے نزدیک گھوڑوں کی خرید و فروخت سے حاصل شدہ روپیہ پر زکوٰۃ کی پابندی گھوڑوں کے کاروبار کو نقصان پہنچانے کا سبب تھی۔ اس لئے انہوں نے اپنی قلم رو میں فرمان جاری

کر دیا کہ آج سے گھوڑوں کی تجارت سے حاصل کیا ہوا روپیہ زکوٰۃ سے مستثنٰے کیا جاتا ہے۔ اور بلاشبہ حضرت علیؓ کی اس اصلاح نے گھوڑوں کی تجارت کو فروغ دیا اور نہایت اچھی نسل کے مضبوط اور توانا گھوڑے منڈیوں میں آنے لگے۔

زکوٰۃ کی وصولی میں احتیاط۔

حضرت علیؓ نے مال گذاری کی طرح زکات کی تحصیل وصول کے معاملے میں بھی رواداری کا ثبوت دیا۔ انہوں نے اپنے عاملوں اور زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو کبھی اس امر کی اجازت نہیں دی کہ وہ لوگوں کو بے آبرو کریں۔ ان کے جسم کی کھال اتار لیں اور انہیں فقیر بنا دیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے اپنے عمال اور افسرانِ شعبۂ زکوٰۃ کے نام جو فرامین جاری کئے، وہ بڑی اہمیت کے حامل ہیں اور ان کے طریقِ کار کی بڑی خوبی سے وضاحت کرتے ہیں۔

زکوٰۃ کے تحصیلداروں کے نام فرمان

" اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے تقویٰ کے ساتھ اپنے کام پر روانہ ہو۔ خبردار کسی مسلمان کو خوفزدہ نہ کرنا۔ خبردار کسی مسلمان کی طرف سے اس حال میں نہ گذرنا کہ تمہیں ناپسند کرتا ہو۔ خدا کے مقرر کئے ہوئے حق سے زیادہ کچھ نہ لینا۔ جب کسی علاقے میں پہنچنا تو آبادی کے باہر کنوئیں پر اترنا۔ کسی کے گھر میں نہ اترنا۔ پھر سکون اور وقار کے ساتھ آبادی میں داخل ہونا۔ لوگوں کو سلام کرنا، اگر انہوں نے صاحب سلامت نہ کی ہو تو پروا نہ کرنا۔ تم خود پوری صاحب سلامت کرنا۔ اس کے بعد ان سے کہنا خدا کے بندو! اللہ کے ولی اور خلیفہ نے مجھے بھیجا ہے

کہ تمہارے مال میں سے خدا کا حق وصول کر لوں۔ تو اب تم بتاؤ کہ کیا خدا کا کوئی حق تمہارے مال میں واجب الادا ہے جسے اس کے ولی کے حوالے کیا جائے۔ تمہارے اس کہنے پر اگر کوئی انکار کرے تو حجت نہ کرنا اگر کہے ہاں ہے۔ تو اس کے ساتھ جانا مگر اس طرح کہ نہ ڈرانا نہ دھمکانا نہ ستانا، ملکہ سونا چاندی جو کچھ پیش کرے لے لینا۔ اگر اس کے پاس مویشی اور اونٹ ہیں تو ان کے گلے میں اس کی اجازت کے بغیر نہ جانا۔ کیونکہ آخر جانور اسی کے تو ہیں، اور جب مالک کی اجازت سے جانا تو اس طرح نہیں گویا تم افسر ہو۔ ہرگز کوئی سختی تمہاری طرف سے نہ ہونے پائے نہ کسی جانور کو سہمانا نہ مالک کو اپنے طرز عمل سے رنجیدہ کرنا۔ جو کچھ مال ہو اس کے دو حصے کر دینا اور مالک کو اختیار دیدینا کہ اپنے لئے جو حصہ چاہے پسند کرلے اس کی پسند پر اعتراض نہ کرنا۔ اب جو ایک حصہ رہ جائے اسے بھی دو حصوں میں بانٹ دینا اور مالک سے کہنا کہ جو حصہ چاہے اپنے لئے پسند کرلے اور تم اس کی پسند پر معترض نہ ہونا اس طرح تقسیم در تقسیم کرتے چلے جانا۔ یہاں تک کہ اس مال میں خدا کا جو حق ہے نکل آئے۔ تم اس حق کو لے لینا۔ اگر اس کارروائی کے بعد بھی مالک چاہے کہ پورے مال کی تقسیم پھر سے ہو تو تم بے چون وچرا منظور کر لینا۔ سب جانوروں کو دوبارہ ملا دینا اور پہلے کی طرح مالک کی مرضی کے مطابق تقسیم در تقسیم کرتے چلے جانا یہاں تک کہ خدا کا حق بے باق ہو جائے۔ لیکن کوئی بوڑھا، مریل، لنگڑا، لولا، بیمار یا عیبی

جانور نہ لینا۔ زکوٰۃ کے اس مال کو ایسے آدمی کے سپرد کر دینا جس کے دین پر تمہیں بھروسہ ہو، جو مسلمانوں کے مال کا ہمدرد ہو۔ یہاں تک کہ یہ مال ان کے ولی کے پاس پہنچ جائے اور ولی ان میں تقسیم کر دے۔ ایسے ہی آدمی کے سپرد کرنا جو خیر خواہ ہو، ترس کھانے والا ہو، امین ہو، حفاظت کرنے والا ہو۔ جانوروں کے حق میں بے رحم نہ ہو، انہیں ڈرانے دھمکانے، ستانے دبلا کر ڈالنے والا نہ ہو۔ پھر تم سب کچھ لے کر سستی کئے بغیر ہمارے پاس چلے آنا ہم اس مال کو حکم الٰہی کے مطابق ٹھکانے لگا دیں گے۔ اور دیکھو جس آدمی کے سپرد جانور کرنا اُسے تاکید کر دینا کہ بچے کو اونٹنی سے الگ نہ کرے، اسے بہت نہ دوہے کہ بچوں کو بھوک سے نقصان پہنچے۔ سواری کر کے اسے ہلکان نہ کر ڈالے۔ سوار ہو مگر دوسری اونٹنیوں اور اس میں انصاف سے کام لے۔ باری باری بیٹھے۔ تھکے ہوئے اونٹوں کو آرام دے جس اونٹ کا کھر پھٹ جائے یا وہ لنگڑانے لگے تو اس پر ترس کھائے۔ رستے میں جہاں جہاں پانی ملتا جائے۔ جانوروں کو خوب پلائے۔ ہری بھری زمین سے انہیں ہٹا کر شاہراہوں پر نہ چلے، اچھی طرح ستانے پانی پینے اور چرانے کا انہیں موقعہ دے۔ تاکہ جب ہمارے پاس پہنچیں تو خوب موٹے تازے ہوں۔ تھکے ماندے، دبلے پتلے نہ ہوں ہم انہیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق تقسیم کر دینگے تم ان سب باتوں پر عمل کرو گے تو تمہارے لئے بڑا اجر ہوگا اور تم ہدایت سے قریب تر ہو جاؤ گے۔ انشاء اللہ" (نہج البلاغہ۔ اردو ترجمہ)

حوالہ لیا ہو گیا۔ مگر اس سے یہ ضرور اندازہ ہو گیا ہوگا کہ حضرت علیؓ کے پیش نظر جو نظمِ حکومت تھا اس کی نوعیت کیا تھی۔ وہ ان فرمانرواؤں میں سے نہ تھے جو ہر طریقے سے اپنے خزانے بھرنے کے آرزو مند رہتے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ وہ طریق جائز ہے یا ناجائز۔ صحیح ہے یا غلط۔ اس حوالے سے یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آگئی ہوگی۔ کہ حضرت علیؓ زکوٰۃ میں ناقص چیز، بیکار جنس، اور لاغر و بیمار جانور قبول فرمانے کے سختی سے مخالف تھے۔ کیونکہ یہ امر نہ صرف یہ کہ خلافِ شریعت تھا۔ بلکہ اس سے بیت المال کو بجائے فائدے کے نقصان پہنچ سکتا تھا۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ زکوٰۃ کی وصولی میں اخلاق و شرافت، عدل و انصاف، اور انسانیت کے زرین اصولوں کو توڑنا کسی حالت میں پسند نہ کرتے تھے۔ وہ یہ امر اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر زکوٰۃ یا مالگذاری کی وصولیابی میں ناانصافی اور ناجائز سختی کی گئی۔ تو لوگ دل برداشتہ ہو جائینگے ملک کا امن و سکون رخصت ہو جائے گا۔ بعض لوگ بغاوت اور سرکشی اختیار کرینگے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا اثر زراعت و معیشت پر بھی پڑے۔ کیونکہ جب لوگ دیکھیں گے کہ ہماری بوئی اور کاٹی ہوئی فصل حکومت کے کارندے بڑی بے دردی سے اٹھالے جاتے ہیں۔ تو لازمی بات ہے کہ وہ زراعت پر پہلی سی محنت کرنا چھوڑ دیں گے۔ بلاشبہ یہ امور ایسے ہیں۔ جو ایک اعلیٰ درجہ کے فرمانروا اور منتظم و مدبر ہی اپنے پیش نظر رکھ سکتا ہے۔ اس حوالے سے اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کا دل محبت و شفقت کا سرچشمہ تھا۔ وہ ایذا رسانی کسی حالت میں پسند نہ کرتے تھے۔ خواہ وہ جانوروں ہی کو پہنچائی جائے۔ انہیں اپنی حدودِ سلطنت میں بسنے والے انسانوں کے ساتھ ساتھ بے زبان جانوروں کا بھی خیال تھا اور

ان کا دل بڑا درد مند دل تھا۔ ایک نازک اور حساس دل جس کے تار معمولی جنبش سے بھی جھنجھنا اٹھتے تھے۔

فوجی انتظامات

حضرت علیؓ اپنے دور کے بہت بڑے نبرد آزما تھے۔ وہ میدان جنگ کے مرد اور شمشیر زنی میں فرد تھے۔ ان کی زندگی کا بہت بڑا حصہ غنیم سے لڑنے اور اس کی سرکوبی کرنے میں گذرا۔ ان کے عہدِ خلافت میں بھی بکثرت جنگیں ہوئیں اور بدقسمتی سے ان کی حدود سلطنت میں برپا ہوئیں۔ اس لئے انہوں نے ان تمام مقامات پر فوجی چوکیاں قائم کیں۔ جو حضرت امیر معاویہؓ کی سرحدِ مملکت کے قریب واقع تھے۔ چنانچہ شام کی سرحدوں پر حضرت علیؓ کی قائم کردہ فوجی چوکیوں کا سلسلہ خاصہ طویل تھا۔ ان چوکیوں میں سامانِ جنگ سے لیس مضبوط فوجیں کافی تعداد میں موجود رہتی تھیں، اور سرحدوں کی حفاظت کرتی تھیں۔ اگر کبھی ان چوکیوں میں مقیم فوج کسی وجہ سے دشمن کا مقابلہ کرنے میں ناکام ثابت ہوتی تھی۔ تو اندرونِ ملک کی چھاؤنیوں سے تازہ دم فوجیں بھیج دی جاتی تھیں جو دشمن کی فوج کو پسپا کر دیتی تھیں۔

حضرت علیؓ کو خانہ جنگیوں میں پھنسا ہوا دیکھکر ایران میں بھی باغیوں اور شورش پسندوں نے سر اٹھایا۔ اس لئے ضرورت پیش آئی کہ وہاں بھی مضبوط فوجی نظام قائم کیا جائے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے زیاد بن ابی سفیان کو ہدایت فرمائی کہ فارس کے مختلف مقامات پر جہاں شورش یا حملوں کا اندیشہ ہو مضبوط قلعے تعمیر کرو اور اس میں کافی مقدار میں اسلحہ اور فوج محفوظ کر دو۔ زیاد نے حضرت علیؓ کے فرمان

کی تعمیل میں متعدد قلعے تعمیر کروائے۔ جن میں سے اصطخر کا قلعہ اپنی وسعت اور پائداری کے اعتبار سے بہت مشہور ہے (طبری کی تاریخ)

جب حضرت علیؓ کو حضرت معاویہؓ سے جنگ کرنے صفین جانا پڑا اور لڑائی نے طول کھینچا تو آپ نے فوج کی آمد و رفت میں آسانی پیدا کرنے کے لئے دریائے فرات پر ایک مضبوط پل تعمیر کروایا۔ اس پُل نے جنگی ضروریات کو بڑی خوبی سے پورا کیا۔
(طبری کی تاریخ)

حضرت علیؓ کے عہد میں فوج دو قسم کی ہوتی تھی۔ ایک وہ جو باقاعدہ تنخواہ دار ہوتی تھی اور مستقل طور پر چھاؤنیوں میں رہتی تھی، یا ایام جنگ میں مختلف محاذوں پر۔ فوج کی دوسری قسم وہ تھی جسے ہنگامی فوج کہنا چاہیئے۔ یہ اس وقت قائم کی جاتی تھی۔ جب کوئی لڑائی پیش آتی تھی۔ اس کا طریق یہ تھا کہ حضرت علیؓ کے معتمد اور داعی ملک کے مختلف حصوں میں جا کر وہاں کی مساجد میں لوگوں کو جمع کرتے تھے اور حضرت علیؓ کا فرمان سُنا کر انہیں محاذ جنگ پر چلنے کی تحریک کرتے تھے۔ اس موقعہ پر فصاحت و بلاغت اور جوشیلی تقریروں سے لوگوں کا خون گرمایا جاتا تھا۔ چنانچہ جب حضرت عائشہؓ کے ساتھ مقابلہ پیش آیا تھا۔ تو حضرت علیؓ نے حضرت امام حسنؓ کو حضرت عمارؓ بن یاسر کے ساتھ اسی مقصد سے کوفہ بھیجا تھا۔ ان حضرات نے کوفہ کی مسجد میں اس قدر جوشیلی تقریریں کی تھیں۔ کہ حضرت ابو موسیٰؓ اشعری گورنر کوفہ کی رکاوٹ کے باوجود نو ہزار کا لشکر حضرت علیؓ کی حمایت میں روانہ ہو گیا تھا۔ اس لشکر کی نوعیت بھی ہنگامی تھی۔ کیونکہ اس فوج کے لوگ حکومت کے تنخواہ دار ملازم نہ تھے۔ بلکہ وقتی طور پر حاکم وقت کی مدد کے لیئے رضاکارانہ طور پر گئے تھے۔ رضاکارانہ طور پر جانے والے لوگوں

کی خوراک حکومت کے ذمہ ہوتی تھی اور اسلحہ بھی حکومت ہی سپلائی کرتی تھی۔ سوائے اس کے کہ کوئی شخص اپنا اسلحہ خود اپنے ہمراہ لے جائے۔ یہ لوگ جب تک محاذ جنگ پر رہتے تھے۔ ان کے اہل وعیال اور متعلقین کے اخراجات حکومت کے ذمے ہوتے تھے۔

حضرت علیؓ کے عہد میں لڑائی کے لئے جو ہتھیار استعمال ہوتے تھے۔ ان میں سے تیر، تلوار، نیزے اور پیش قبض قابل ذکر ہیں۔ اونٹ اور گھوڑے، سامانِ رسد اور ہتھیار پہنچانے کے لئے استعمال کئے جاتے تھے اور گھوڑے شہ سواروں کو اپنی پیٹھ پر بٹھا کر دشمن کی صفوں کو روندتے ہوئے فوج کے قلب میں گھس جاتے تھے۔

بیت المال

بیت المال مسلمانوں کا قومی بینک ہوتا تھا۔ اسلامی تعلیم کی رُو سے خلیفہ کو اس پر تصرف بیجا کا کوئی حق نہ تھا۔ افسوس کہ خلفائے راشدین کے بعد اس قومی بینک کی مٹی بُری طرح پلید ہوئی۔ اور ہر خلیفہ (برائے نام) نے سوائے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے (اللہ تعالےٰ کی ہزار ہزار رحمتیں ہوں ان کی روح پر) اسے ذاتی جاگیر کی حیثیت دے دی۔ اسے جس طرح چاہا استعمال کیا۔

حضرت علیؓ نے بیت المال کے معاملے میں غیر معمولی دیانت اور احتیاط سے کام لیا جس کی نظیر شاید ہی مل سکے۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت علیؓ کے زمانے کا بیت المال ویسا نہ تھا جیسا حضرت عمرؓ کے زمانے کا تھا کیونکہ ایک تو سلطنت کے دو بڑے حصے شام اور مصر جو آمدنی کے اعتبار سے بڑے زرخیز تھے۔ حضرت علیؓ کے قبضے سے نکل گئے تھے۔ دوسرے خانہ جنگیوں نے بھی اس کی حالت خراب کردی تھی۔ مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جو کچھ بھی تھا۔ اسے حضرت علیؓ

نے بڑی احتیاط سے صرف کیا۔ انہوں نے مستحقین پر غیر مستحقین
کو کبھی ترجیح نہ دی۔ انتہا یہ ہے کہ اپنی ذات پر بھی بیت المال
سے اتنا کم خرچ کیا کہ آج اس پر یقین کرنا بھی مشکل ہے۔

ذاتی خرچ

حضرت علیؓ بیت المال سے اپنے لئے کیا لیتے تھے؟ اس کا اندازہ کرنے کے لئے
ذیل کی مستند روایات کافی ہیں۔

عبدالرحمٰن بن بکر کا بیان ہے کہ علیؓ بیت المال میں سے قمیص، جبہ اور تہ بند کے
سوائے کچھ نہ لیتے تھے۔ کپڑوں میں پیوند لگا کر استعمال کرتے تھے۔ تاکہ زیادہ عرصہ تک چلیں۔
عبدالرحمٰن کا یہ بیان صرف لباس کے متعلق ہے۔ غذا کے متعلق ایک دوسری روایت بیان
کی گئی ہے جس کا ذکر آئے گا۔

ہارون بن عنترہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میرے والد حضرت علیؓ کی خدمت میں
حاضر ہوئے۔ ان دنوں حضرت علیؓ رحبہ میں مقیم تھے۔ اسی اثنا میں عنبران آیا اور حضرت علیؓ
سے عرض کیا کہ آپ اور آپ کا خاندان بیت المال پر کچھ حق رکھتا ہے۔ میں نے آپ کا حصہ
اس میں سے نکال لیا ہے۔ حضرت علیؓ نے دریافت کیا کون سی چیز نکالی ہے۔ اس پر
عنبران نہیں مکان میں لے گیا اور ایک برتن دکھایا جس میں سونا چاندی بھرا تھا۔ حضرت علیؓ
عنبران پر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ کیا تو میرے گھر کو آگ سے بھرنا چاہتا ہے۔ اس
کے بعد اس سونے چاندی کو تلوا کر مستحقین میں تقسیم کر دیا۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ حضرت علیؓ جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ دوران خطبہ

میں آپ کی نظر حضرات حسنؓ و حسینؓ پر پڑی۔ جو نہایت قیمتی چادریں اوڑھے ہوئے تھے حضرت علیؓ نے خطبہ ملتوی کر دیا اور دونوں صاحبزادوں سے دریافت کیا کہ یہ چادریں کہاں سے آئیں۔ دونوں میں سے کسی ایک صاحبزادے نے عرض کیا کہ فلاں رئیس نے "تحفۃً" دی ہیں۔ حضرت علیؓ نے وہ چادریں دونوں کے جسم پر سے اسی وقت اتروا کر بیت المال میں جمع کروا دیں۔

انتہائے احتیاط

حضرت علیؓ بیت المال کے معاملے میں حد درجہ احتیاط کرتے تھے اور اتنا بھی گوارا نہ فرماتے تھے کہ دوسرے مستحقین کا حصہ دینے سے پہلے ان کے افراد خاندان میں سے کوئی شخص اپنا حصہ لے لے اور نہ اس کی اجازت دیتے تھے کہ وہ از خود اس میں سے کچھ نکال لیں۔ چنانچہ اسی قسم کا ایک واقعہ جو بڑا سبق آموز ہے اور اس بڑے انسان کے کردار پر روشنی ڈالتا ہے۔ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

ایک بار حضرت علیؓ کے پاس یمن سے شہد کی بھری ہوئی کچھ مشکیں آئیں۔ اسی دوران میں حضرت امام حسنؓ کے مہمان بھی آ گئے۔ ان کی مہمان نوازی کے لئے حضرت حسنؓ نے روٹی تو بازار سے منگوالی اور حضرت علیؓ کے غلام قنبر سے کہا کہ ایک مشک کھول کر تھوڑا سا شہد لے آؤ۔ جب حضرت علیؓ تشریف لائے اور شہد تقسیم کرنے کے لئے بیٹھے تو ایک مشک کی طرف دیکھکر قنبر سے فرمایا کہ اس میں کچھ فتور معلوم ہوتا ہے۔ قنبر نے عرض کیا کہ امیرالمومنین کا خیال صحیح ہے اور پھر حضرت حسنؓ کے شہد لینے کا واقعہ بیان کر دیا۔ یہ سنکر حضرت علیؓ کو بے حد قلق ہوا اور حضرت حسنؓ پر سخت غصہ آیا۔ فوراً انہیں بلوایا اور چاہا کہ سزا دیں مگر حضرت حسن نے حضرت جعفرؓ کی قسم دے دی۔ حضرت علیؓ کو جب کوئی حضرت جعفرؓ کی قسم

دیر تیا تھا تو آپ کا غصہ فرو ہو جاتا تھا) حضرت علیؑ نے ضبط کر کے آپ سے پوچھا۔ کہ تقسیم عام سے پہلے تمہیں شہد لینے کی جرأت کیسے ہوئی۔ حضرت حسنؑ نے فرمایا کہ اس میں ہمارا بھی تو حق ہے۔ میں نے یہ سمجھ کر تھوڑا سا شہد نکال لیا تھا کہ جب ہمارا حصہ ملے گا تو اس میں سے اسی قدر شہد واپس کر دوں گا۔

حضرت علیؑ نے فرمایا کہ یہ ٹھیک ہے کہ اس میں تمہارا بھی حق ہے مگر تمہیں یہ حق کیسے ملا کہ تم دوسروں سے پہلے اپنا حق لے لو۔ اس کے بعد آپ نے ایک درہم دے کر قنبر کو بازار بھیجا اور فرمایا کہ خالص شہد خرید کر لاؤ۔ قنبر شہد لایا۔ حضرت علیؑ نے مشک کا منہ کھولا۔ قنبر شہد ڈالتا جاتا تھا اور حضرت علیؑ رو رو کر کہتے جاتے تھے کہ :۔

"اے خدا تو حسنؑ کو معاف کر دے اس نے ناسمجھی میں ایسا کیا!" (مطالب السئول)

ایک اور واقعہ

حضرت علیؑ کے عامل اصفہان عمرو بن سلمہ اصفہان سے خراج وصول کر کے لائے پیشتر اس سے کہ وہ یہ خراج حضرت علیؑ کی خدمت میں پیش کرتے۔ ام کلثومؑ بنت علیؑ نے عمرو بن سلمہ کو پیغام بھیجا کہ مجھے تھوڑا سا گھی اور کچھ شہد بھیج دو۔ عمرو بن سلمہ نے ایک برتن گھی اور دوسرا شہد سے بھر کر ام کلثومؑ کی خدمت میں بھیج دیا۔ دوسرے دن جب حضرت علیؑ کے سامنے مال و اسباب پیش ہوا۔ تو آپ نے اس کا شمار کیا۔ ایک مشک گھی کی اور ایک شہد کی ٹوٹی ہوئی تھی آپ نے عمرو سے جواب طلبی کی۔ اس نے بتایا کہ ام کلثومؑ کے حکم کی تعمیل میں کچھ گھی اور شہد ان کی خدمت میں بھجوایا تھا۔ اس لئے یہ مشکیں ٹوٹی ہوئی ہیں۔ حضرت علیؑ نے اسی وقت یہ دونوں مشکیں پڑتال کرنے والوں کے پاس بھجوائیں کہ وہ نقصان کا اندازہ کریں۔ اندازہ کرنے والوں نے رپورٹ کی کہ پانچ درہم کا نقصان ہوا ہے۔ حضرت علیؑ

نے فوراً ام کلثومؓ کے نام حکم بھیجا کہ تمہاری وجہ سے بیت المال کو پانچ درہم کا نقصان پہنچا ہے۔ اس لئے فوراً یہ رقم بھیجو اور اپنی چہیتی بیٹی سے یہ رقم وصول کر کے ہی دم لیا۔ ("الکامل" ابن اثیر)

بھائی کو چھوڑ دیا

بیت المال کے سلسلے میں حضرت علیؓ کی سختی اور احتیاط کے یوں تو بیسیوں واقعات ملتے ہیں مگر ایک واقعہ خاص طور سے قابل ذکر ہے جو ان کے کردار کو سمجھنے میں جہاں بہت کافی مدد دیتا ہے وہاں پڑھنے والے کے دل پر ان کی عظمتِ کردار کا سکہ بھی بٹھا دیتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ :-

حضرت علیؓ کے حقیقی بھائی حضرت عقیلؓ ایک بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی تکالیف اور ضروریات بیان کر کے امداد کے طالب ہوئے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ کہ میرے پاس تو کچھ نہیں ہے انتظار کرو جب سب کو ان کا حصہ دیا جائے گا اس وقت تمہارا حصہ تمہیں بھی مل جائے گا۔ مگر حضرت عقیلؓ ضد کرنے لگے کہ نہیں مجھے تو اسی وقت دیدو۔ یہ سُن کر حضرت علیؓ کو غصہ آگیا اور انہوں نے ایک شخص سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ انہیں بازار میں لے جاؤ اور کہدو کہ دوکانوں کے قفل توڑ کر جو کچھ ملے نکال لیں۔ عقیلؓ نے کہا آپ مجھ سے چوریاں کروانا چاہتے ہیں۔

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تم مجھ سے چوری کروانا چاہتے ہو؟ کیا یہ چوری نہیں ہے کہ میں مسلمانوں کے مال میں سے تمہیں حصہ دیدوں۔ عقیلؓ نے کہا کہ میں معاویہؓ کے پاس چلا جاؤں گا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا تمہیں اختیار ہے۔ اور پھر حضرت عقیلؓ حضرت معاویہؓ کے پاس چلے گئے۔

حضرت علیؓ نے بھائی کو چھوڑ دیا مگر اصول نہ چھوڑا۔ بیت المال کی کنجیاں ان کے پاس رہتی تھیں۔ اگر وہ بھائی کی رضامندی عزیز رکھتے۔ تو بآسانی انہیں کچھ دیدیتے اور کوئی ان سے پوچھنے والا نہ تھا۔ مگر حضرت علیؓ کا کردار اس کی اجازت نہ دیتا تھا کہ دوسرے مسلمان تو تکلیف اٹھائیں اور ان کا بھائی بیت المال کے روپیہ سے اپنی ضروریات پوری کرتا رہے۔ صرف اس لئے کہ وہ ان کا بھائی ہے اور دوسرے مسلمان ان کے بھائی نہ تھے۔ نسلی یا خونی تعلق کی بنا پر ترجیح حضرت علیؓ کی نظر میں کوئی معنی نہ رکھتی تھی۔ وہ حقیقی مساوات کے علم بردار تھے۔ وہ مساوات جس کے نعرہ لگانے والے آج لاکھوں ہیں مگر اس پر عمل پیرا ہونے والا ایک بھی نہیں۔

شیر خوار کا حق

حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت میں بیت المال سے ہر شخص کی تنخواہ مقرر تھی۔ گو بیت المال کی حالت خراب ہونے کی وجہ سے یہ تنخواہ خاطر خواہ نہ تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مگر جس وقت بیت المال میں روپیہ آتا تھا۔ حضرت علیؓ منادی کروا دیتے تھے اور لوگ آ آکر اپنی تنخواہیں لے جاتے تھے۔ یہ تنخواہ صرف جوانوں یا بوڑھوں ہی کو نہ ملتی تھی۔ بلکہ لڑکوں اور بچوں یہاں تک کہ شیر خوار بچوں کو بھی ملتی تھی۔

چنانچہ اُمّ علا کا بیان ہے کہ میں بہت چھوٹی تھی۔ کہ میرے والد مجھے حضرت علیؓ کی خدمت میں لے گئے۔ حضرت علیؓ نے میری تنخواہ مقرر فرمائی اور یہ بھی کہا کہ دودھ پینے والے بچے کا بھی ویسا ہی حق ہے جیسا گوشت روٹی کھانے والے کا۔ دودھ پینے والے بچے پر روٹی کھانے والے بچے کو کوئی فوقیت نہیں۔

اسی طرح ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ مجھ سے خشم کے ایک شخص نے بیان کیا کہ جب اس کے

گھر بچہ پیدا ہوا۔ تو وہ اسے لے کر حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت علیؓ نے اس بچے کے لئے سو درہم تنخواہ مقرر فرما دی۔

عمال کی نگرانی

حضرت علیؓ جن لوگوں کو صوبوں کی گورنری، خراج کی وصولی یا دوسرے کاموں پر مقرر فرماتے تھے۔ پہلے ان کی امانت و دیانت، زہد و تقویٰ اور کیفیت مزاج کا جائزہ لے لیتے تھے پھر ان کے نام پروانہ جاری کرتے تھے۔ مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ان کے نام حکومت کا پروانہ جاری کر کے وہ اطمینان سے بیٹھ جاتے تھے۔ ایسا نہیں تھا۔ بلکہ وہ ظاہرا اور خفیہ دونوں طریقوں سے ان کے اعمال و کردار کا جائزہ لیتے رہتے تھے۔ کتاب الخراج میں ہے کہ ایک بار حضرت علیؓ نے اپنی سلطنت کے تمام عمال و افسران کے اعمال و کردار کی تحقیق کروائی۔ (کتاب الخراج)

کیونکہ حکام مقرر کر دینے کے بعد ان کے طرز عمل سے غافل ہو جانا اور انہیں کھلی چھٹی دے دینا رموزِ مملکت سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ تاریخ گواہی دیتی ہے کہ اعلےٰ حکام کی حرکات و اعمال کی کڑی نگرانی نہ کرنے کی وجہ سے کیسی کیسی رفیع الشان اور پرشوکت سلطنتیں تباہ ہو گئیں اور کیسے کیسے جلیل القدر بادشاہوں کو تاج و تخت سے محروم ہونا پڑا۔

حضرت علیؓ ان لوگوں میں سے نہ تھے جو رموزِ مملکت کی باریکیوں سے ناواقف ہوتے ہیں۔ انہیں اس امر کا بھی احساس تھا کہ اگر حکام اعلیٰ کے ہر فعل کا محاسبہ نہ کیا گیا تو نہ صرف یہ کہ خود ان کی پوزیشن خطرے میں پڑ جائے گی۔ بلکہ مملکت کا شیرازہ بھی درہم برہم ہو جائیگا اس غفلت کا نتیجہ یہ ہو گا کہ عوام حکام بالا کے ہاتھوں طرح طرح کے مصائب میں مبتلا ہو جائینگے اور امن و امان مفقود ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ عمال کی حرکات و سکنات سے کبھی

غافل نہ رہے۔ ان کے فرامین در قعات اس کا کھلا ہوا... ثبوت ہیں۔ وہ جب کسی شخص کو کسی صوبہ کا گورنر بنا کر بھیجتے تو ہمیشہ رعایا کے حال سے باخبر رہنے اور عدل و انصاف کے راستے پر چلنے کی تلقین فرماتے اور اس کے بعد وقتاً فوقتاً ہدایات بھی بھیجتے رہتے وہ صرف اسی پر اکتفا نہ کرتے۔ بلکہ یہ دیکھنے کے لئے کہ ان کی ہدایات پر عمل ہو بھی رہا ہے یا نہیں۔ اپنے معتمدین کو مامور کرتے جو مختلف صوبوں میں جا کر حالات کا جائزہ لیتے اور حضرت علیؓ کو تمام خفیہ اطلاعات بھیجتے۔ اس اعتبار سے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت علیؓ کے نظام سلطنت میں خفیہ پولیس کے محکمے کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ ذیل میں ان کا ایک فرمان درج کیا جاتا ہے۔ جب حضرت علیؓ نے کعب بن مالک کو عراق بھیجا تو انہیں یہ ہدایت کی کہ:۔

"تم اپنے اصحاب کی ایک جماعت لے کر عراق جاؤ اور وہاں کے ہر ضلع میں گھوم پھر کر عمال کی حرکات و اعمال کا جائزہ لو۔"

ایک اور فرمان زیاد بن ابیہ کے نام جب وہ بصرہ کے گورنر تھے ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت علیؓ عمال کے معاملہ میں کس قدر سخت گیر تھے۔

زیاد کے نام

"قسم کھاتا ہوں۔ سچی قسم کہ مسلمانوں کے معاملے میں تیری ذرا سی بھی خیانت سن لوں گا تو ایسی شدت سے پیش آؤں گا کہ تو بے سر و سامان ہو کر رہ جائے گا۔ تیری پیٹھ بوجھل ہو جائے گی اور تو کہیں کا بھی نہ رہیگا۔" (نہج البلاغۃ۔ اردو ترجمہ)

عمال کے معاملے میں سخت گیری اور احتیاط کا یہ عالم تھا کہ اگر حضرت علیؓ کو ذرا سا بھی شبہ ہو جاتا تھا کہ فلاں گورنر عدل و انصاف کا خون کر رہا ہے۔ رعایا کو ناجائز تنگ کر رہا ہے۔

یا اس کے حقوق غصب کر رہا ہے۔ تو نہ صرف اس سے باز پرس فرماتے بلکہ ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر اسے معزول کر دیتے تھے۔ چنانچہ تاریخ بتاتی ہے کہ ایسا ہی ایک واقعہ منذر بن الجارود عبدی کے بارے میں پیش آیا۔ ابن الجارود حضرت علیؓ کی طرف سے کسی علاقے کا حاکم تھا مگر اس کے متعلق شکایت موصول ہوئی کہ یہ بہت مغرور ہے اور امانت میں خیانت بھی کرتا ہے۔ حضرت علیؓ نے بلا توقف اس کے نام ذیل کا فرمان لکھا:۔

ابن الجارود کے نام

"تیرے باپ کی نیکی نے مجھے تیرے بارے میں دھوکا دیدیا۔ میں سمجھتا تھا کہ تو بھی اپنے باپ کی راہ پر چلتا ہوگا۔ تیری روش بھی اس جیسی ہوگی۔ مگر جیسا کہ مجھے خبر ملی ہے۔ تو نہ اپنی خواہش کو لگام لگاتا ہے نہ آخرت کے لئے کوئی توشہ باقی رکھتا ہے۔ اپنی دنیا بنانے کے لئے اپنی عقبیٰ برباد کر رہا ہے۔ کنبہ پروری پر اپنا دین قربان کر رہا ہے۔ اگر وہ سب سچ ہے۔ جو تیری نسبت مجھے معلوم ہوا ہے تو تیرے گھر کا اونٹ اور تیرے پہننے کی جوتی کا تسمہ بھی تجھ سے بہتر ہے۔ جو کوئی تیرے جیسا ہو اس پر نہ کسی قلعے کی حفاظت میں بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ نہ کسی مہم پر اسے مامور کیا جا سکتا ہے۔ نہ اسکی قدر بڑھانا ٹھیک ہو سکتا ہے۔ نہ کسی امانت میں اس کی شرکت گوارا کی جا سکتی ہے۔ نہ کسی خیانت سے محفوظ رہنے کی اس سے امید کی جا سکتی ہے۔ یہ خط پاتے ہی میرے پاس چلا آ۔" (نہج البلاغۃ اردو ترجمہ)

ذاتی نگرانی

عمال کی نگرانی اور ان کی سخت باز پرس کرنے کا نتیجہ تھا کہ گورنر اور افسران سے ڈرتے تھے کبھی ایسا بھی ہوا کہ بعض افسر حضرت علیؓ کی سختی کی تاب نہ لا کر اپنے عہدوں سے دست بردار

ہوگئے۔ بعض بغیر دربارِ خلافت میں حاضری دیئے ہی فرار ہوگئے۔ حضرت علیؓ کی اس سختی سے گھبرا کر کچھ لوگ حضرت معاویہؓ کے پاس چلے گئے۔ کیونکہ وہاں دونوں ہاتھوں سے دولت لٹ رہی تھی حضرت علیؓ نے یہ سب گوارا کیا۔ مگر بددیانتی اور گورنروں کی بدکرداری سے اغماض گوارا نہ کیا۔ وہ صرف دوسروں پر سختی کرنے یا انہیں ان کے فرائض امانت و دیانت سے ادا کرنے کی تلقین ہی نہ کرتے۔ بلکہ خود بھی اس فرض کو ادا کرتے۔ وہ دارالخلافہ کوفہ کے بازاروں کی خود نگرانی کرتے۔ دوکانداروں کو کم تولنے سے منع کرتے اور ان کے ترازو باٹ کی پڑتال کرتے۔ استیعاب میں ہے کہ:۔

"حضرت علیؓ ہاتھ میں دُرہ لئے بازاروں میں پھرتے اور لوگوں کو پورا تولنے، صحیح پیمانے رکھنے، حسن معاملہ اور نیکی کی تلقین کرتے۔" (استیعاب تذکرہ حضرت علیؓ)

مساوات

موجودہ دور میں ہر طرف مساوات کا شور ہے۔ عوام نالاں ہیں کہ ہمارے ساتھ مساوات کا سلوک نہیں ہوتا اور خواص کا دعویٰ ہے کہ ہم سے زیادہ مساوات کا سلوک کوئی کر ہی نہیں سکتا۔ ہر طبقہ اور ہر ملک مساوات کا حامی ہے۔ لیکن ایسے کتنے ہیں جو مساوات کو اس کی حقیقی شکل میں پیش کر رہے ہیں۔ اس کا جواب دینا مشکل ہے۔ لیکن اگر کوئی پوچھے کہ گذشتہ عہد سے مساوات کا کوئی نمونہ پیش کیا جا سکتا ہے؟ تو اس کا جواب دینا اتنا ہی آسان ہے، جتنا ہاتھ کا ہوا میں لہرا دینا۔ عہدِ رسالتؐ سے لے کر خلفائے راشدینؓ تک اس کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں۔ اس وقت ذکر حضرت علیؓ کا ہو رہا ہے۔ اس لئے انہیں کے طریق مساوات کے متعلق کچھ عرض کیا جائے گا۔

حضرت علیؓ سے پہلے خصوصاً حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں عطایا کی تقسیم کے معاملے

میں ترجیحی سلوک کیا جاتا تھا۔ مگر یہ سلوک ایسا نہ تھا کہ اس پر حرف گیری کی جائے۔ یہ حضرت عمرؓ کا اجتہاد تھا۔ ان کے نزدیک جس شخص نے خدمت اسلام میں دوسرے سے زیادہ حصہ لیا، عطایا کے وقت بھی وہ دوسروں سے زیادہ لینے کا مستحق تھا۔ وہ عمر بھر اسی راستے پر گامزن رہے اور کسی کو اعتراض پیدا نہ ہوا نہ اعتراض کی گنجائش تھی۔ مگر جب حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اپنے اجتہاد سے یہ فیصلہ کیا کہ بیت المال مسلمانوں کی امانت ہے اس میں سب برابر کے شریک ہیں۔ اس لئے اس کی تقسیم بھی برابر ہونی چاہیئے۔ ان کے نزدیک رزق کا مسئلہ ایسا نہ تھا جس میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دی جاتی۔ زندگی کی بنیادی ضرورتیں سب کی ایک جیسی ہی ہوتی ہیں۔ سوائے اس کے کہ کوئی شخص تن آسان ہو کر ان میں اضافہ کر لے۔ اس طرح تو قارون کا خزانہ بھی خالی ہو سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے عطایا کے معاملے میں سب کے ساتھ مساوات کا سلوک کیا مگر جو لوگ پہلے سے ترجیحی سلوک کے عادی تھے۔ انہیں حضرت علیؓ کا یہ طریق کار بدعت معلوم ہوا اور انہوں نے اس کے خلاف احتجاج کیا۔ اس کے جواب میں حضرت علیؓ نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا:۔

"کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جن لوگوں نے مجھے زمام دار بنایا ہے، ان پر ظلم و جور کرنے میں تمہاری امداد اور نصرت طلب کروں؟ خدا کی قسم میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ جب تک زمانہ کی کہانی چل رہی ہے، اور ایک ستارہ دوسرے ستارہ کو کھینچ رہا ہے، اور اگر یہ مال میرا (ذاتی) مال ہوتا۔ تب بھی میں ایسے (لوگوں میں) برابر برابر تقسیم کرتا (پھر تقسیم میں امتیاز کیونکر رکھ سکتا ہوں) جبکہ یہ مال (میرا ذاتی) نہیں بلکہ مال خدا ہے۔" (نہج البلاغہ۔ اردو ترجمہ)

اور تاریخ نے ثابت کر دیا کہ یہ حضرت علیؓ کا صرف زبانی دعویٰ ہی نہیں تھا، بلکہ انہوں نے اپنے عمل سے اسے صحیح کر دکھایا۔ ایک مثال بھی ایسی پیش نہیں کی جا سکتی جس سے ان کے قول و فعل میں عدم تطابق ثابت ہو۔ انہوں نے اپنے کسی رشتہ دار کو بیت المال سے دوسروں کے مقابلے میں ایک کوڑی زیادہ نہیں دی۔ انتہا یہ ہے کہ اپنے برادر حقیقی حضرت عقیلؓ کی مفارقت گوارا کر لی مگر اصولِ مساوات کی پامالی گوارا نہ کی۔ انہوں نے روکھی سوکھی کھائی اور موٹا جھوٹا پہنا مگر ایک پائی زیادہ نہیں لی۔ انہوں نے اپنے بیٹے اور بیٹی تک کو ایک قطرہ گھی یا شہد کا زیادہ نہیں لینے دیا اور کبھی ایسا ہوا تو بڑی سختی سے بازپرس کی — یہ تھی علیؓ کی مساوات۔

رعایا سے حسن سلوک

حضرت علیؓ اس نکتہ سے بخوبی واقف تھے کہ سلطنت کے استحکام اور عوام کا تعاون حاصل کرنے کی سب سے پہلی شرط رعایا کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کی خبر گیری ہے۔ وہ اپنی رعایا کے حال سے باخبر رہنے کی پوری کوشش کرتے تھے اور ان کی شکایات دور کرنے کی پوری سعی فرماتے تھے۔ باوجودیکہ ان کا عہد خلافت جنگ ہی کرتے گذرا اور انہیں سلطنت کے انتظام و انصرام کی طرف متوجہ ہونے کا پورا موقع نہ ملا۔ مگر پھر بھی تاریخ شاہد ہے اور حضرت علیؓ کے فرمان اس خیال کی تائید کرتے ہیں کہ وہ رعایا کی خبر گیری، ان کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ عدل و انصاف کے تقاضے پورا کرنے میں کبھی کوتاہی نہ فرماتے تھے۔ چنانچہ عامر الشعبی کا بیان ہے کہ :-

سودہ بنت عمارہ بن الاشتر ایک بار حضرت امیر معاویہؓ کے دربار میں گئیں۔ حضرت امیر معاویہؓ نے ان کی خیریت دریافت کی۔ اس کے بعد ان اشعار کے متعلق پوچھا

جو انہوں نے جنگ صفین میں حضرت علیؓ کی طرف سے پڑھے تھے۔ سودہ نے کہا کہ اب ان واقعات کو بھول جائیے اور مجھے معاف کر دیجئے۔ حضرت معاویہؓ نے معاف کر دیا اور دریافت کیا کہ تم کیا حاجت لے کر آئی ہو۔ سودہ نے کہا اے امیر! اب آپ ہی ہمارے سردار ہیں، اور تمام امور کی ذمہ داری آپ ہی پر ہے۔ آپ پر جو ہمارے حقوق ہیں ان کے متعلق آپ خدا کے سامنے جواب دہ ہیں۔ آپ نے ہم پر ہمیشہ ایسے عاملوں کو بھیجا جو آپ کی شان و شوکت کی وجہ سے ہم پر حکومت کرتے رہے۔ وہ ہم کو فصل کی طرح کاٹتے رہے اور گائے کی طرح دوہتے رہے۔ اب ابن ارطاط ہم پر حاکم بنا کر بھیجا گیا ہے اس نے ہمارے مردوں کو مار ڈالا ہے ہمارے اموال چھین لئے ہیں۔ اگر اطاعت کا جذبہ مجبور نہ کرتا، تو ہم بھی صاحب عزت ہیں۔ اپنی مدافعت کر سکتے تھے۔ اگر آپ نے اسے معزول کر دیا تو ہم شکر گزار ہوں گے۔ ورنہ ہم سمجھ لیں گے۔

یہ سنکر حضرت معاویہؓ نے کہا کہ تو ہمیں اپنی قوم سے مرعوب کرنا چاہتی ہے۔ خدا کی قسم اگر میں چاہوں تو تجھے اسی کی طرف واپس کر دوں تاکہ وہ تم پر اپنا حکم چلائے۔

سودہ خاموش ہو گئیں اور پھر یہ شعر پڑھے:-

"اس روح پر خدا کی رحمت ہو۔ جو قبر سے بغلگیر ہو گئی۔ جو عدل و انصاف کرتا ہوا اس میں دفن ہوا۔"

حضرت معاویہؓ نے پوچھا وہ کون شخص ہے؟ سودہ نے جواب دیا کہ علیؓ بن ابی طالب۔ حضرت معاویہؓ نے کہا مگر مجھے تو اس کی مہربانی کا تجھ پر کوئی اثر نظر نہیں آتا۔ اس پر سودہ نے مندرجہ ذیل واقعہ سنایا۔

ایک دن میں اُن (حضرت علیؓ) کی خدمت میں ایک عامل کی شکایت لے کر

حاضر ہوئی۔ جسے انہوں نے زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر کیا تھا۔ اس وقت حضرت علیؓ نماز پڑھ رہے تھے۔ سلام پھیر کر نہایت آہستگی اور نرمی سے کہا کہ تو کوئی ضرورت لے کر آئی ہے؟ میں نے اس عامل کا سارا معاملہ بیان کیا۔ حضرت علیؓ سن کر رو پڑے پھر آسمان کی طرف سر اٹھایا اور کہا اے پروردگار عالم! تجھے خوب معلوم ہے کہ میں نے اپنے عاملوں کو تیرے بندوں پر ظلم کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اس کے بعد جیب سے ایک پرزہ نکالا۔ اس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد لکھا کہ:۔

"لاریب، تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس کھلی نشانیاں آئی ہیں۔ اس لئے تم ترازو اور پیمانوں کو پورا کرو اور رعایا کی چیزوں کی مقدار کم نہ کرو۔ اگر تم ایمان لے آئے ہو تو سنواری ہوئی زمین میں خرابی نہ پیدا کرو۔ جب تمہیں میرا خط ملے تو جو کچھ تمہارے پاس ہو اس کی نگرانی کرو۔ یہاں تک کہ حقدار اسے لینے کے لئے آجائے۔ والسلام"۔

سودہ کہتی ہیں کہ اس کے بعد حضرت علیؓ نے اس عامل کو معزول کر دیا۔ یہ سنکر امیر معاویہؓ نے اپنے کاتب سے کہا کہ تم بھی عامل کو لکھدو کہ اس عورت کے ساتھ عدل و انصاف سے کام لے۔ سودہ نے کہا کہ صرف میرے لئے یا میری قوم کے لئے بھی۔ حضرت معاویہؓ نے کہا تجھے دوسروں سے کیا غرض۔ سودہ نے جواب دیا کہ یہ بات تو بہت ملامت کی ہے۔ اگر عدل کرنا ہے تو سب کے ساتھ کرو۔ ورنہ جو سب کا حال وہ میرا حال۔ یہ سن کر حضرت معاویہؓ نے کہا کہ:۔

"علیؓ بن ابی طالب نے تم لوگوں کو یہ جرأت دلادی ہے کہ تم بادشاہوں کے روبرو گستاخی سے پیش آؤ"۔ (عقدالفرید)

حضرت امیر معاویہؓ کے مندرجہ بالا الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ ان حاکموں میں سے نہیں تھے۔ جن کے خوف جبروت کی وجہ سے سائلوں اور انصاف طلب لوگوں کی زبانیں گنگ ہو جائیں اور وہ ان کے دربار میں حاضر ہو کر اپنا مافی الضمیر بیان کرنے سے ہچکچائیں بلکہ وہ ان حاکموں میں سے تھے جن کے دربار میں ہر شخص کو تقریر کی آزادی ہوتی تھی اور امیر و فقیر ایک ہی سطح پر بات کرتے تھے۔

طریقِ عدالت

حضرت علیؓ بے حد انصاف پسند اور عادل حاکم تھے ان کی تمام زندگی عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرنے میں گذری۔ ایک بھی واقعہ ایسا نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ کوئی شخص ان کی بارگاہ میں فریاد لے کر گیا ہو اور مایوس واپس آیا ہو۔ وہ وقتاً فوقتاً اپنے عاملوں کے نام فرمان جاری کرتے رہتے تھے جن میں انہیں ہدایت کرتے تھے کہ خبردار کسی کے ساتھ زیادتی نہ ہونے پائے۔ ہر شخص سے انصاف سے پیش آؤ۔ حق دار کو اس کا حق دلاؤ۔ ہر شخص کے لئے اپنے دروازے کھلے رکھو اور اگر انہیں کسی گورنر کے متعلق یہ شکایت پہنچتی تھی کہ اس نے فلاں شخص پر زیادتی کی یا اس کا حق مار لیا تو وہ اسے معزول کرنے میں ایک لمحہ کا بھی توقف نہ کرتے تھے۔ صرف یہی نہیں کہ وہ دوسروں ہی کو عدل و انصاف کی تلقین فرماتے تھے۔ بلکہ خود بھی اس کا مکمل نمونہ تھے وہ خود عدل و انصاف کے تقاضوں اور عدالت کا بے حد احترام کرتے تھے۔ وہ امیر المومنین بھی تھے۔ عالم اسلام کے بہت بڑے حصے کے حاکم۔ اگر چاہتے تو اپنے معاملات عدالت میں پیش کئے بغیر خود ہی فیصلہ کر دیتے۔ کوئی ان کا کیا بگاڑ سکتا تھا۔ مگر علیؓ سے اس کی توقع نہ کی جا سکتی تھی۔ وہ علیؓ جو ایک صحت مند معاشرے کی بنیاد رکھنا چاہتے تھے

جو لوگوں کو قانون کا احترام کرنا سکھاتے تھے۔ وہ لاقانونی حرکات کا ارتکاب کیسے کر سکتے تھے۔ ان کی سیرت کا یہ پہلو چراغ شب تاب کی طرح روشن ہے۔ صرف ایک واقعہ اس کے لئے کافی ہے۔

جنگ صفین کے لئے روانہ ہوتے وقت حضرت علیؓ کی زرہ گم گئی۔ جب آپ جنگ سے واپس تشریف لائے۔ تو وہ گم شدہ زرہ ایک یہودی کے پاس دیکھی۔ آپ نے اس سے کہا کہ یہ زرہ تو میری ہے نہ میں نے کسی کو دی اور نہ کسی کے ہاتھ فروخت کی۔ پھر یہ تمہارے پاس کیسے آگئی۔ یہودی نے جواب دیا یہ زرہ میری ہے کیونکہ میرے قبضہ میں ہے۔ حضرت علیؓ نے معاملہ قاضی کے سامنے پیش کیا۔ اس وقت قضا کے عہدہ پر قاضی شریح متعین تھے۔ حضرت علیؓ یہودی کو لے کر قاضی کے پاس تشریف لے گئے۔ مگر یہودی کے برابر کھڑا ہونے کی بجائے قاضی کے پاس بیٹھ گئے۔ قاضی شریح نے حضرت علیؓ کی طرف تعجب سے دیکھا۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر میرا فریق مقدمہ یہودی نہ ہوتا تو میں اس کے برابر ہی کھڑا ہوتا۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سُنا ہے کہ جب یہودیوں کو خدا نے حقیر کیا ہے تو تم بھی انہیں حقیر سمجھو۔ اس کے بعد قاضی نے حضرت علیؓ سے معاملہ پیش کرنے کے لئے کہا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ یہ زرہ جو اس وقت یہودی کے قبضے میں ہے میری ہے اور نہ تو میں نے کسی کو دی اور نہ میں نے کسی کے ہاتھ فروخت کی۔ قاضی نے یہودی کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ تمہارے پاس اس ..... کا کیا جواب ہے؟ یہودی نے جواب دیا کہ یہ زرہ میری ہے۔ کیونکہ اس وقت میرے قبضے میں ہے۔ قاضی نے حضرت علیؓ سے پوچھا۔ کہ کیا آپ کے پاس کوئی گواہ ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میرا بیٹا حسنؓ اور میرا غلام قنبر میرے گواہ ہیں۔

قاضی نے ان دونوں کی گواہی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ باپ کے معاملہ میں بیٹے کی گواہی قبول نہیں کی جا سکتی۔ اور فیصلہ یہودی کے حق میں دیدیا۔

تاریخ شہادت دیتی ہے کہ اپنے خلاف فیصلہ سن کر حضرت علی کے ماتھے پر شکن تک نہ آئی اور نہ آپ نے اس فیصلے کے خلاف احتجاج کیا۔ بلکہ بے چون وچرا تسلیم کر لیا۔ البتہ اس فیصلے نے یہودی کو حیران کر دیا۔ وہ بے قابو ہو کر چیخ اٹھا اور کہنے لگا۔ آپ مجھے قاضی کے پاس لے آئے، حالانکہ آپ خلیفۂ وقت تھے اگر چاہتے تو مجھ سے جبراً زرہ لے لیتے۔ آپ امیر المومنین ہیں اور قاضی کے ساتھ یوں گفتگو کر رہے ہیں، جیسے ایک عام مدعی یا مدعا علیہ کرتا ہے۔ بلاشبہ آپ کے دین کی صداقت میں کوئی شک نہیں۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ یہ زرہ آپ ہی کی ہے۔ یہ کہہ کر وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ (مطالب السئول)

عدالت کی ذمہ داری

اس واقعہ سے اس امر کا اندازہ ہو گیا ہو گا کہ حضرت علیؓ عدالت کا کس قدر احترام کرتے تھے۔ ان کی نظر میں عدالت کا مقام کیا تھا؛ اور عدالت کی ذمہ داریاں کتنی نازک تھیں۔ اس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے:۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص حضرت علیؓ کے گھر مہمان ہوا۔ وہ کئی روز ان کے یہاں مقیم رہا۔ اسی دوران میں ایک دن ایسا بھی آیا جب وہ آپ کی عدالت میں کسی مقدمے کا فریق بن کر پیش ہوا۔ (عدالت کے خاتمے کے بعد جب آپ گھر تشریف لائے اور وہ سامنے آیا تو) آپ نے اس سے کہا کہ اب تم میرے یہاں سے چلے جاؤ۔ فریق مقدمہ، فریق مقدمہ کے ساتھ ہی ٹھہر سکتا ہے۔ (کنز العمال جلد سوم)

کیونکہ اس صورت میں حضرت علیؓ پر الزام آتا تھا۔ کہ وہ جج غیر جانبدارانہ فیصلہ

کیسے کر سکتا ہے۔ جو مقدمے کے ایک فریق کو اپنے گھر ٹھہرائے۔ یوں بھی یہ بات ایک فریق سے امتیازی سلوک کرنے کے مترادف تھی۔ جو عدل و انصاف کے نقطۂ نگاہ سے حد درجہ قابل اعتراض ہے۔

ذمیوں سے سلوک

حضرت علیؓ بڑے عالی ظرف اور وسیع القلب انسان تھے۔ وہ اسلام کے والہ و شیدا تو تھے مگر متعصب نہ تھے۔ ان کے نزدیک معاش، احتیاج اور عدل و انصاف کے نقطۂ نگاہ سے مسلم اور غیر مسلم دونوں یکساں سلوک کے مستحق تھے۔ چنانچہ وہ بیت المال پر صرف مسلمانوں کا حق نہ سمجھتے تھے۔ بلکہ اس میں سے عیسائیوں، یہودیوں اور مجوسیوں کو بھی عطا فرماتے۔ یہ معاملہ صرف ان کی ذات کے ساتھ خاص نہ تھا۔ بلکہ ان کی سلطنت کا نظام یہی تھا۔ انہوں نے اپنے ایک گورنر اشتر کو ایک بار خط لکھا۔ اس میں خراج کے متعلق جہاں اور بہت سی باتیں لکھیں وہاں یہ جملہ بھی لکھا "الناس کلھم عیالٌ علی الخراج" اس جملے میں لفظ "مسلم نہیں" "الناس" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس طرح حضرت علیؓ نے بیت المال کو صرف مسلمانوں تک محدود کرنے کی بجائے تمام انسانوں کے لئے عام کر دیا۔

ان کا غیر مسلموں کے ساتھ معاملہ صرف احتیاج اور معاش تک محدود نہ تھا۔ بلکہ اسلامی تعلیمات کے مطابق وہ ہر معاملے میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان ایسا خطِ امتیاز کھینچنے کے خلاف تھے جس سے غیر مسلموں کی حق تلفی ہو یا ان کی جان و مال محفوظ نہ رہے۔ چنانچہ :۔

ایک بار ان کی عدالت میں ایک مقدمہ پیش ہوا۔ واقعہ یہ تھا کہ ایک مسلمان نے

نے کسی ذمی کو قتل کر دیا تھا۔ حضرت علیؓ نے بیانات سننے کے بعد فیصلہ کیا کہ قاتل کو مقتول کے عوض قتل کر دیا جائے۔ یہ فیصلہ سن کر مقتول کے بھائی نے درخواست کی کہ قاتل کو معاف کر دیا جائے۔ کیونکہ ہم نے مقتول کا خوں بہا لے لیا ہے۔ حضرت علیؓ نے اس کے باوجود بھی اپنا اطمینان کرنے کے لئے دریافت فرمایا کہ تمہیں اس بارے میں مرعوب تو نہیں کیا گیا۔ جب قاتل کے بھائی نے حضرت علیؓ کو پوری طرح اطمینان دلا دیا کہ وہ یہ اقدام کسی دباؤ کے بغیر کر رہا ہے تو انہوں نے قاتل کو رہا کیا اور یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ ہماری حفاظت میں ہیں (خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں) ان کا خون ہمارے خون کے مساوی ہے۔ (نصب الرایہ)

سزا کا تعین

حضرت علیؓ کے نظم سلطنت کا یہ پہلو مورخین کی توجہ کا سب سے زیادہ مستحق ہے کہ باوجودیکہ انہیں زیادہ عرصہ حکومت کرنے کا موقعہ نہیں ملا اور اس قلیل عرصے میں بھی ان کا زیادہ وقت قیام امن میں صرف ہوا مگر پھر بھی انہوں نے ملکی انتظامات میں بے حد قابل تعریف اور موثر اصلاحات جاری فرمائیں۔

حضرت علیؓ سے پہلے شراب پینے پر دُروں کی سزا تو مقرر تھی مگر دُروں کی تعداد کا تعین نہ تھا۔ ہر حاکم جتنے دُرے مناسب سمجھتا تھا لگا دیتا تھا۔ اس صورت میں مجرموں کے ساتھ یکساں سلوک نہ ہونے کی وجہ سے شکایت پیدا ہونے کا احتمال تھا اور کہا جا سکتا تھا کہ دیکھو مجرموں کو سزا دینے کا کوئی خاص ضابطہ اور سزا کا تعین نہیں ہے۔ حضرت علیؓ پہلے حاکم ہیں۔ جنہوں نے سب سے پہلے یہ خامی محسوس کی اور شراب خور کو اسّی دُرے لگانے کا فرمان جاری کیا۔ (کتاب الخراج)

مگر اس سلسلے کی ایک روایت اس سے ذرا مختلف ہے اور وہ یہ کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ شراب پینے والوں کو جو سزا دی جاتی ہے۔ وہ اسے خاطر میں نہیں لاتے ہیں اور بعض لوگوں میں یہ عادت ترقی کر رہی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شراب پینے والے بیہودہ گوئی بھی کرتے ہیں پس ان پر دو جرم عائد ہوتے ہیں۔ ایک شراب خوری کا اور دوسرا یاوہ گوئی کا۔ اس لئے انہیں دو جرائم کی سزا ملنی چاہیئے۔ چالیس۴۰ دُرے شراب خوری کے اور چالیس۴۰ دُرے یاوہ گوئی کے۔ کل اسّی دُرّے حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی یہ رائے قبول فرمالی۔ (مطالب السئول)

اگر یہ روایت صحیح تسلیم کر لی جائے۔ تو بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ شراب خوری کی سزا کا تعین حضرت علیؓ ہی نے کیا تھا۔

سزا دینے کے معاملے میں حضرت علیؓ انسانیت کے اصولوں کی پابندی ضروری سمجھتے تھے۔ چنانچہ آپ کا حکم تھا کہ کسی مجرم کے چہرے اور شرم گاہ پر کوڑے نہ لگائے جائیں۔ عورتوں کو سزا دیتے وقت انہیں بٹھا دیا جائے اور اس امر کا خاص خیال رکھا جائے کہ ان کے جسم کا کوئی حصہ عریاں نہ ہونے پائے۔ یہی نہیں۔ بلکہ حضرت علیؓ نے جرم کی نوعیت کے پیش نظر سزا کا تعین فرمایا تھا۔ مثلاً اسلام میں چور کی سزا ہاتھ قلم کرنا مقرر کی گئی ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی شخص روٹی کا ایک ٹکڑا چرا کر کھالے۔ تو اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیا جائے اور جو دس ہزار روپے کی چوری کرے اس کا بھی ہاتھ کاٹ لیا جائے۔ حضرت علیؓ نے اس سلسلے میں بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھایا

اور فیصلہ کر دیا کہ :-

"اگر کوئی شخص دس درہم یا اس سے کم کی چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ ہاں اس سے زیادہ کی چوری کرنے پر ہاتھ قلم کر دیا جائے۔" (کتاب الخراج)

ابوبکرؓ و علیؓ

ابوبکرؓ و علیؓ

ہمارے اکثر اہل قلم حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت پر گفتگو کرتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ تک پہنچ جاتے ہیں اور پھر دونوں کے عہد خلافت اور دونوں کی مشکلات کا مقابلہ کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ انتظامی امور کے اعتبار سے حضرت ابوبکرؓ حضرت علیؓ سے افضل تھے۔ اول تو دو بزرگ صحابہ کا ایک دوسرے سے مقابلہ کر کے کسی کو دوسرے پر ترجیح دینے کا طریقہ ہی غلط ہے۔ ہمارے نزدیک تو دونوں بزرگ تھے۔ دونوں نے اسلام کی قابلِ رشک خدمت انجام دی تھی۔ دونوں رسولؐ اللہ کے جان نثار تھے۔ اور ہمیں دونوں کے سامنے سرِ نیاز خم کر دینا چاہیئے۔ لیکن اگر مقابلہ ایسا ہی ناگزیر ہو جائے تو بھی ہمیں اس امر کا خیال رکھنا چاہیئے کہ ہمارے کسی لفظ یا فقرے سے ان بزرگوں کی اہانت نہ ہونے پائے۔ کیونکہ ہمارا منصب تاریخ نویسی ہے۔ اہانت نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ تاریخ اس امر کی شہادت دیتی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت حضرت علیؓ کی بہ نسبت کامیاب ثابت ہوئی۔ لیکن تقابل کا یہ طریقہ اختیار کرنے والے لوگ اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ دونوں کے عہد میں حالات یکساں نہ تھے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلام پر سخت ابتلا کا وقت آیا تھا۔ منکرینِ زکوٰۃ کی سرکشی، جھوٹے مدعیانِ نبوت کے فتنے اور مرتدینِ اسلام کی بغاوت نے خطرناک صورت اختیار کر لی تھی عرب کے بیشتر علاقے باغی ہو چکے تھے۔ ایک نوزائیدہ سلطنت کے لئے یہ خطرات بے حد تباہ کن تھے خصوصاً ان حالات میں جب بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا سانحہ تازہ تھا اور مسلمان اپنے پیارے آقا کی شفقت و محبت، سرپرستی و رہنمائی سے محروم ہو گئے تھے۔ اس نازک موقعہ پر اسلام جس مصیبت سے دوچار ہوتا کم تھا۔

خدا کی ہزار ہزار رحمتیں ہوں اس نحیف و نزار باسٹھ سالہ بزرگ صحابیٔ رسولؐ پر جس کا نام ابوبکرؓ تھا۔ اس نے بڑے خطرناک حالات میں گرتی ہوئی دیوار کو سہارا دیا، ڈوبتے ہوئے سفینے کی ناخدائی کی۔ اپنی فراست اور حیرت انگیز عزم و حوصلے سے کام لے کر اسلام کو بہت بڑے ابتلا سے بچا لے گیا۔

اس واقعہ کے بعد پھر اسلام کی طاقت مجتمع ہو گئی۔ رسولؐ اللہ کے نام لیوا پھر ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے اور اسلام پھر ترقی کے مراحل طے کرنے لگا حتیٰ کہ مشرق اور مغرب، شمال اور جنوب غرض ہر طرف اس کی عظمت و شہرت کے ڈنکے بجنے لگے۔ معلوم نہیں مسلمانوں کی یہ رفتارِ ترقی کس نقطۂ عروج تک پہنچ جاتی کہ اسلام کے دارالخلافے میں ایک فتنہ نمودار ہوا۔ اس فتنے نے اسلام کی مرکزیت کو سخت ضعف پہنچایا۔ بے گناہ

خلیفہ کو قتل کرنے والوں نے اپنے ہاتھ سے قتل و خونریزی کی وہ رسم بد ڈالی، اور انتشار و بدامنی کا ایسا بیج بویا جس نے بہت سی بزرگ جانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس وقت مدینے کے حالات بے حد ابتر تھے۔ خلیفۂ رسول کے مکان کی ناکہ بندی کر دی گئی تھی۔ کھانے پینے کی کوئی چیز اندر نہ جانے دی جاتی تھی۔ مفسدین مدینے پر چھائے ہوئے تھے۔ خوف و ہراس کا یہ عالم تھا کہ خلیفۃ المسلمین کی لاش تین روز تک بے گور و کفن پڑی رہی اور تیسرے دن شب کی تاریکی میں چند لوگوں نے چھپ کر اسے دفن کیا۔

یہ تھے وہ حالات جن میں حضرت علیؓ نے مسندِ خلافت پر قدم رکھا۔ اس کے بعد جو حالات پیش آئے وہ اور بھی زیادہ دردناک تھے۔ ایک طرف سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قاتلین عثمانؓ کو سزا دینے کا مطالبہ کیا (چند لوگوں کے اُکسانے اور بعض غلط فہمیوں کی بنا پر، ورنہ ام المومنین کی نیت حالات کی اصلاح کے سوا اور کچھ نہ تھی) اور ایک لشکرِ جرار اُن کے جھنڈے تلے جمع ہو گیا۔ دوسری طرف سے حضرت امیر معاویہؓ نے صرف حصولِ اقتدار علمِ بغاوت بلند کیا۔ سارا شام ان کی پشت پر تھا۔ ان کا نعرہ بھی خونِ عثمانؓ کے قصاص کا تھا۔ تیسری طرف خارجیوں نے "لا حکمَ الا للہ" کا نعرہ لگایا اور خاصی جمعیت فراہم کر لی اسی طرح امت مسلمہ تین گروہوں میں تقسیم ہو گئی۔ ایک چوتھا گروہ بھی تھا جس کے خیال میں مسلمان کا مسلمان کے خلاف تلوار اٹھانا جائز نہ تھا۔ اس لئے وہ گروہ غیر جانبدار ہو کر گھر میں بیٹھ رہا۔

ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں یہ صورت پیدا نہیں ہوئی تھی

ذیل کے تقابل سے دونوں بزرگوں کے عہد کا فرق بخوبی واضح ہوجائے گا۔

حضرت ابوبکرؓ کا مقابلہ

۱۔ ان لوگوں سے تھا جو اسلام کے بنیادی ارکان کا انکار کر کے دائرۂ اسلام سے خارج ہو چکے تھے۔ اس لئے ان کے مقابلے میں ہر مسلمان تلوار لے کر بے دھڑک میدان میں آگیا تھا اور اسے اپنا مذہبی فریضہ سمجھتا تھا۔ اس جنگ کو جہاد کا نام دیا گیا تھا اسی لئے مسلمان اس میں جوق در جوق شریک ہوئے تھے۔

(۲) حضرت ابوبکرؓ کے مقابلے میں ایسے لوگ نہ تھے جن کو اسلام میں کوئی ممتاز و مقتدر حیثیت حاصل ہو۔ اس لئے حضرت ابوبکرؓ کو وہ دقتیں پیش نہ آئیں۔ جن کا سامنا حضرت علیؓ کو کرنا پڑا۔

(۳) حضرت ابوبکرؓ کو بغاوت کے جس سیلاب کا مقابلہ کرنا پڑا اس کی حیثیت سیاسی نہ تھی اس میں نسلی عصبیت کو دخل نہ تھا۔ اگر اس بغاوت میں نسلی تعصب شامل ہوتا تو حضرت

حضرت علیؓ کا مقابلہ

۱۔ ان لوگوں سے تھا جو اسلام کے کسی رکن کے منکر نہ تھے وہ خود بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اور حضرت علیؓ اور آپ کے ساتھی بھی انہیں مسلمان ہی سمجھتے تھے۔ اسی لئے اس جنگ کو جہاد کا نام نہیں دیا گیا۔ یہی وجہ تھی کہ اس گروہ کے مقابلے میں حضرت علیؓ کے بعض ساتھی تلوار اٹھاتے ہچکچاتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی وہ تقریر جو انہوں نے کوفہ کی جامع مسجد میں کی تھی اس امر کا ثبوت ہے جس میں انہوں نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ اپنی تلواریں کند کر لو اپنے نیزے توڑ دو اور گھروں میں بیٹھے رہو۔

(۲) حضرت علیؓ کے مقابلے میں بعض ایسے لوگ بھی تھے جو مسلمانوں میں عزت و وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے مثلاً ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت

ابوبکرؓ کے جھنڈے تلے مختلف النوع نسلوں اور قبیلوں کے گروہ جمع نہ ہوتے۔

(۴) حضرت ابوبکرؓ کے خلاف رونما ہونے والی بغاوت میں کسی منظم سازش اور پروپیگنڈے کو دخل نہ تھا۔ یہ خود مختار قبائل کی بغاوت تھی جو ایمانی کمزوری اور بعض دوسرے عوامل کی بنا پر ظہور پذیر ہوئی تھی۔ ان میں سے ہر قبیلہ دوسرے قبیلے کا جانی دشمن تھا۔ اوران کا اتحاد وقتی اور کمزور بنیادوں پر تھا۔

(۵) حضرت ابوبکر کے مقابلے میں اس دور کے اعلےٰ ترین مدبر اور سیاست دان نہ تھے۔ بلکہ تمام اعلےٰ دماغ اور بہترین سیاست دان آپ کے معاون ومددگار تھے اور تمام اکابر صحابہ آپ کے مشیر کار تھے۔

زبیرؓ، حضرت عمروؓ بن العاص اور خود حضرت امیر معاویہؓ۔ ان حضرات نے اپنی حیثیت سے پورا فائدہ اٹھایا اور ان کے جھنڈے تلے مسلمانوں کی خاصی تعداد جمع ہوگئی۔ گوان شخصیتوں میں سے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو اپنے فعل پر ندامت ہوئی اور وہ میدان جنگ ہی میں حضرت علیؓ کے مقابلے سے دستکش ہوگئے۔ اسی طرح حضرت عائشہؓ کو بھی بعد میں اس غلطی کا احساس ہوگیا اور وہ تمام عمر ندامت محسوس کرتی رہیں۔ مگر ان حضرات کے طرزِ عمل سے وقتی طور پر تو حضرت علیؓ کے لئے مشکلات پیدا ہوگئیں۔

(۳) حضرت علیؓ کے خلاف جو سیلاب اٹھا تھا اس میں نسلی عصبیت کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ بنو امیہ اور بنو ہاشم کی دیرینہ رقابت پوری شدت سے عود کر آئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کے جھنڈے تلے بنو امیہ کی ساری طاقت مجتمع ہوگئی تھی اور بنو ہاشم کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دینے کی کوشش میں مصروف تھی۔

(۴) حضرت علیؓ کے خلاف رونما ہونے والی بغاوت میں ایک منظم سازش شروع سے لے کر آخر تک کام کر رہی تھی۔ اس کا مرکز شام تھا اور اس کا جال تمام عالم اسلام میں پھیلا ہوا تھا۔ خونِ عثمانؓ کی تشہیر اور قاتلین عثمانؓ کو سزا دینے کا مطالبہ ایک سوچی سمجھی سکیم کا نتیجہ تھا۔ اس بغاوت کے بعض شرکا میں مکمل اتحاد و اتفاق تھا۔ ان میں سودا بازی ہو چکی تھی۔ چنانچہ حضرت عمروؓ بن العاص حضرت معاویہؓ کی امداد کے لئے اس شرط پر تیار ہوئے تھے کہ کامیاب ہونے کی صورت میں انہیں مصر کا مستقل گورنر بنا دیا جائے گا۔

(۵) حضرت علیؓ کے مقابلے میں عرب کے بہترین دماغ یکجا ہو گئے تھے۔ جیسے حضرت معاویہؓ، حضرت عمروؓ بن العاص اور آخر میں حضرت مغیرہؓ بن شعبہ۔ حضرت علیؓ کو اس دور کے اہل الرائے حضرات کے مشورے حاصل نہ تھے۔ کیونکہ حضرت علیؓ کے زمانے میں اہل الرائے صحابہ کی بڑی تعداد دنیا سے رخصت ہو چکی تھی اور کچھ صحابہ فتنے کے خوف سے گھروں میں بیٹھ رہے تھے۔ جن دو تین صحابہ نے مشورے دیئے۔ وہ حضرت علیؓ کے خیال میں درست نہ تھے۔ اس لئے انہوں نے وہ مشورے قبول نہ کئے۔ بالفاظ دیگر حضرت علیؓ کے رفقا میں اہل الرائے حضرات کی کمی تھی لیکن حضرت علیؓ سے پہلے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے دور میں اکابر صحابہ جو بڑے تجربہ کار اور فریس تھے۔ ہر ہر قدم پر ان حضرات کے مشیر کار رہتے تھے۔

حالات کے تجزیے کے بعد اس امر کا اندازہ لگانا دشوار نہیں رہا کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کے عہد میں پیدا ہونے والی مشکلات کی صورت یکساں نہ تھی۔ بلکہ اس میں زمین و آسمان کا فرق تھا اور بلا کسی جھجک کے کہا جا سکتا ہے کہ عرب کے عالی دماغ مدبر اور عظیم سیاست دان اگر کسی اور شخص کے مقابلے میں جمع ہو جاتے اور اگر انہی منظم

اور گہری سازش کسی اور شخص کے خلاف کی جاتی اور امت کو خلیفہ سے بدظن کرنے کے لئے پروپیگنڈے کی مہم کسی اور شخص کے خلاف چلائی جاتی تو اس کے قصرِ حکومت کے زمین بوس ہو جانے میں کوئی کسر باقی نہ رہتی جن پے در پے طوفانوں کا حضرت علیؓ کو مقابلہ کرنا پڑا ان کے درمیان ثابت قدمی، عزم وہمت اور فراست و تدبر کا مظاہرہ کر کے حضرت علیؓ نے بہت اونچی مثال قائم کر دی اور یہ ثابت کر دیا کہ وہ مشکلات سے عہدہ برآ ہونے کی پوری صلاحیت رکھتے تھے۔ واقعات اس کی شہادت دیں گے۔

مشکلات اور کامیابی

(۱) حضرت علیؓ کا سب سے پہلا مقابلہ حضرت عائشہؓ سے ہوا حضرت عائشہؓ کی شخصیت تمام عالم اسلام کے نزدیک اس دور کے لوگوں میں سب سے زیادہ ممتاز اور قابلِ احترام تھی۔ وہ ام المومنین تھیں۔ زوجہٗ رسولؐ تھیں۔ زوجہ بھی رسولؐ اللہ کی سب سے پیاری زوجہ۔ ان کے ساتھ حضرات طلحہؓ و زبیرؓ جیسے مقتدر صحابہ تھے۔ ان کی جلو میں جاں نثاروں کا بہت بڑا لشکر تھا۔ آج ہمارے لئے اس امر کا تصور بھی بے حد حیران کن ہے کہ حضرت علیؓ نے مسلمانوں کو ام المومنین حضرت عائشہؓ کے مقابلے کے لئے کیونکر آمادہ کیا ہوگا۔ اور پھر میدانِ جنگ میں آ کر مسلمانوں نے ام المومنین کے خلاف تلواریں کیسے کھینچی ہونگی یہ حضرت علیؓ کی فراست کی بہت بڑی کامیابی ہے کہ انہوں نے اپنی حمایت کرنے والوں کی اتنی بڑی تعداد پیدا کر لی جس نے بڑی پامردی سے مقابلہ کر کے حضرت عائشہؓ کی فوج کو میدان چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر حضرت علیؓ کے حریفوں حضرت معاویہؓ، حضرت مغیرہؓ بن شعبہ یا حضرت عمروؓ بن العاص میں سے کوئی شخص حضرت عائشہؓ

کے مقابلہ میں آتا تو شاید چند منٹ بھی ٹھہرنا مشکل ہوتا۔ حضرت عائشہؓ کے مقابلے میں حضرت علیؓ کی کامیابی اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ وہ مشکلات سے عہدہ برآ ہونے کی ہمت اور شعور رکھتے تھے اور ان میں تدبر و فراست بدرجہ کمال موجود تھا۔

(۲) حضرت علیؓ کا دوسرا مقابلہ حضرت معاویہؓ سے صفین کے میدان میں ہوا۔ باوجودیکہ حضرت معاویہؓ کی فوج کی تعداد بھی لشکرِ علوی کے جانبازوں سے زیادہ تھی لیکن پھر بھی حضرت معاویہؓ کو اصولاً شکست ہوگئی اور انہوں نے قرآن کے نام پر صلح کی درخواست کی۔ اگر حضرت علیؓ کو اپنی شکست نظر آتی تو پھر صلح کی درخواست وہ کرتے نہ کہ حضرت معاویہؓ۔ یہ امر بھی حضرت علیؓ کی ثابت قدمی، عزم و ہمت اور مشکلات سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت رکھنے کا ثبوت ہے۔

(۳) حضرت علیؓ کا تیسرا مقابلہ خوارج سے ہوا۔ اس جنگ میں بھی حضرت علیؓ کو کامیابی ہوئی اور گنتی کے چند خارجیوں کے سوائے کوئی بھی نہ بچا۔ کچھ حضرت علیؓ کی امان میں پھر آگئے۔ کچھ جنگ سے پہلے ہی میدان سے چلے گئے اور باقی میدانِ جنگ میں کٹ کر ڈھیر ہوگئے۔ یہ تیسرا ثبوت حضرت علیؓ کی ثابت قدمی اور مشکلات پر فتح پانے کا ہے۔

(۴) صرف مصر کی جنگ ایک ایسی جنگ ہے جس میں حضرت علی کی فوجوں کو شکست ہوئی اور اس کی وجہ بھی وہاں کے ناتجربہ کار گورنر محمد بن ابوبکرؓ کی عدم فراست ہے۔ اگر اس جنگ میں بھی حضرت علیؓ بنفس نفیس موجود ہوتے اور مصر کے حالات کا براہ راست مطالعہ کرتے۔ تو وہاں بھی ان کی کامیابی یقینی تھی۔

(۵) جنگ صفین اور معرکہ نہروان کے بعد حضرت معاویہؓ کے حکم سے حضرت علیؓ کی حدودِ سلطنت کے مختلف حصوں، عراق کی سرحدوں، مکہ، مدینہ اور یمن پر متعدد حملے کئے

گئے اور حضرت معاویہؓ کے آزمودہ کار جرنیلوں نے ان کی فوجوں کی قیادت کی۔ لیکن اس کے باوجود حضرت علیؓ نے ان کا ہر حملہ ناکام بنا دیا اور علوی لشکروں نے انہیں ہر مقام پر شکست دے کر پسپا کر دیا۔ ایک مقام بھی تو ایسا نہیں ہے جس میں حضرت معاویہؓ کے جرنیلوں نے جم کر حضرت علیؓ کی فوجوں کا مقابلہ کیا ہو۔ جہاں حضرت علیؓ نے تازہ دم لشکر بھیجا اور حضرت معاویہؓ کی فوجیں دُم دبا کر بھاگ نکلیں۔ یہ امر بھی حضرت علیؓ کے استقلال اور عزم وہمت کی دلیل ہے۔

اگر حضرت علیؓ کچھ عرصہ اور زندہ رہ جاتے تو حالات کا رخ وہ نہ ہوتا جو آج ہمارے سامنے ہے۔ پھر تاریخ کسی اور انداز سے لکھی جاتی۔ مگر افسوس ان کی زندگی نے وفا نہ کی اور پیشتر اس سے کہ وہ اپنی فوجوں کو منظم کرتے اور انہیں جنگ کے لئے آمادہ کر کے میدان میں آتے ان کی عمر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ وہ تو ایک خارجی کے ہاتھوں قتل ہو گئے اور مورخ کو اس امر کے لئے آزاد چھوڑ گئے کہ وہ ان کے عہد کی تاریخ جس طرح چاہے مسخ کر کے لکھے اور واقعات کو حسبِ خواہش توڑ مروڑ کر پیش کرے۔

کوفہ اور اس کے حالات

کوفہ اور اُس کے حالات

حضرت علیؓ سے پہلے مدینہ خلفائے اسلام کا دارالخلافہ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ تینوں خلفاء نے اسی شہر کو اپنے قیام اور سلطنت اسلامی کے مرکز کی حیثیت سے منتخب کیا۔ حضرت علیؓ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے مدینہ کی بجائے کسی دوسرے شہر کو اپنا دارالخلافہ بنایا۔ بعض کم فہم لوگ حضرت علیؓ کے اس اقدام پر اعتراض کرتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے یہ اقدام بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ یوں تو اس اقدام کی بہت سی وجوہ بتائی گئی ہیں۔ مگر ہمارے خیال میں اس کی چار بڑی وجوہ تھیں۔

تبدیلیٔ مرکز کی وجوہ

اول۔ حضرت علیؓ کے زمانے میں ملک کے سیاسی حالات وہ نہ تھے۔ جو حضرت

ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانے میں تھے۔ سیاسی رقابتیں، نسلی عصبیت اور خانہ جنگی کا دور دورہ تھا۔ اس لئے خلیفہ کا قیام ایسی جگہ ہونا چاہئے تھا۔ جو نسبتاً سلطنت کے وسط میں ہو اور جہاں بیٹھ کر چاروں طرف کی نگرانی کی جا سکے اور ہر طرف بآسانی امداد بھیجی جا سکے۔ کوفہ مدینہ کے مقابلے میں اسلامی سلطنت کے وسط میں تھا اس لئے حضرت علیؓ نے اسے اپنا دارالخلافہ بنایا۔

دوم :۔ مدینہ کو اسلامی سلطنت کا مرکز اور دارالخلافہ ہونے کے علاوہ مسلمانوں کے مقدس شہروں میں امتیازِ خاص حاصل تھا۔ پھر یہی شہر تھا جہاں رسولؐ اللہ کے بزرگ صحابہ کی بڑی تعداد مقیم تھی۔ اس شہر کے تقدس اور دینی اہمیت کا تقاضا تھا کہ اسے ہر قسم کی شورش اور فساد سے پاک رکھا جائے۔ مگر حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت کے آخری دور میں اس کے تقدس کو سخت ٹھیس پہنچی تھی۔ باغیوں نے اپنے افسوسناک طرزِ عمل سے مدینہ کے امن و امان کو سخت نقصان پہنچایا تھا اور گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر عبادت کرنے والے صحابہ پر بھی عرصۂ حیات تنگ کر دیا تھا حضرت علیؓ.... یہ سارے حالات اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس مقدس شہر کو اب پھر بدنظمی، افراتفری اور شورش کی آماجگاہ بنا کر اس کے تقدس کو ٹھیس پہنچائی جائے۔ اس لئے انہوں نے مدینہ کی بجائے کوفہ کو دارالخلافہ بنایا۔

سوم :۔ ایک مغربی مصنف کے خیال کے مطابق تبدیلیٔ مرکز کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔ کہ اسلامی سلطنت کا صدر مقام ہونے کی وجہ سے مدینہ میں مختلف ممالک، مختلف تہذیب و تمدن اور مختلف عادات و اطوار رکھنے والے لوگ جمع ہو رہے تھے، اور

سلطنت کی حدود جوں جوں وسعت اختیار کرتی جا رہی تھیں۔ مدینہ میں آنے والے لوگوں کا دائرہ اسی نسبت سے بڑھتا جا رہا تھا۔ اندیشہ تھا کہ اگر اس شہر کو کچھ دن اور دارالخلافہ کی حیثیت حاصل رہی تو یہاں کے مخصوص رنگ پر بیرونی اثرات قائم ہوئے بغیر نہ رہیں گے اور رفتہ رفتہ عجمی تہذیب و تمدن، عجمی عادات و اطوار اور عجمی تصورات اس پر غالب آجائیں گے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت علیؑ کا یہ خدشہ بے جا تھا۔ دنیا کے ہر ملک کا دارالحکومت جہاں اپنی رونق ترقی اور وسعت کے اعتبار سے سلطنت کے دوسرے شہروں سے ممتاز ہوتا ہے۔ وہاں دولت کی فراوانی، عیش و عشرت کی بہتات اور مختلف النوع افراد کی بکثرت آمدورفت کی وجہ سے اس کی فضا میں سنجیدگی اور پہلا سا رنگ باقی نہیں رہتا۔ لندن پیرس نیویارک۔ قاہرہ اور دلّی کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ جہاں دنیا کی کوئی بُرائی فحاشی اور بے حیائی ایسی نہیں ...... جس کا دور دورہ نہ ہو۔ فرق اتنا ہے، کہ کہیں کم اور کہیں زیادہ۔ حضرت علیؑ نہیں چاہتے تھے کہ مدینہ کی سادگی، دینی فضا اور تقدس کو غیر عربی اثرات سے نقصان پہنچے۔ اس لئے انہوں نے دارالخلافہ کو مدینہ سے کوفہ منتقل کر دیا۔ (تاریخ ادبیات ایران" ڈاکٹر براؤن)

چہارم:۔ کوفہ کو دارالخلافہ بنانے کی چوتھی وجہ یہ تھی کہ اہل کوفہ بڑے متلون مزاج اور سرکش تھے۔ کوئی خلیفہ ایسا نہ تھا جو ان کی شرارتوں سے نالاں نہ رہا ہو۔ انتہا یہ کہ حضرت عمرؓ جیسے مدبر اور باجبروت خلیفہ کو بھی کہنا پڑا کہ:۔

"میں کوفہ والوں کا کیا علاج کروں۔ اگر مضبوط آدمی بھیجتا ہوں تو اس پر سخت گیری کا الزام لگاتے ہیں اور اگر کمزور آدمی بھیجتا ہوں۔ تو اسے خاطر

میں نہیں لاتے"۔ (فتوح البلدان جلد اول)

اہل کوفہ کی شرارتوں سے تنگ آکر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص عامل کوفہ کو اہل کوفہ کے لئے یہ بددعا کرنی پڑی تھی کہ:-

"خدا کرے ان (اہل کوفہ سے) کوئی والی خوش نہ رہے اور یہ کسی والی سے خوش نہ رہیں"۔ (فتوح البلدان جلد اول)

ان کی شرارتیں حضرت علیؓ سے پوشیدہ نہ تھیں۔ خصوصاً ان حالات میں جن میں سے حضرت علیؓ گذر رہے تھے۔ اس بات کا احتمال تھا کہ اہل کوفہ شرارت اور سرکشی پر آمادہ نہ ہو جائیں۔ اس لئے سیاسی نقطۂ نگاہ سے بھی ضروری تھا کہ خلیفہ ان کے سر پر موجود رہے اور ان کی حرکات و اعمال کی نگرانی کرتا رہے حضرت علیؓ یہ بھی جانتے تھے کہ عراق جس کا مرکزی مقام کوفہ تھا۔ شام کے متصل واقعہ ہے۔ اور اس زمانے میں شام حضرت علیؓ کے حریف حضرت معاویہؓ کے قبضہ میں تھا۔ حضرت علیؓ کو اندیشہ تھا کہ حضرت معاویہؓ جو قبائل کو اپنے ساتھ ملانے اور انہیں اپنا بنانے کے فن میں ماہر ہیں کہیں انہیں اپنی طرف مائل نہ کرلیں۔ دوسرے عراق شام سے متصل تھا۔ اس لئے شامی فوج کی یورش کا پہلا نشانہ یہی ہو سکتا تھا پس حضرت علیؓ نے اسی صوبہ کے ایک شہر کو اپنے مستقر کی حیثیت سے منتخب کرنا ضروری سمجھا۔

یہ تھیں وہ وجوہ جن کی بنا پر حضرت علیؓ نے مدینہ کی بجائے کوفہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا اور وہیں منتقل ہو گئے۔

کوفہ کی بناء

جس جگہ آجکل کوفہ آباد ہے۔ یہ پہلے بالکل ویران اور غیر آباد جگہ تھی۔ اس کی زمین ریتلی تھی اور اس میں بجری ملی ہوئی تھی۔ اسی لئے اسے کوفان اور کوفہ کہتے تھے۔ ریتلی زمین کے بلند ٹکڑوں کو تکوّف بھی کہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت سعد بن ابی وقاص نے اسے ۱۷ھ میں آباد کیا۔

کوفہ کو آباد کرنے کا واقعہ یوں ہے کہ قادسیہ اور مدائن کی جنگ سے فارغ ہوکر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں لکھا کہ اب میرے اور میری فوج والوں کے لئے کیا حکم ہے؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ اپنے اہل لشکر کو کسی ایک جگہ مجتمع کردو۔ جو مسلمانوں کے لئے دار الہجرت کا کام دے۔ مگر خیال رکھو میرے اور ان کے درمیان نہر حائل نہ ہو۔ چنانچہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے اس مقام کو منتخب کیا۔ جہاں اب کوفہ آباد ہے۔ ان کے ساتھ نزار اور یمن کے قبائل تھے۔ حضرت سعدؓ ان قبائل کے ساتھ اس ویران وغیر آباد مقام پر اتر پڑے۔ یہ مقام سطح زمین سے کسی قدر بلندی پر واقعہ تھا۔ شہر کی بنا ڈالنے سے پہلے انہوں نے دور دُور تک کے علاقے کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ اس کا مشرقی حصہ مغربی حصہ سے بہتر ہے۔ حضرت سعدؓ یہ نہیں چاہتے تھے کہ قبائل کو آباد کرنے اور ان میں زمین تقسیم کرنے کے معاملے میں کوئی ناانصافی ہو۔ چنانچہ انہوں نے نزار اور یمن دونوں قبائل میں سے ایک ایک تیر انداز کو بلایا اور حکم دیا کہ تم دونوں تیر چلاؤ۔ جس کا تیر آگے نکل جائے گا۔ اسے مشرقی علاقہ اور جس کا پیچھے رہ جائے گا۔ اسے مغربی علاقہ دیدیا جائیگا۔

دونوں نے تیر چلائے۔ یمنی تیر انداز کا تیر آگے نکل گیا۔ اس لئے اہل یمن کو

مشرقی علاقہ اور اہل نزار کو مغربی علاقہ دے دیا گیا۔ زمینیں تقسیم کرنے کے بعد حضرت سعدؓ نے مسجد کی بنا ڈالی اور پھر دار الامارت تعمیر کیا۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے اپنے عہد امارت میں اس مسجد کو وسیع کیا۔ اور جب زیاد کوفہ کے گورنر ہوئے تو انہوں نے اس کی خوبصورتی اور زیبائش و آرائش میں بے بہا اضافے کئے۔ زیاد کہا کرتے تھے۔ کہ میں نے کوفہ کی مسجد کے ہر ستون پر اٹھارہ سو درہم صرف کئے ہیں کوفہ کی مسجد اور دار الامارت شہر کے مغربی حصے میں تعمیر کئے گئے تھے۔ غرض جلد ہی قبائل نے اپنی رہائش کے لئے مکان بنا لئے۔ حضرت عمرؓ کے حکم سے مسافروں اور اجنبی لوگوں کے لئے ایک کشادہ مہمان خانہ تعمیر کیا گیا۔ ارد گرد کے لوگ جو اسلام قبول کرتے گئے۔ ان میں سے بھی بعض یہیں آباد ہوتے گئے۔ رستم کے چار ہزار ساتھی جنہوں نے قزوین کے قریب مسلمانوں سے امان طلب کی تھی۔ کوفہ ہی میں آکر آباد ہوئے۔ اس طرح اس کی آبادی بڑھتی گئی۔ مکانات، دوکانیں اور بازار قائم ہوتے گئے۔ حتیٰ کہ ایک زمانہ ایسا بھی آیا جب اسے سلطنت اسلامی کے مرکز اور دار الخلافہ بننے کی عزت حاصل ہوئی۔ اس کی آبادی کا اندازہ لگانے کے لئے یہ امر کافی ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے ہی میں اس کے صرف مشرقی اور مغربی حصوں کی آبادی بیس ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ چار ہزار ایرانی، بنی تمیم اور بنی عبس کے قبائل ان کے علاوہ تھے۔ اندازہ ہے کہ حضرت علیؓ کے عہد حکومت میں اس کی آبادی ایک لاکھ کے لگ بھگ تھی۔

اس میں شک نہیں کہ کوفہ کو دار الخلافہ کی حیثیت حضرت علیؓ کے عہد میں حاصل ہوئی۔ مگر تاریخ بتاتی ہے کہ اسے عراق کے شہروں میں نمایاں حیثیت حضرت عمرؓ کے عہد میں ہی حاصل ہو گئی تھی۔ کوفہ اور بصرہ یہ دو شہر تھے۔ جو عراق میں خاص

طور سے اہمیت رکھتے تھے اور ان دونوں شہروں میں الگ الگ گورنر مقرر کئے جاتے تھے۔ یہ گورنر صرف دو شہروں کے نہ ہوتے تھے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ عراق کا نصف حصہ جس کے ساتھ مضافات کے علاقے بھی شامل تھے۔ کوفہ سے ملحق تھا اور باقی نصف حصہ اپنے مضافات کے ساتھ بصرے سے ملحق تھا۔ اسی لئے ان دونوں کے الگ الگ گورنر ہوتے تھے اور دونوں اپنے مرکزی مقامات میں مقیم رہتے تھے۔ اپنے علاقوں کی نگرانی کرتے تھے۔ زکوٰۃ و صدقات، خراج اور لگان وغیرہ وصول کرکے اپنے صوبے کے اخراجات نکال لیتے تھے اور باقی رقم مرکز یعنی دار الخلافہ کو بھیج دیتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے عہد سے لے کر حضرت علیؓ کے ابتدائی زمانے تک کوفہ میں مندرجہ ذیل گورنر مقرر کئے گئے۔

کوفہ کے گورنر

(۱) حضرت سعدؓ بن وقاص کوفہ کے پہلے گورنر مقرر ہوئے۔ مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اہل کوفہ ان سے ناراض ہو گئے۔ ناراضگی کی بڑی وجہ یہ تھی۔ کہ حضرت سعدؓ نے اپنے لئے عام مکانات کے برعکس ذرا وسیع اور خوبصورت مکان تعمیر کروایا تھا۔ جو در اصل ان کے لئے نہ تھا۔ بلکہ یہ قصرِ امارت تھا۔ جسے سرکاری حیثیت حاصل تھی۔ موجودہ اصطلاح میں اسے گورنمنٹ ہاؤس کہنا چاہیئے۔ اس کا دروازہ چوبی تھا۔ اس میں غلام گردش بھی بنوائی گئی تھی۔ جیسے ایرانی بادشاہوں کے محلات میں ہوتی تھی۔ لیکن اہل کوفہ کو حضرت سعدؓ کا یہ فعل پسند نہ آیا۔ انہوں نے بارگاہِ خلافت میں حضرت سعدؓ کی شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمتہ الانصاری کو حکم دیا کہ کوفہ جاؤ۔ اگر یہ شکایت درست ہو تو سعدؓ کے مکان کو آگ لگا دو۔ محمد بن مسلم کوفہ

آئے۔ تو انہوں نے اہل کوفہ کی شکایت درست پائی۔ اور اسی وقت چوبی دروازہ غلام گردش بلکہ ساری عمارت کو آگ لگوادی۔

دوسری بار اہل کوفہ نے پھر سعدؓ بن ابی وقاص کی شکایت کی کہ یہ نماز صحیح طریقہ سے نہیں پڑھاتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے تحقیق کی تو حضرت سعدؓ نے جواب دیا کہ میں اسی طریقے سے نماز پڑھاتا ہوں جس طریقے سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھایا کرتے تھے۔ اس جواب پر حضرت عمرؓ نے مزید تحقیق کے لئے ایک کمیشن کوفہ بھیجا جس نے فرداً فرداً مختلف لوگوں سے مل کر حالات معلوم کئے۔ سوائے بنی عبس کے سب نے حضرت سعدؓ کے حق میں کلمۂ خیر کہا۔ بنی عبس کو شکایت تھی کہ حضرت سعدؓ اموال کی تقسیم میں مساوات کو پیش نظر نہیں رکھتے ہیں۔ لیکن عام لوگوں نے اس شکایت کی تائید یا تصدیق نہیں کی۔

غرض اس قسم کی آئے دن کی شکایات سے تنگ آکر حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو کوفہ کی گورنری سے معزول کر دیا۔

(۲) سعد کے بعد حضرت عمارؓ بن یاسر کو عامل کوفہ مقرر کیا گیا۔ مگر وہ بھی ایک سال نو ماہ سے زیادہ اس عہدہ پر قائم نہ رہ سکے۔ اور کوفیوں نے ان کی بھی شکایات کرنی شروع کر دیں۔ ان سے سب سے بڑی شکایت یہ تھی کہ وہ بہت کمزور آدمی ہیں اور سیاست تو بالکل جانتے ہی نہیں۔ ان کی بھی اتنی کثرت سے شکائتیں کی گئیں کہ حضرت عمرؓ کو انہیں بھی معزول کرنا پڑا۔

(۳) حضرت عمارؓ بن یاسر کی معزولی کے بعد حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا گیا۔ یہ حضرت عمرؓ کی شہادت تک اپنے عہدے پر قائم رہے۔ لیکن علالت اور

وفات کے درمیانی عرصے میں حضرت عمرؓ حکم دے گئے تھے کہ مغیرہؓ کو کوفہ کی گورنری سے معزول کر دیا جائے۔

(۴) جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے حضرت مغیرہؓ کی بجائے پھر حضرت سعدؓ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا مگر اہل کوفہ نے پھر شکایت کی اور انہیں پھر معزول کر دیا گیا۔

(۵) حضرت سعدؓ کے بعد ولید بن عقبہ کو عامل کوفہ مقرر کیا گیا۔ ان کے عہد میں چند بدمعاشوں نے ایک شخص علی بن الحیمان کے گھر ڈاکہ ڈالا اور انہیں قتل کر دیا اس جرم میں ولید نے ان ڈاکوؤں کو پکڑ کر کوفے کے دروازے کے سامنے قتل کروا دیا۔ اس دوران میں عبداللہ بن سبا کوفہ آیا اور ان ہی لوگوں کے پاس ٹھہرا جو ڈاکو یا جرائم پیشہ تھے۔ عبداللہ کی تحریک سے کوفہ میں سازشیوں اور مفسدوں کا ایک گروہ پیدا ہو گیا جس نے ولید پر مے نوشی کا الزام لگایا اور حضرت عثمانؓ سے شکایت کی۔ اس گروہ نے گواہ بھی پیش کئے اور ولید کی انگوٹھی بھی جسے بعض مورخین کے خیال کے مطابق (جن سے مصنف کو اتفاق نہیں) سوتے ہوئے اس کے ہاتھ سے اتار لیا گیا تھا لیکن حضرت عثمانؓ کے سامنے یہ کہا گیا کہ یہ انگوٹھی ہم نے ولید کی انگلی سے اس عالم میں اتاری ہے کہ وہ شراب کے نشہ میں مدہوش ہو رہے تھے۔ چونکہ مفسدوں میں سے بعض لوگوں نے حلفیہ بیان دیا تھا اور ان کے بیانات کی وجہ سے ولید کا جرم ثابت ہو گیا تھا۔ اس لئے حضرت عثمانؓ نے انہیں کوڑوں کی سزا دی اور کوفہ کی گورنری سے معزول کر دیا۔

ولید کی معزولی کے بعد سعید بن العاص کوفہ کے گورنر مقرر ہوئے۔ لیکن انہیں بھی

چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ چنانچہ کچھ ہی عرصہ کے بعد سازشی گروہ نے ان کے خلاف بھی ہنگامہ کھڑا کر دیا اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ ایک روز ان کے یہاں مجلس جمی ہوئی تھی جس میں عوام وخواص، نیک و بد ہر قسم کے لوگ جمع تھے۔ دوران گفتگو میں حضرت طلحہؓ کی خیرات کا ذکر چل نکلا اور کسی نے ان کی فیاضی کی بہت تعریف کی۔ اس پر سعید نے کہا ہاں ان کے پاس دولت ہے وہ اسے خدا کی راہ میں دیتے ہیں۔ اگر میرے پاس ہوتی تو میں بھی اسی طرح دیتا۔ اس پر ایک شخص نے کہا کہ اگر (ایک جاگیر کی طرف اشارہ کر کے) وہ جاگیر آپ کے تصرف میں ہوتی تو آپ بھی بڑی دولت کے مالک ہوتے۔ چونکہ یہ جاگیر عام مسلمانوں کے فائدے کے لئے مخصوص کر دی گئی تھی اس لئے مفسدین کو موقعہ مل گیا جو سعید کی مجلس میں بیٹھے ہی اس ارادے سے تھے کہ کوئی موقعہ ملے تو ہم اعتراض کریں۔ چنانچہ انہوں نے اعتراض کر دیا کہ سعید مسلمانوں کا مال غصب کرنے کے خواہشمند ہیں بعض لوگوں نے الزام لگایا کہ یہ بات سعید کے مشورے اور ایما سے کہی گئی ہے تاکہ مسلمانوں کا مال غصب کرنے کے لئے راستہ صاف کیا جائے ان لوگوں نے اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ اس شخص کو اسی مجلس میں بری طرح زدوکوب کیا جس نے شاہی جاگیر کی طرف اشارہ کیا تھا۔ آخر اہل شہر کو بھی اس واقعہ کی اطلاع ہو گئی اور مسلح ہو کر سعید کی امداد کے لئے ان کے مکان پر پہنچ گئے۔ یہ دیکھ کر مفسدوں کو فکر دامنگیر ہوئی کہ اب جان کی خیر نہیں اس لئے انہوں نے سعید سے معافی مانگنی شروع کر دی اور سعید کا ترحم دیکھئے کہ انہوں نے معاف بھی کر دیا۔ مگر سعید کی عطا کردہ معافی بھی ان کے کام نہ آئی۔ مفسدین نے اپنی شرارت بدستور جاری رکھی آخرکار ایک گروہ ان کے خلاف شکایات کی لمبی چوڑی فہرست لیکر حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت عثمانؓ نے دفع شر کے خیال سے سعید بن العاص کو بھی معزول کر دیا۔

(۷) سعید کی معزولی کے بعد اہل کوفہ کی خواہش کے مطابق حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا گیا۔ یہ کوفہ کے آخری عثمانی عامل تھے۔ انہیں کے عہد میں حضرت عثمانؓ شہید کئے گئے۔ جب حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے تو ایک روایت کے مطابق انہوں نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو معزول کر کے عمارہ بن شہاب کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا مگر تاریخوں اور حضرت علیؓ کے قرائن و رقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ جنگ جمل تک حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ ہی کوفہ کے گورنر رہے۔ آخر جنگ جمل کے فراغت کے بعد ۱۲ رجب ۳۶ھ کو جب حضرت علیؓ کوفہ میں داخل ہوئے۔ تو اس شہر کو خلیفۃ المسلمین کے قیام کی سعادت اور سلطنت اسلامیہ کا دارالخلافہ بننے کا شرف حاصل ہوا۔

کوفہ حضرت علیؓ کے عہد میں

حضرت علیؓ کے عہد میں کوفہ نے بڑی ترقی پائی۔ دارالخلافہ بن جانے کی وجہ سے سرکاری دفاتر، بیت المال، نظم و نسق کے مرکزی شعبے سب یہیں منتقل ہو گئے۔ دوسرے شہروں سے بھی علما، تجارت پیشہ اور حضرت علیؓ کے عقیدت گذاروں کی بڑی تعداد یہاں آباد ہو گئی۔ حضرت علیؓ کے مختصر عہد خلافت میں کوفہ میں جرائم کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نظر نہیں آتی۔ کچھ تو دارالخلافہ کی حیثیت و اہمیت اور کچھ حضرت علیؓ کی موجودگی نے اس شہر کی حالت میں بڑا انقلاب پیدا کر دیا۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت علیؓ تمام عمر اہل کوفہ کے شاکی رہے۔ مگر یہ شکایت ان کی بدکرداری یا کسی اخلاقی برائی کی بنا پر نہ تھی۔ حضرت علیؓ کو شکایت اگر تھی تو ان کی پست ہمتی کی کہ وہ ان کو شام کے خلاف جنگ کے لئے ابھارنا چاہتے تھے۔ مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوتے تھے۔

حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں کوفہ کی ایک اور خصوصیت بھی قابل ذکر ہے یعنی باوجودیکہ

یہ شہر شام سے نسبتاً قریب تھا مگر حضرت معاویہؓ یا ان کے جرنیلوں کو اس پر حملہ کرنے کی کبھی جرات نہیں ہوئی۔ انہوں نے عراق کے دوسرے سرحدی مقامات مکہ، مدینہ اور یمن پر حملے کئے لیکن کوفہ کا رخ کبھی نہ کیا۔ شاید اس لئے کہ وہاں علیؓ بن ابی طالب موجود تھے جن کے ہاتھ صفین کے میدان میں دیکھے جا چکے تھے۔ اس لحاظ سے کوفہ قتل و غارت گری اور شامی فوجوں کی دست برد سے محفوظ رہا۔

حضرت علیؓ کے عہد میں کوفہ کی علمی حالت بھی نہایت عمدہ تھی۔ مدینہ کے بعد اگر کسی شہر کو علمی حیثیت حاصل تھی تو وہ کوفہ ہی تھا جہاں تابعین کی بڑی تعداد موجود تھی حدیثؐ قرآن اور فقہ کے طالب علم کوفہ کی مسجد میں جمع ہوتے تھے۔ جہاں حضرت علیؓ انہیں ان علوم کا درس دیتے تھے۔ حضرت علیؓ کی فصاحت و بلاغت سے معمور تقریریں اور ان کے پرحکمت خطبات بھی اسی کوفہ کی سرزمین پر ارشاد فرمائے گئے۔

حضرت علیؓ کے عہد میں کوفہ کا تمدن عہد عمرؓ اور عہد عثمانؓ سے کچھ مختلف نہ تھا مگر اتنا ضرور تھا کہ حضرت علیؓ کی موجودگی کی وجہ سے اہل کوفہ میں سادگی، بے تکلفی اور اسلامی تمدن کی اقدار بدرجۂ اتم پیدا ہونے لگی تھیں۔ حضرت علیؓ کے عہد میں کوفہ میں تین قسم کے لوگ آباد تھے۔ مضافاتِ کوفہ کے لوگ، ایرانی اقوام، عرب لوگ، ان تینوں کی زبان اور تہذیب و تمدن مختلف تھا مگر تینوں قوموں کے میل جول سے ایک چوتھا تمدن جنم لینے لگا تھا جس پر گو عربی اثرات زیادہ تھے۔ مگر ایک ہلکا سا پرتو عجمی بھی تھا۔

حضرت معاویہؓ کی روش

حضرت معاویہؓ کی روش

اب ہم جس باب کا آغاز کر رہے ہیں۔ وہ تاریخِ اسلام کا سب سے زیادہ اُلجھا ہوا باب ہے۔ معاویہؓ اور علیؓ — ان دونوں ناموں سے بڑے بڑے ہنگامے وابستہ ہیں — تاریخ کے کتنے ہی ادوار ہیں جو ان کے گرد گھومتے ہوئے نظر آتے ہیں، اور اس میں شک بھی کیا کہ یہ دونوں شخصیتیں اپنی اپنی جگہ ایک مستقل تاریخ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کا تصادم دو ادوار کا تصادم اور ان کا ٹکراؤ دو نقطہ ہائے نگاہ کا ٹکراؤ تھا۔ ایک کا نقطۂ نگاہ خدمت برائے حکومت اور دوسرے کا نقطۂ نگاہ حکومت برائے خدمت تھا۔ ایک نے صرف اس لئے جنگ کی کہ وہ حکومت اور اقتدار کا طالب تھا۔ دوسرے نے صرف اس لئے جنگ کی کہ اس کا منصب اور ذمہ داریاں اسے مجبور کر رہی تھیں۔ حضرت علیؓ اس منصبِ جلیلہ پر فائز تھے

جس پر حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ جیسے جلیل القدر صحابہ فائز رہ چکے تھے۔ وہ سلطنت اسلامی کے محافظ اور تعلیمات اسلامی کے امین تھے۔ یہ امران کے فرائض میں داخل تھا کہ جب کوئی شخص آئینِ سلطنت کی خلاف ورزی کرے اور اسلامی تعلیم کو ضعف پہنچانے کی کوشش کرے۔ تو وہ خلیفۂ وقت اور جانشینِ رسولؐ کی حیثیت سے اس کی سرزنش کریں، قطع نظر اس سے کہ اس کی شخصیت کتنی ہی بلند کیوں نہ ہو۔ لیکن حضرت معاویہؓ کی حیثیت سلطنت اسلامی کے ایک تنخواہ دار کی تھی وہ ایک صوبہ کے گورنر تھے اور خلیفۂ وقت انہیں ہر وقت ان کے عہدے سے معزول کر سکتا تھا۔ حضرت علیؓ نے خلیفہ وقت کی حیثیت سے انہیں معزول کر دیا مگر انہوں نے حضرت علیؓ کا حکم تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ اس طرح انہوں نے اسلام کی تاریخ میں پہلی بار سرکشی اور عدول حکمی کا مظاہرہ کیا۔ اسلامی حکومت کے ابتدائی دور میں جبکہ تاریخ بن رہی تھی۔ ایک گورنر کا یہ اقدام آنے والی نسلوں کے لئے نہایت افسوسناک ثابت ہوتا۔ اس احساس نے حضرت علیؓ کو مضطرب کر دیا۔ ان کا یہی احساس فرض تھا جس نے انہیں ایک نہایت نازک لمحہ آواز دی۔ انہوں نے نزاکت وقت کا احساس کرتے ہوئے اس آواز پر لبیک کہی۔ مگر اس "لبیک" کی انہیں بڑی گراں قیمت ادا کرنی پڑی لیکن تاریخ نے یہ بات آج تک فراموش نہیں کی اور جب تک زمین اپنے محور کے گرد گردش کرتی رہے گی۔ تاریخ اسے برابر یاد رکھے گی کہ حضرت علیؓ نے یہ قیمت ادا کرتے وقت سود و زیاں کو نہیں اصول کو مدنظر رکھا انہوں نے اس کی قطعاً پرواہ نہ کی کہ فتح کیسے ہوتی ہے اور شکست کیسے۔ ان کے پیشِ نظر صرف ایک ہی مقصد رہا کہ آنے والا مورخ جب ان کے عہد کی تاریخ

قلمبند کرے تو وہ یہ نہ لکھ سکے کہ علیؓ نے اپنے اقتدار کے تحفظ کی خاطر غلط کار لوگوں سے سودا بازی کی اور اس نے غیر اسلامی تحریکات اور غیر اسلامی رجحانات کو پروان چڑھنے سے نہ روکا۔ اس خیال سے کہ کہیں مجھے ناکامی کا منہ نہ دیکھنا پڑے اُس نے سلطنت اسلامی کے خلاف علم بغاوت کرنے والوں پر ہاتھ ڈالنے سے گریز کیا حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ کے خلاف جو جنگ لڑی۔ اس کے سب سے بڑے مقصد کو فراموش کر دیا گیا حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے طرز عمل سے آنے والی نسلوں کو یہ سبق دیدیا کہ ملت میں انتشار پھیلانے والوں کو کسی حالت میں معاف نہ کیا جائے ان سے کبھی اغماض نہ برتا جائے۔ خواہ وہ کتنے ہی مضبوط اور منظم ہوں لیکن برعکس اس کے حضرت معاویہؓ نے جو رول ادا کیا۔ اس نے نہ صرف حضرت علیؓ کی پریشانیوں میں اضافہ کیا۔ بلکہ اسلامی تصورات کو بھی پارہ پارہ کر کے رکھ دیا۔

خونِ عثمانؓ

حضرت معاویہؓ کو حضرت علیؓ سے سب سے بڑی شکایت یہ تھی کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو سزا کیوں نہیں دی۔ انہوں نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ حضرت علیؓ کو خونِ عثمانؓ سے متہم بھی کیا۔ حالانکہ وہ خوب جانتے تھے۔ کہ حضرت علیؓ کا شہادتِ عثمانؓ سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ خود حضرت علیؓ واشگاف الفاظ میں خونِ عثمانؓ سے اپنی بریت کا اعلان فرما چکے تھے۔ حضرت معاویہؓ کے نام انہوں نے جو خطوط لکھے۔ ان میں بھی صاف الفاظ میں ہستئ باری تعالیٰ کی قسم کھا کر بیان کیا کہ میرا خونِ عثمانؓ سے کوئی تعلق نہیں۔ میدانِ جنگ میں حضرت معاویہؓ کے وفود سے جو گفتگو ہوئی اس میں بھی انہوں نے اس الزام کی پرزور

تردید کی۔ مگر ان تمام باتوں کے باوجود حضرت معاویہؓ کو اصرار تھا کہ شہادت عثمانؓ میں حضرت علیؓ کا بھی ہاتھ تھا۔ کسی ثبوت کے بغیر ایک مقتدر صحابی کو مجرم گردانا۔ ایک بزرگ کی قسم پر اعتبار نہ کر کے اسے جھوٹا قرار دینا یہ ایسا افسوسناک فعل ہے جو سراسر غیر اسلامی کہلانے کا مستحق ہے۔ اسلام میں بدظنی کے لئے قطعاً جگہ نہیں۔ شک و شبہ کو اسلام سخت ناپسند کرتا ہے اور اسے بہت بڑا گناہ قرار دیتا ہے۔

انہوں نے حضرت علیؓ سے مطالبہ کیا کہ قاتلین عثمانؓ سے انتقام لیجئے حالانکہ وہ خوب جانتے تھے کہ حضرت علیؓ ان لوگوں میں سے تھے جو مجرموں کے معاملے میں نہایت درجہ سخت گیر ہوتے ہیں۔ چنانچہ واقعات اس کی شہادت دیتے ہیں کہ جن لوگوں پر انہیں ذرا بھی شک گذرا۔ ان سے باز پرس کرنے میں انہوں نے قطعاً کوتاہی نہیں کی۔ محمد بن ابوبکرؓ کو بلا کر ان سے جواب طلبی کرنے کا واقعہ سب کے سامنے ہے۔ پھر حضرت معاویہؓ کو یہ بھی معلوم تھا کہ جس وقت حضرت عثمانؓ کو شہید کیا گیا ہے۔ اس وقت موقع کا گواہ ایک بھی نہ تھا۔ جو ملزموں کی نشان دہی کرتا۔ صرف حضرت عثمانؓ کی بیوی حضرت نائلہ تھیں۔ مگر وہ بھی ملزموں کی شناخت کرنے سے قاصر رہی تھیں۔ بغیر ثبوت اور گواہوں کے کسی شخص یا اشخاص کو پھانسی دیدینا اسلام میں تو کیا کہ وہ تو بہت ارفع و اعلیٰ قانون ہے۔ عام قانون کی رُو سے بھی جائز نہیں۔ مگر حضرت معاویہؓ کو ان حقائق سے کوئی سروکار نہ تھا۔ ان کا مقصد تو صرف ایک ہی تھا کہ جس طرح ہو سکے۔ حضرت علیؓ کو پریشان کیا جائے اور عوام الناس میں ان کے متعلق غلط فہمیاں پھیلائی جائیں۔ لیکن کچھ لوگوں کو کچھ

عرصے کے لئے تو بیوقوف بنایا جا سکتا ہے۔ ساری دنیا کو بھی کچھ عرصے کے لئے دھوکہ دیا جا سکتا ہے۔ لیکن ساری دنیا کو ہمیشہ کے لئے فریب میں نہیں رکھا جا سکتا۔ تاریخ کہ جس نے ایک ایک واقعہ اور ہر شخصیت کا ایک ایک پہلو اپنے صفحات میں محفوظ کر لیا ہے آج ہمارے سامنے موجود ہے۔ وہ ہم سے کہتی ہے اور لگی لپٹی رکھے بغیر کہتی ہے کہ خونِ عثمانؓ کا نعرہ محض مقصد براری کے لئے تھا۔ اس معاملہ میں حضرت معاویہؓ مخلص نہیں تھے۔ تاریخ کسی کے ساتھ رعایت نہیں کرتی۔ چنانچہ اس نے حضرت معاویہؓ کے ساتھ بھی رعایت نہیں کی اور ذیل کا واقعہ صاف الفاظ میں سنا کر ان کے چہرے سے نقاب اُلٹ دیا۔

تاریخ کا فیصلہ

حضرت علیؓ کی شہادت اور حضرت امام حسنؓ کی دست برداری کے بعد جب حضرت معاویہؓ تمام عالم اسلام کے فرماں روا بن گئے تو وہ مدینہ تشریف لے گئے مدینہ کے دوران قیام میں ایک روز حضرت عثمانؓ کے گھر بھی ۔۔۔۔۔۔ گئے۔ حضرت عثمانؓ کی بیٹی عائشہ انہیں دیکھ کر رونے اور اپنے باپ کا نام لے لیکر واویلا کرنے لگیں۔ اس موقع پر حضرت معاویہؓ نے عائشہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ

"اے میری بھتیجی! لوگ ہمارے مطیع ہو گئے ہیں اور ہم نے انہیں امان دی ہے۔ ہم نے اپنے غصہ کو روک کر ان پر اپنا حلم ظاہر کیا ہے انہوں نے ہماری امداد کی ہے۔ مگر ان کی امداد کے نیچے آگ چھپی ہوئی ہے۔ ہر آدمی کے پاس تلوار ہے۔ اگر ہم نے تلوار پکڑ لی اور عہد شکنی کی تو وہ بھی عہد شکنی کریں گے۔ (عقد الفرید جلد سوم)

حضرت معاویہؓ کی تقریر کا مطلب یہ تھا کہ اب اگر ہم نے حضرت عثمانؓ کے
کے قاتلوں کو پکڑ کر سزا دینی چاہی تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ بغاوت پر اتر آئیں گے
اس سے اس امر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت معاویہؓ خون عثمانؓ کے معاملے
میں اصول کو کہاں تک مدنظر رکھتے تھے۔ وہ لوگ جو حضرت معاویہؓ کے اس
اقدام کو ان کی اجتہادی غلطی قرار دیتے ہیں اور اس طرح ان کے دامن کو اس الزام سے
بری کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں آنکھیں کھول کر یہ فیصلہ پڑھیں جو خود حضرت معاویہؓ نے اپنی
زبان مبارک سے صادر فرمایا ہے۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ اگر حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے انتقام لینا کوئی شرعی غرض
تھا تو جب حضرت معاویہؓ فرماں روا ہو گئے، جب وہ انتقام لینے پر قادر ہو گئے تو انہوں نے انتقام کیوں نہیں لیا۔ کیا
ان کے یہ الفاظ کہ:۔ "اے میری بھتیجی! لوگ ہمارے مطیع ہو گئے ہیں۔"
یہ امر ظاہر نہیں کرتے کہ انہوں نے خونِ عثمانؓ کے قصاص کا نعرہ صرف اور صرف
لوگوں کو اپنا مطیع بنانے کے لئے لگایا تھا۔ ورنہ خونِ عثمانؓ کا قصاص دراصل
ان کے پیش نظر نہ تھا اور کیا ان کا یہ خدشہ کہ:۔

"ہر شخص کے پاس تلوار ہے اگر ہم نے تلوار پکڑ لی تو وہ بھی میدان میں
آجائیں گے۔"

یہ ثابت نہیں کرتا کہ حضرت معاویہؓ جیسا مطلق العنان فرمانروا بھی مصلحت بیں اور
وقت کے ساتھ چلنے والا تھا۔ وہ خون خرابے سے بچنے اور اپنی حکومت و اقتدار
خطرہ میں پڑ جانے کے ڈر سے مظلوم خلیفہ کے قاتلوں پر ہاتھ ڈالنے سے بھی گریز
کرتا تھا۔

سوچنے کا مقام ہے کہ اگر حضرت معاویہؓ تمام عالم اسلام کے فرماں روا ہوتے

ہوئے، ساری مشکلات پر قابو پالینے کے باوجود صرف اس ڈر سے قاتلینِ عثمانؓ کی گرفت نہ کرسکے کہ کہیں ان کی تلواریں بھی نیام سے باہر نہ آجائیں۔ تو پھر اگر حضرت علیؓ نے انتہائی پُرآشوب زمانے میں قاتلینِ عثمانؓ سے انتقام لینے میں توقف کیا۔ تو کون سا گناہ کیا۔ خصوصاً ان حالات میں کہ قاتلوں کی نشان دہی بھی نہیں ہوئی تھی جب کم وبیش ایک لاکھ انسانوں کو خاک وخون میں نہلا کر بھی خونِ عثمانؓ کا قصاص نہ لیا جاسکا تو کوئی بتائے کہ قصاص کا نعرہ لگانے سے کیا فائدہ ہوا اور اس قتل وخونریزی کا ذمہ دار کون ہے، معاویہؓ یا علیؓ؟

خونِ عثمانؓ کی تشہیر

پھر امیر معاویہؓ نے خونِ عثمانؓ کی تشہیر کا جو طریقہ اختیار کیا۔ وہ بھی کسی تعمیری اور اصلاحی پروگرام کا حصہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔ اگر حضرت معاویہؓ شہادتِ عثمانؓ سے واقعی اس درجہ متاثر ہوئے تھے اور قصاص کا مطالبہ کرنے سے ان کا مقصد حصولِ اقتدار نہیں تھا۔ بلکہ اس طرح وہ صرف حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو سزا دینا چاہتے تھے تو انہیں چاہیئے تھا کہ شہادتِ عثمانؓ کی خبر سُنکر وہ سیدھے مدینہ تشریف لے جاتے صحابہ سے مل کر حقیقت حال معلوم کرتے اور حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد ان کی خدمت میں بصد ادب عرض کرتے۔ کہ امیرالمومنین! حضرت عثمانؓ بے گناہ اور مظلوم شہید کئے گئے ہیں۔ اس لئے ان کے خون کا قصاص لینا چاہیئے۔ صحابہ کرام اور حضرت علیؓ کے مشورے سے ایک طریقِ کار وضع کیا جاتا۔ حضرت معاویہؓ، خلیفۂ وقت (حضرت علیؓ) کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اسی طریقِ کار پر عمل کرتے۔ اس صورت میں سمجھا جاتا کہ حضرت معاویہؓ

صرف اور صرف حضرت عثمانؓ کے خون کا قصاص لینا چاہتے تھے۔ اور اس میں مخلص تھے۔ مگر انہوں نے ایسا نہ کیا۔ بلکہ حضرت عثمانؓ کی خون آلودہ قمیص اور ان کی بیوی حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں دمشق کی جامع مسجد میں آویزاں کروا دیں اور سارے شام میں اس واقعہ کی منادی کروا دی۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی مشہور کر دیا کہ امیر المومنین عثمانؓ کی شہادت علیؓ کے اشارے یا مشورے سے ہوئی ہے۔ پراپیگنڈے کا یہ طریق ایک بلند پایہ صحابی کو کسی طرح زیب نہیں دیتا۔ مومن کا فرض تو اختلافات کو کم کرنا اور شگافوں کو بند کرنا ہے نہ کہ اختلافات کو ہوا دینا اور سوراخوں کو بڑھانا۔ افسوس کہ حضرت معاویہؓ نے پروپیگنڈے کا یہ گھٹیا طریق اختیار کر کے اپنے بعد آنے والوں کے لئے ایک بری مثال قائم کر دی بہرحال حضرت معاویہؓ کے طریق کار کا نتیجہ یہ ہوا کہ سارے شام میں آگ لگ گئی۔ عراق اور مصر بھی حضرت علیؓ کے خلاف اس پروپیگنڈے سے متاثر ہوئے۔ اور بہت سے لوگ حضرت معاویہؓ کے اس خیال سے متفق ہو گئے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت حضرت علیؓ کے اشارے سے ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ خلیفۂ وقت ہی کو کسی سازش میں ملوث سمجھیں اور سازش بھی قتل کی، وہ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کیسے کر سکتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چاروں طرف حضرت علیؓ کی مخالفت کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا اور یہ طوفان نہ صرف حضرت علیؓ بلکہ آخر میں حضرت معاویہؓ کی خاندانی حکومت اور ان کے جانشینوں کی امارت کو بھی بہا لے گیا۔ اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ امت میں ایسا اختلاف اور انتشار پیدا ہو گیا کہ اس واقعہ کو تقریباً ساڑھے تیرہ سو سال گذر جانے کے باوجود آج بھی موجود ہے۔ نہ صرف موجود ہے بلکہ اس

میں کچھ اضافہ ہی ہوچکا ہے۔

خلوصِ دل کا تقاضا

بعض مورخین کا خیال ہے کہ حضرت معاویہؓ کا حضرت علیؓ کی بیعت سے دستکش ہونا کسی بغض وعناد کی وجہ سے نہ تھا۔ نہ انہیں حضرت علیؓ سے کوئی ذاتی پرخاش تھی وہ خلوصِ دل سے حضرت علیؓ کے طریق کار (خونِ عثمانؓ کا قصاص لینے میں توقف) سے اختلاف رکھتے تھے اس لئے انہوں نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی۔ ہم اس پر اصرار نہیں کرتے کہ حضرت معاویہؓ کو حضرت علیؓ سے کوئی ذاتی عناد تھا۔ لیکن ہمیں یہ بات تسلیم کرنے میں تامل ہے کہ حضرت معاویہؓ کا بیعت علیؓ سے دستکش رہنا خلوصِ دل کی بناء پر تھا۔

وہ دَور تو خیر بہت اعلےٰ وارفع تھا۔ اس گئے گذرے زمانے میں بھی اگر کسی مملکت کے گورنر یا وزیر کو اپنے گورنر جنرل یا وزیر اعظم کی پالیسی سے اختلاف ہوتا ہے تو وہ کیبنٹ کو اپنا استعفےٰ پیش کر دیتا ہے۔ اگر حضرت معاویہؓ کو بھی حضرت علیؓ کے طریق کار سے اختلاف تھا تو خلوص، دیانت اور اصول تینوں کا تقاضا تھا کہ وہ یہ کہہ کر اپنے عہدہ سے استعفےٰ دیدیتے کہ چونکہ خلیفۃ المسلمین کے فلاں اقدام سے مجھے اتفاق نہیں ہے اس لئے میں ان کے ساتھ تعاون نہیں کرسکتا۔ کسی نے انہیں مجبور نہیں کیا تھا اور نہ کوئی مجبور کرتا کہ وہ ضرور شام کے گورنر رہیں۔ مگر انہوں نے ایسا نہ کیا۔ وہ بدستور شام پر قابض رہے اور اس کے ساتھ ساتھ اہل شام کو حضرت علیؓ کے خلاف بھڑکا کر جنگ کی تیاریاں کرتے رہے۔ انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کی۔ بلکہ دوسرے صوبوں میں بھی حضرت علیؓ کے خلاف پراپیگنڈہ کیا اور اس طرح

ساری ملت میں حضرت علیؓ کے خلاف بغض وعناد اور نفرت کی تخم ریزی کی، یہ کھیتی آج تک کاٹی جارہی ہے۔ اور معلوم نہیں اسی طرح کب تک کٹتی رہے گی۔ کیا خلوص دل اور اصول پسندی کا تقاضا یہی تھا؟ ہر صاحب فہم وفراست اور معقولیت پسند آدمی کو اس پر غور کرنا چاہیئے۔

بیت المال پر ناجائز تصرّف

حضرت معاویہؓ نے کامیابی حاصل کرنے کے لئے سیاست کے جس کھیل کا مظاہرہ کیا۔ افسوس کہ ہم اسے بھی اسلامی سیاست نہیں کہہ سکتے۔ انہوں نے اپنی سلطنت کو مضبوط کرنے اور حضرت علیؓ کو ناکام بنانے کے لئے ہر اس شخص سے سودا بازی کرلی۔ جو ان کا ممد ومعاون بن سکتا تھا۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے بیت المال کا دروازہ اور تھیلیوں کا منہ کھول دیا۔ جس نے جو مانگا اسے عطا فرما دیا خصوصاً بڑے بڑے سرداروں کو رشوتیں دیں اور ان کے قبائل کی امداد حاصل کرکے وہ اپنی طاقت کو مضبوط اور حضرت علیؓ کو آخر تک پریشان کرتے رہے۔" طبری" کے بیان کے مطابق انہوں نے قبیلہ "بنو تمیم" کے سرداروں کو ایک ایک لاکھ درہم دے کر خریدا اور انہیں حضرت علیؓ کے خلاف استعمال کیا۔ ان میں سے ایک نامور سردار ابو منازل کو خریدنے کا واقعہ تو بہت ہی مشہور ہے۔ جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ اور یہ واقعہ ہم اپنی تصنیف "مقام حسین" میں تفصیل سے بیان کرچکے ہیں۔

پھر یہی نہیں تاریخ سے یہ بھی ثابت ہے کہ انہوں نے بیت المال کے روپیہ کو اپنی ذات پر خرچ کیا اور یہ ان سے کچھ بعید بھی نہ تھا۔ کیونکہ ان کے ٹھاٹھ امیرانہ تھے۔ ان کے انداز شاہانہ تھے۔ وہ سر بفلک محل میں رہتے تھے جو اسلامی

روح کے قطعاً خلاف تھا۔ ان کے یہاں حریر و پرنیاں کا بے تکلف استعمال ہوتا تھا۔ حالانکہ یہ طریق اسلامی سادگی کے قطعاً منافی تھا۔ اور جسے رسول اللہ کبھی پسند نہ فرماتے تھے۔ انہوں نے ایک شخص کو اس امر کی تحقیق پر مامور کیا کہ ان جاگیروں کا کھوج لگاؤ جو فتح سے پہلے بادشاہوں کی ذاتی ملکیت تھیں اور جب ایسی زمینوں کا سراغ مل گیا تو حضرت معاویہؓ نے انہیں اپنی ذاتی جاگیر میں شامل کر لیا۔ حالانکہ وہ زمینیں تنہا حضرت معاویہؓ نے فتح نہ کی تھیں۔ ان فتوحات میں ہزاروں مسلمانوں کی جانیں کام آئی تھیں اس لئے اصولاً ان زمینوں کو ساری امت کی ملکیت ہونا چاہیے تھا۔

رسول اللہ کے عہد مبارک میں یہ تصور تک نہیں کیا جا سکتا تھا کہ مسلمانوں کا امیر اپنے اور اپنی بیوی بچوں کے لئے بیت المال سے ایک کروڑ درہم سالانہ لیگا۔ لیکن حضرت معاویہؓ نے لیا اور ڈنکے کی چوٹ لیا۔ انہوں نے غیر مسلموں سے ان کے تہواروں کے موقع پر نذرانے قبول کئے۔ جن کا تخمینہ ایک کروڑ درہم تک لگایا گیا ہے اور یہ گراں قدر رقم اپنی ذات پر خرچ کر لی۔ (یعقوبی حصہ دوم)

حالانکہ اصولاً انہیں اس کا کوئی حق نہ پہنچتا تھا۔ اگر حضرت معاویہؓ سلطنت اسلامی کے حاکم نہ ہوتے۔ تو کیا اس صورت میں بھی انہیں ایک کروڑ درہم کی نذر پیش کی جاتی؟ بلا شبہ یہ نذرانہیں ان کی ذاتی اور شخصی حیثیت سے نہیں بلکہ اسلامی سلطنت کے سربراہ کی حیثیت سے پیش کی گئی۔ پس ان کا فرض تھا کہ وہ یہ رقم بیت المال کے حوالے کر دیتے۔ اور پھر اسے عوام کی فلاح و بہبود پر صرف کیا جاتا۔ اگر رسول اللہ یا حضرت عمرؓ کا زمانہ ہوتا تو حضرت معاویہؓ کبھی ایسی

جرات نہ کرتے اور اگر کر گزرتے تو انہیں ایسی عبرتناک سزا دی جاتی کہ آنے والی نسلیں اس سے سبق حاصل کرتیں۔ انہوں نے صرف اقتدار کے بل پر ایسے اقدامات کئے۔ جن کے لئے گذشتہ خلفا کی زندگی اور طرز عمل سے کوئی نظیر نہیں پیش کی جاسکتی۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ تو خیر خلفائے راشدین میں سے تھے حضرت معاویہؓ ان کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکتے تھے۔ اس لئے ان بزرگوں سے تو معاویہؓ کے مقابلے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن انہیں کے خاندان یعنی نبوامیہ میں ایک خلیفہ پیدا ہوا جس کا نام عمر بن عبدالعزیز تھا۔ رسولؐ اللہ کی صحبت سے مشرف نہ ہوتے ہوئے بھی ان کے دینی معیار، تقویٰ اور بیت المال کے معاملے میں احتیاط کا یہ عالم تھا کہ جب ان کا آخری وقت ہوا تو ان کے سامنے ان کے بچے پیش کئے گئے۔ جن کی تعداد بارہ تھی اور ان سے کہا گیا کہ ان کا بھی کچھ بندوبست کرتے جایئے۔ عمر بن عبدالعزیز نے اس کا جو جواب دیا۔ وہ تاریخ نے اپنے سینے سے لگا کر رکھا اور آج تک محفوظ ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ بیت المال تو عوام کا ہے میرا نہیں۔ اس لئے اس میں سے ان لوگوں کو کچھ نہیں دیا جا سکتا۔

(ابن کثیر جلد نہم)

صحابہ کی اہانت

پھر حضرت معاویہؓ نے اسی پر بس نہیں کی۔ بلکہ جب انہیں اقتدار حاصل ہو گیا اور حضرت علیؓ شہید کر دیئے گئے۔ تو انہوں نے بڑے نامی گرامی اور بزرگ صحابہ کی اہانت کی۔ جن لوگوں نے حضرت معاویہؓ کی غلط سیاست اور غیر اسلامی طرز عمل سے اختلاف یا اس کے خلاف احتجاج کیا اسے قید و بند کی تکلیفیں دیں، اور

انتہا یہ ہے کہ بعض لوگوں کو دردناک طریقے سے ہلاک کروا دیا۔ انہوں نے حضرت علیؓ جیسے بزرگ پر سب وشتم کیا۔ ان علیؓ پر معاویہؓ جن کے پاسنگ کو بھی نہ پہنچ سکتے تھے۔ ان کے گورنروں نے خانۂ خدا میں اس منبر پر کھڑے ہو کر حضرت علیؓ کو گالیاں دیں۔ جو منبر رشد وہدایت کے لئے مخصوص تھا اور جہاں سے امت کو اتحاد و اتفاق کا پیغام دیا جاتا تھا۔ ایسا کیوں کیا جاتا تھا؟ اس کی ایک خاص وجہ تھی۔ ذہین و فریب معاویہؓ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ خواہ کتنی ہی طاقت اور کتنا ہی اقتدار حاصل کر لیں۔ مگر مسلمانوں میں حضرت علیؓ کو جو دینی مرتبہ حاصل تھا۔ وہ اس تک نہیں پہنچ سکتے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ مسلمانوں میں ایسے لوگوں کی خاصی تعداد موجود ہے۔ جو حضرت علیؓ سے محبت کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ علیؓ سے محبت کریں گے۔ انہیں علیؓ کے دشمن (معاویہؓ) سے کبھی محبت نہیں ہو سکتی پس حضرت معاویہؓ نے سوچا کہ جب تک مسلمانوں کے دلوں سے علیؓ کی محبت زائل نہیں کی جاتی۔ وہ اموی حکومت کے سچے وفادار نہیں ہو سکتے۔ اس لئے انہوں نے اپنے گورنروں اور سلطنت کے دوسرے حکام کو ہدایت کی کہ جہاں تک ہو سکے علیؓ کو بدنام کرو اور ان کے کردار کی بھیانک تصویر پیش کرو تاکہ لوگ ان سے نفرت کرنے لگیں اور انہیں بھول جائیں۔ حضرت علیؓ پر سب وشتم اور ان کے خلاف دشنام طرازی اسی سلسلے کی کڑی تھی۔ یہ افسوسناک طریق کار حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے مسند آرائے خلافت ہونے کے وقت تک جاری رہا۔ اللہ کی ہزار ہزار رحمتیں ہوں عمر بن عبدالعزیزؒ کی روح پر جنہوں نے اس گناہ کبیرہ کو حکماً بند کروایا۔

تاریخ کا بیان ہے کہ حضرت معاویہؓ کے عہد حکومت میں حضرت علیؓ کے خلاف دشنام طرازی اس حد تک شدت اختیار کر چکی تھی کہ بعض صحابہ رسولؐ کا پیمانہ صبر وضبط لبریز ہو گیا اور انہیں اس کے خلاف احتجاج کرنا پڑا۔ چنانچہ مشہور صحابی حضرت حجرؓ بن عدی کا احتجاج اور اس کا انجام تاریخ کا ایک خونچکاں باب بن چکا ہے۔ ایک مشہور مورخ لکھتا ہے کہ کوفہ کا گورنر مسجد میں سر منبر حضرت علیؓ پر لعن طعن کرتا تھا۔ حضرت حجرؓ بن عدی نے اس کی مخالفت کی اور کھڑے ہو کر کہا کہ "اے دشمن خدا تو رسولؐ کے دوست کو گالیاں دیتا ہے۔" حضرت حجرؓ حضرت علیؓ کے سچے رفیق اور عاشق صادق تھے۔ انہوں نے تمام جنگوں میں بڑی بہادری سے حضرت علیؓ کا ساتھ دیا تھا۔ حضرت معاویہؓ اور ان کے گورنروں کو یہ بات بخوبی معلوم تھی اور وہ جانتے تھے کہ حجرؓ کسی غیر اسلامی طریق کار سے اتفاق نہیں کریں گے اور نہ حضرت علیؓ کے خلاف سب وشتم گوارا کریں گے۔ مگر چونکہ حضرت علیؓ پر سب وشتم اموی تحریک کا جزو اعظم تھا اس لئے اموی اسے بند کرنے کے لئے تیار نہ ہو سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے حجرؓ بن عدی اور ان کے ساتھ چھ یا سات آدمیوں کو گرفتار کر لیا۔ یہ قافلہ پابہ زنجیر کر کے حضرت معاویہؓ کے سامنے لایا گیا۔ جہاں ان پر بغاوت کا الزام عائد کر کے ان کی گردنیں مارنے کا حکم دیا گیا۔ جب حضرت عائشہؓ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی۔ تو انہوں نے حضرت معاویہؓ کو اس اقدام سے باز رہنے کی ہدایت کی مگر پیشتر اس سے کہ حضرت عائشہؓ کا پیغام پہنچتا حضرت حجرؓ اور ان کے ساتھی خاک وخون میں لوٹ کر ٹھنڈے ہو چکے تھے۔

(طبری کی تاریخ)

اس واقعہ نے مسلمانوں کے ایک بڑے طبقے کو حضرت معاویہؓ سے برگشتہ کردیا۔ حضرت عائشہؓ کو بھی اس کا قلق ہوا اور وہ آخر تک حضرت معاویہؓ سے ناراض رہیں۔ یہ تو تھا حضرت معاویہؓ کا طریق کہ وہ اپنے مخالفین کو گالیاں دلواتے تھے اور جو اس کے خلاف احتجاج کرتا تھا، اسے نہایت بے دردی سے ذبح کروا دیا کرتے تھے لیکن اس کے برعکس حضرت علیؓ کا طریق کار کیا تھا؟ ذیل کا واقعہ اس کے ثبوت کے لئے کافی ہے :

حضرت علیؓ کا طریق کار

"حضرت معاویہؓ نے اپنی سیاسی دعوت کو کامیاب بنانے کے لئے حضرت علیؓ کو سرِعام برا بھلا کہنے کا طریقہ نکالا تھا لیکن حضرت علیؓ نے اپنے مددگاروں اور حامیوں کو سختی سے منع کر دیا تھا کہ معاویہؓ کو برا بھلا نہ کہا جائے۔ ایک مرتبہ جب آپ کو یہ خبر ملی کہ حجرؓ بن عدی اور عمر بن الحمق حضرت معاویہؓ کو برا بھلا کہتے اور اہلِ شام پر لعن طعن کرتے ہیں تو آپ نے ان دونوں کو بلا بھیجا اور ان سے اس حرکت کا سبب پوچھا۔ انہوں نے کہا۔

"یا امیر المومنین! کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں ہیں؟"

حضرت علیؓ نے فرمایا "بیشک ہم حق پر ہیں۔ لیکن مجھے یہ بات سخت ناپسند ہے کہ تمہارا شمار گالیاں دینے والوں اور لعنت ملامت کرنے والوں میں کیا جائے۔ تم لعنت ملامت کرنے کے بجائے یہ دعا مانگا کرو کہ "اے اللہ! ہمارے درمیان جو خونریزی ہو رہی ہے۔ اسے بند کر دے۔ ہمیں آپس میں صلح صفائی سے رہنے کی توفیق عطا فرما۔ انہیں ہدایت دے کہ وہ جہالت کو

چھوڑ کر حق کی طرف متوجہ ہوں۔ اور سرکشی کی راہ ترک کر کے صراط مستقیم پر گامزن ہو جائیں۔" (الحسین مترجمہ شیخ محمد احمد پانی پتی)

جارحانہ حملے

حضرت علیؓ کے خلاف حضرت معاویہؓ کی افسوسناک روش کا سب سے زیادہ قابل نفریں پہلو وہ حملے ہیں۔ جو انہوں نے حضرت علیؓ کی حدودِ سلطنت پر کئے۔ حالانکہ صفین کی جنگ کے آخر میں جب حضرت معاویہؓ نے کلام اللہ کا واسطہ دے کر حضرت علیؓ سے جنگ بند کرنے کی درخواست کی اور حضرت علیؓ نے جنگ سے ہاتھ اٹھالیا۔ تو ایک اعتبار سے دونوں کے درمیان صلح ہو چکی تھی۔ خواہ اس کے اسباب کچھ ہوں۔ لیکن تاریخ سے ایک مثال بھی نہیں دی جاسکتی کہ حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ پر دوبارہ حملہ کیا ہو۔ مگر حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی حدودِ سلطنت پر جارحانہ حملے کر کے اس کشمکش کا پھر سے آغاز کر دیا جس نے ملت میں افتراق پیدا کیا تھا۔ انہوں نے اپنے جرنیلوں کو لشکر جرار دے کر حضرت علیؓ کی حدودِ سلطنت پر حملے کرنے کے لئے بھیجا۔ چنانچہ مصر پر عمروؓ بن العاص نے بصرہ پر عبداللہ بن الحضرمی نے، مکہ، مدینہ اور یمن پر بسر بن ارطاۃ نے حملے کئے اور حضرت علیؓ کے بہت سے حامیوں کو بڑی سفاکی سے قتل کیا۔ گو ان حملوں میں سوائے مصر کے حضرت معاویہؓ کو اور کہیں کامیابی نہیں ہوئی اور حضرت علیؓ کے جرنیلوں نے اموی لشکروں کو ہر جگہ سے مار بھگایا۔ لیکن اس طریق کار سے حضرت معاویہؓ کی سیاست کا چہرہ ضرور بے نقاب ہو گیا۔ ان کے جرنیلوں نے بصرہ پر حملہ کر کے وہاں کا بیت المال تک لوٹ لیا اور لوگوں سے حضرت معاویہؓ

کی جبراً بیعت کی۔ بسر نے یمن پر حملہ کر کے وہاں کے گورنر اور صحابیٔ رسولؐ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے دو کمسن بچوں کو ذبح کروا دیا۔ اور حضرت علیؓ کے بے شمار حامیوں کو بڑی سفاکی سے قتل کر دیا۔ طبری، ابن اثیر اور ابن خلدون نے اپنی تاریخوں میں ان واقعات کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ وہ تو خیر غیر جانب دار مورخ تھے۔ حضرت معاویہؓ کا بڑے سے بڑا حامی بھی ان کے اس فعل کے لئے کوئی جواز نہیں پیدا کر سکا خلیفۂ وقت کے بیت المال کو لوٹ لینا، اس سے بیعت کرنے والوں کو قتل کر دینا اور سب سے بڑھکر یہ کہ پرامن شہریوں پر بلا کسی وجہ کے حملے کرنا یہ ایسے اقدامات ہیں جنہیں کسی طرح اسلام کی خدمت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بلکہ یہ وہ طریق کار تھا جس سے انہوں نے اسلامی سلطنت کو نقصان پہنچایا اور بلا وجہ مسلمانوں کا خون بہایا۔ انہوں نے امیر المومنین علیؓ کے ان تصورات کو حقیقت اور عمل کا جامہ پہنانے میں رکاوٹیں پیدا کیں کہ جو اگر جامۂ عمل پہن لیتے تو گو معاویہؓ کی حکومت ضرور ختم ہو جاتی لیکن زمین پر آسمانی بادشاہ کی حکومت ضرور قائم ہو جاتی۔

اور پھر آخر میں امام حسنؓ کو خلافت سے دست بردار ہونے پر مجبور کرنا اور مرتے دم اپنے پلید بیٹے یزید کو امت کے سر پر مسلط کر جانا۔ یہ حضرت معاویہؓ کی اس قدر افسوسناک روش ہے۔ جس سے انہیں اور ان کے خاندان کو تو فائدہ پہنچا۔ مگر اسلامی حکومت کا تصور پارہ پارہ ہو گیا۔ اور امت کشتۂ خوں ریزی کے ایسے مہیب طوفان میں گھری کہ آج تک اسی میں غوطہ زن

ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے معاملے میں چشم پوشی سے کام لے اور ان کے
حالِ زار پر رحم فرمائے۔

ناکامی کے اسباب

ناکامی کے اسباب

حضرت علیؓ کی زندگی اور ان کی شخصیت کا مطالعہ کرنے کے بعد ایک قاری کے ذہن میں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ وہ شخص جو اپنے علم و فضل، زہد و تقویٰ، عقل و فراست، شجاعت و ہمت اور بے نظیر اصابت رائے کے اعتبار سے اپنے معاصرین میں ممتاز درجہ کا مالک تھا، اپنے حریف کے مقابلے میں ناکام کیوں ہو گیا؟ اور ایک ایسا شخص جو اس سے کمتر درجہ رکھتا تھا۔ اس کے مقابلے میں گوئے سبقت کیسے لے گیا؟ اس میں شک نہیں کہ اس سوال کا جواب مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں۔ اگر ہم اس دور کے حالات، اس عہد کے عوام و خواص کی دینی حالت حریفانِ علیؓ کے طریق کار اور حضرت علیؓ کی فطرت

مزاج اور ان کی با اصول زندگی کا گہری نظر سے جائزہ لیں تو یہ ناکامی
قطعاً تعجب انگیز نہیں رہتی۔

نسلی عصبیت

حضرت علیؓ کی ناکامی میں نسلی عصبیت کو بہت بڑا دخل تھا۔ حضور سرورِ
کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب قبائل ایک دوسرے کے
جانی دشمن تھے اور یہ دشمنی نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتی چلی آ رہی تھی بلکہ ہر نسل
کے بعد آنے والی نسل اسے اور شدید کر دیتی تھی۔ بنو امیہ اور بنو ہاشم بھی اسی
نسلی عصبیت کے شکار تھے۔ اس میں شک نہیں کہ حضور سرورِ کائنات نے اپنی
قوتِ قدسیہ اور پاکیزہ تعلیم سے عرب کے خونخوار قبائل کو ایک دوسرے کا دوست
بنا دیا تھا اور وہ باہم شیر و شکر ہو گئے تھے۔ مگر بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا
کہ بعض قبائل میں یہ نسلی عصبیت معمولی ہی سہی موجود ضرور تھی یا یوں کہنا چاہیے کہ
اس کا پوری طرح قلع قمع نہیں ہوا تھا۔ وہ حالات کی منتظر تھی۔ جونہی اس نے
فضا ساز گار دیکھی۔ فوراً عود کر آئی۔ حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت سے اس
نسلی عصبیت کا آغاز ہوا اور انہیں کے عہد خلافت میں یہ پروان چڑھ کر جوان
ہوئی اور آخر یہی نسلی عصبیت حضرت علیؓ کی ناکامی کا بڑا سبب بنی۔ جو
لوگ حضرت علیؓ کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ ان کے دلوں میں درحقیقت
یہی جذبہ کار فرما تھا۔ ورنہ خونِ عثمانؓ کے قصاص کا نعرہ تو صرف ایک بہانہ
تھا۔ حضرت علیؓ کی خلافت کے قیام کے بعد امویوں کو یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ اگر
حضرت علیؓ کی خلافت مستحکم ہو گئی تو ہاشمیوں کو عروج حاصل ہو جائے گا اور

بنو امیہ کے آفتاب اقتدار کو گہن لگ جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے پوری قوت سے اسکی مخالفت کی۔ شام جو حضرت معاویہؓ کا پوری طرح وفادار تھا امویوں سے بھرا پڑا تھا۔ شام کے علاوہ سلطنت اسلامی کے دوسرے حصوں میں بھی اموی آباد تھے۔ انہوں نے بھی حضرت علیؓ کی مخالفت میں پورا زور لگا دیا حقیقت یہ ہے کہ اگر حضرت امیر معاویہؓ کو امویوں کی پشت پناہی حاصل نہ ہوتی اور بدقسمتی سے مسلمانوں میں نسلی عصبیت عود نہ کر آتی تو حضرت معاویہؓ کی کامیابی محال تھی۔ شاید اس صورت میں حضرت علیؓ کی ..... مشکلات کچھ کم ہو جاتیں۔

بہرحال اس کا نتیجہ خواہ کچھ بھی ہوا ہو۔ لیکن ان حالات کا جائزہ لینے کے بعد ایک غیر جانبدار مؤرخ کی حیرت انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ بانئ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کو بمشکل پچیس سال گذرے تھے۔ کہ اسلام کے مرکز میں ایک ایسا فتنہ نمودار ہوا کہ جس کی بنیاد نسلی عصبیت پر تھی۔ اس فتنہ کو ہوا دینے والے بانئ اسلام کے نام لیوا بلکہ ان میں بعض صحابی بھی تھے اور ان کی مخالفت کا سارا زور اس شخصیت کے خلاف صرف ہو رہا تھا جو دنیائے اسلام میں بزرگ ترین اور ہر اعتبار سے ممتاز تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ نئی نسل کی ایمانی اور روحانی حالت اس پایہ کی نہ تھی۔ جو حضور سرور کائنات کے مقدس صحابہ کا طرۂ امتیاز تھا۔ مگر اس کا کیا علاج کہ مخالفت اور اس نسلی عصبیت کے سیلاب کی قیادت کرنے والوں میں حضرت معاویہؓ اور حضرت عمروؓ بن العاص جیسے صحابہ بھی شامل بلکہ پیش پیش تھے۔ مگر ایک بات ضرور ہے کہ اگر عام مسلمانوں کی ایمانی حالت اچھی ہوتی تو وہ ان قائدین کی قیادت میں کبھی وہ افسوسناک

ڈرامہ نہ کھیلتے۔ جس نے نہ صرف مسلمانوں کو رسوا کیا بلکہ ان کی جڑیں تک ہلا ڈالیں۔

ثالثی پر رضامندی

حضرت علیؓ کی ناکامی کی دوسری وجہ میدانِ صفین میں ثالثی پر رضامندی ہے جس وقت حضرت معاویہؓ نے دیکھا کہ ان کے لشکر کو شکست ہوئے جا رہی ہے تو انہوں نے حضرت عمروؓ بن العاص کے مشورے سے اپنی فوج کو حکم دیا کہ علیؓ کی فوج کو کتاب اللہ کی طرف بلاؤ۔ اس وقت ان دونوں حضرات کے سامنے معاملے کا یہ اہم اور نازک پہلو تھا کہ اگر حضرت علیؓ نے یہ فیصلہ تسلیم کر لیا تو ہم اس ناکامی سے تو بچ جائیں گے جو سامنے نظر آ رہی ہے۔ اور اگر حضرت علیؓ نے کتاب اللہ کا فیصلہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کی فوج میں دو گروہ پیدا ہو جائیں گے۔ کچھ لوگ کہیں گے کہ معاویہؓ شکست سے بچنے کے لئے یہ طریقِ کار اختیار کر رہے ہیں۔ اس لئے ہمیں جنگ سے ہاتھ نہیں روکنا چاہیئے۔ کچھ یہ کہیں گے کہ ہمیں کتاب اللہ کی طرف بلایا جا رہا ہے اگر ہم اس کی طرف نہ گئے۔ تو یہ کتاب اللہ کی ہتک ہوگی۔ اس لئے جنگ روک دینی چاہیئے۔ اس طرح حضرت علیؓ کی فوج میں اختلاف و انتشار پیدا ہو جائے گا۔ جسے سنبھالنا حضرت علیؓ کے بس سے باہر ہوگا۔ واقعہ بھی یہی ہے کہ عرب کے ان دونوں عقیل و فہیم انسانوں کا اندازہ بالکل صحیح ثابت ہوا۔ حضرت علیؓ کی فوج میں واقعی دو گروہ پیدا ہو گئے۔ غالب اکثریت ان لوگوں کی تھی جو یہ کہتے تھے کہ اللہ کی کتاب کو حکم ماننے سے انکار کرنا کتاب اللہ کی توہین ہے اور دوسرے گروہ کے افراد کی تعداد نسبتہً کم تھی۔ جو کہتا تھا کہ یہ فریب ہے۔ معاویہؓ ناکامی سے بچنے

کے لئے یہ طریقہ اختیار کر رہے ہیں۔ خود حضرت علیؓ کی رائے بھی یہی تھی۔ بلکہ سب سے پہلے انہوں نے ہی لڑائی سے دستکش ہونے والوں کو متنبہ کیا تھا کہ میں معاویہؓ اور اس کی چالوں کو خوب سمجھتا ہوں۔ اسے اپنی شکست کا یقین ہو چکا ہے۔ اس لئے شکست سے بچنے کی خاطر وہ تمہیں کتاب اللہ کی طرف بلا رہا ہے اگر تم نے لڑائی بند کر دی تو بہت نقصان اٹھاؤ گے۔ مگر حضرت علیؓ کی تنبیہ کارگر نہ ہوئی۔ کیونکہ حضرت علیؓ کی فوج میں پوشیدہ طور پر ان لوگوں کی بھی خاصی تعداد تھی۔ جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف فتنہ بپا کیا تھا۔ ان کا مشن ہی یہ تھا کہ جس طرح ہو مسلمانوں کی طاقت کو نقصان پہنچایا جائے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ علیؓ فتحیاب ہوئے جا رہے ہیں تو انہیں اپنا مشن ناکام ہوتا نظر آیا۔ کیونکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ علیؓ اس وقت مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں۔ اس لئے ہم سے کوئی تعرض نہیں کرتے ہیں لیکن جب ان کی مشکلات ختم ہو گئیں اور انہیں پوری سطوت و شوکت حاصل ہو گئی تو وہ ہم سے ضرور باز پرس کریں گے، اور ہمیں عبرتناک سزا دیں گے۔ ان لوگوں کی بہتری اسی میں تھی کہ علیؓ کی طاقت کمزور رہے تاکہ وہ انہیں سزا دینے پر قادر یا ان کی طرف متوجہ ہونے کے قابل نہ ہو سکیں۔ یہی وجہ تھی کہ جب انہوں نے حضرت علیؓ کو کامیاب ہوتے دیکھا تو اہل فوج کو یہ کہہ کر بھڑکایا کہ یہ کتاب اللہ کی توہین ہے کہ ہمیں اس کی طرف بلایا جائے اور ہم اس سے روگردانی کریں۔ عام مسلمان ان کی چال کو نہ سمجھ سکے۔ ان کا حربہ چل گیا اور کاری ثابت ہوا۔ اب ایک صورت تو یہ تھی کہ حضرت علیؓ حضرت معاویہؓ کا مقابلہ چھوڑ کر اپنی فوج کے اس گروہ کی گوشمالی کرتے جو جنگ کرنے سے گریز کر رہا تھا۔ اس کا نتیجہ

یہ ہوتا کہ خود حضرت علیؓ کے یہاں خانہ جنگی شروع ہو جاتی۔ اور جب حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ کو خانہ جنگی میں مبتلا دیکھتے تو فوراً ان پر حملہ کر دیتے۔ یہ دو طرفہ حملہ حضرت علیؓ کو شکست سے ہمکنار کر دیتا۔ اس لئے حضرت علیؓ نے یہ طریقہ چھوڑ کر دوسرا طریقہ اختیار کیا اور کہنا پڑتا ہے کہ انہوں نے بڑی فراست سے کام لیا۔ اس طرح انہوں نے حضرت معاویہؓ کے اس منصوبے کے آخری حصے کو ناکام بنا کر کتاب اللہ کا فیصلہ تسلیم کرنے پر رضامندی کا اظہار کر دیا۔ اس میں شک نہیں کہ بعد کو یہ فیصلہ حضرت علیؓ کے حق میں مفید ثابت نہ ہوا۔ جن لوگوں کو ثالثی کے فرائض تفویض کئے گئے تھے انہوں نے اپنے دائرہ اختیار سے ہٹ کر فیصلہ کیا۔ انہیں ہرگز یہ حق نہ تھا کہ وہ خلیفہ کو معزول کر دیں۔ انہوں نے ایسا فیصلہ کیا جو حضرت علیؓ کے لئے ناقابل قبول تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے یہ فیصلہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس عرصے میں حضرت معاویہؓ کو تیاری کرنے کا موقعہ مل گیا۔ انہوں نے سلطنت اسلامی کے مختلف حصوں میں خوب پروپیگنڈا کیا۔ اپنی عسکری طاقت کو مضبوط کیا۔ سرداران قبائل کو اپنے ساتھ ملایا اور حضرت علیؓ کے علاقوں پر تاخت شروع کر دی۔ ادھر تحکیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ خوارج کا ایک نیا فتنہ پیدا ہو گیا۔ اس سے بھی فائدہ حضرت معاویہؓ کو پہنچا۔ کیونکہ ان کے ساتھ بھی حضرت علیؓ کو الجھنا پڑا۔ اس طرح حضرت علیؓ کی طاقت کئی محاذوں پر تقسیم ہو گئی۔

لشکرِ علوی کی پست ہمتی

جنگ صفین اور ثالثوں کے فیصلے کے بعد بھی موقع تھا کہ حضرت علیؓ حضرت معاویہؓ پر پھر حملہ کرتے اور میدان جنگ میں تلوار کے زور سے آخری فیصلہ ہو جاتا

مگر مشکل یہ آپڑی کہ طویل عرصہ تک جنگ کرنے کی وجہ سے حضرت علیؓ کی فوج تھک چکی تھی۔ لشکر علوی کو صرف حضرت معاویہؓ ہی کے خلاف نہیں لڑنا پڑا تھا۔ بلکہ اس سے پہلے جنگ جمل میں حضرت عائشہؓ کے ساتھ بڑا خوں ریز معرکہ ہوچکا تھا جس میں بے حد جانی نقصان ہوا تھا۔ اس کے بعد صفین کی جنگ، جنگ جمل سے بھی زیادہ خوں ریز تھی۔ جنگ صفین کے بعد نہروان کے مقام پر خوارج کے ساتھ بھی حضرت علیؓ ہی کو جنگ کرنی پڑی تھی۔ اس کے برعکس حضرت معاویہؓ کی فوج کو صرف ایک بار صفین ہی میں لڑنا پڑا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب حضرت علیؓ نے اپنی فوج کو جمع کرکے شامی لشکر کا مقابلہ کرنے کی تحریک کی تو اہل فوج نے یہ عذر پیش کیا۔ کہ جنگ کرتے کرتے ہمارے بازو شل اور ہماری تلواریں کُند ہوچکی ہیں اور عرصہ ہوا کہ ہم اپنے رشتہ داروں سے جدا ہیں۔ آپ ہمیں اجازت دیں کہ ہم کچھ عرصہ آرام کرلیں۔ اپنے گھروں پر جاکر اپنے عزیزوں سے مل لیں۔ پھر اگلے موسم میں تازہ دم ہوکر شام چلیں گے۔ مگر بعد کے واقعات نے ثابت کردیا۔ کہ حضرت علیؓ کی فوج روز روز کی جنگ آزمائی سے تنگ آچکی تھی۔ اس کی ہمتیں پست ہوچکی تھیں۔ خود حضرت علیؓ کو بھی اس کی شکایت تھی، اور انہوں نے اپنے خطبات میں بار بار اس کا اظہار کیا ہے۔ ایک موقع پر تو انہوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ:-

"کاش معاویہؓ مجھ سے دس کوفی سپاہی لے لے اور ان کے عوض ایک شامی سپاہی دیدے۔"

پھر ایک موقعہ پر انہوں نے اپنے ساتھیوں کو ان الفاظ میں مخاطب کیا۔ کہ

"جب میں تمہیں سرما کے موسم میں اہل شام سے جنگ کرنے کا حکم دیتا ہوں تو تم یہ عذر پیش کرتے ہو کہ بہت سخت سردی پڑ رہی ہے۔ جب گرمی کا موسم آتا ہے اور میں کہتا ہوں کہ اب جنگ کرو تو کہتے ہو کہ آج کل بلا کی گرمی پڑ رہی ہے۔ آتشیں ہوائیں چل رہی ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ علیؓ سیاست نہیں جانتا۔ صحیح ہے۔ جس کی اطاعت نہ کی جائے اسے سیاست کیسے آسکتی ہے؟"

ان حالات پر غور کرنے کے بعد یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت علیؓ کی ناکامی کی ایک بڑی وجہ فوج کی پست ہمتی بھی تھی۔ مگر بادی النظر میں یہ امر بڑا عجیب ہے کہ ایسا جلیل القدر اور باجبروت حاکم اپنی فوج کے ہاتھوں اس قدر بے بس ہو جائے اور فوج اتنی خود سر ہو کہ وہ اپنے کمانڈر انچیف کا حکم ماننے سے انکار کر دے۔ کمانڈر انچیف بھی وہ جو خلیفہ بھی تھا اور خلیفہ بھی وہ جس کا نام علیؓ ابن ابی طالب تھا۔ حضرت علیؓ کی شخصیت کا یہ پہلو بے حد حیرت انگیز ہے اور یہاں پہنچکر مورخ کا قلم جواب دے دیتا ہے۔

مشیر اچھے نہ تھے

حضرت علیؓ کی ناکامی کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ ان کے مشیر اچھے نہ تھے۔ ان سے پہلے رسول اللہ کے تینوں خلفاء کو جید صحابہؓ کے مشورے حاصل تھے اور سب سے بڑھکر یہ کہ خود حضرت علیؓ جیسا تجربہ کار اور بے نظیر اصابت رائے کا مالک ان کا مشیر خاص تھا۔ سلطنت کے تمام اہم امور زیرک و تجربہ کار صحابہ

کے مشوروں سے طے ہوتے تھے۔ اسلامی جنگوں میں صحابہؓ ہی فوجوں کی قیادت کرتے تھے، اور کبھی صرف سپاہی کی حیثیت سے بھی شریک ہوتے تھے۔ غرض میدانِ جنگ کے نشیب و فراز ہوں یا امورِ جہاں بانی کے مرحلے، ہر خلیفہ اہل الرائے صحابہ کی امداد اور مشوروں سے ان پر عبور حاصل کر لیتا تھا۔ مگر جب حضرت علیؓ کا زمانۂ خلافت آیا۔ تو بیشتر تجربہ کار صحابہؓ انتقال فرما چکے تھے۔ کچھ صحابہ جن کی تعداد گو دو چار سے زیادہ نہ تھی۔ حضرت معاویہؓ کی طرف چلے گئے تھے۔ کچھ فتنہ کے خوف سے اپنے گھروں میں بیٹھ رہے تھے۔ کچھ حضرت علیؓ کی طرف سے میدانِ جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔ اور کچھ صحابہ مدینہ میں مقیم رہنے کی وجہ سے حضرت علیؓ کو اپنے مشوروں سے فائدہ نہیں پہنچا سکتے تھے (کیونکہ حضرت علیؓ نے دار الخلافہ کو مدینہ سے کوفہ منتقل کر لیا تھا) کچھ صحابہ کو حضرت علیؓ نے مختلف صوبوں کا گورنر بنا کر سلطنت کے مختلف حصوں میں بھیج دیا تھا۔ اس کا نتیجہ ہوا کہ حضرت علیؓ کے پاس صحابہ کی جو تعداد مقیم تھی وہ بہت معمولی تھی اور ان میں بھی حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ جیسا تجربہ کار شاید ہی کوئی صحابی ہو۔ مجبوراً کمانڈر انچیف سے لے کر جج، فرمانروائی، وزارتِ مال، وزارتِ داخلہ اور وزارتِ خارجہ تک تمام امور میں انہیں اپنی رائے اور اپنے ہی مشوروں کو رہنما بنانا پڑتا تھا۔ مگر پھر بھی وہ مجلس شوریٰ کو قائم رکھنا چاہتے تھے، وہ نہیں چاہتے تھے کہ رسول اللہ کا جاری کردہ طریق کار اور حضورؐ کی سنت کو ختم کر دیا جائے۔ اس لئے انہوں نے چند صحابہ اور کچھ اہل الرائے پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ قائم کر دی

تھی۔ مگر اس مجلس شوریٰ کے اراکین اس فہم وفراست، عقل وتدبر اور اصابت رائے کے مالک نہیں تھے۔ جس کی اس منصب کے لئے ضرورت تھی۔ خود حضرت علیؓ کو بھی اس کا احساس تھا۔ چنانچہ ایک بار کسی نے ان سے پوچھا کہ امیرالمومنین! اس کی کیا وجہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہر طرف امن وسکون تھا۔ لیکن آپ کے زمانے میں وہ بات نہیں۔ تو حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ "اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے مشیر ہم تھے اور ہمارے مشیر تم ہو۔" اسی مفہوم کو ایک شاعر نے یوں نظم کیا ہے ؎

اک شخص نے جنابِ علی سے یہ عرض کی
اے نائبِ رسولِ خدا، دام ظلکم
بوبکرؓ اور عمرؓ کے زمانے میں چین تھا
عثمانؓ[۱] کے بھی عہد میں لبریز تھا یہ خم
کیوں آپ ہی کے دور میں ہنگامہ ہے بپا
میری تو عقل ہو گئی اس مسئلے میں گم
کہنے لگے ہے یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات
ان کے مشیر ہم تھے، ہمارے مشیر تم

---

[۱] شاعر بھول گیا کہ حضرت عثمانؓ ہی کے آخری عہد میں تو اس ہنگامہ آرائی کی ابتدا ہوئی تھی۔
(مصنف)

ایک اعتراض

بعض مورخوں نے حضرت علیؓ کی ناکامی کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ عاملوں کو ان کے عہدوں سے معزول کر دیا۔ باوجودیکہ انہیں حضرت ابن عباسؓ اور بعض دوسرے مقتدر صحابہ نے مشورہ بھی دیا۔ کہ آپ عمال کو معزول کرنے میں جلدی نہ کریں اور اگر معزول ہی کرنا ہے تو کم از کم امیر معاویہؓ کو ان کے عہدے پر برقرار رکھیں مگر حضرت علیؓ نے اپنے مخلص خیر خواہوں کے مشوروں کو درخور اعتنا نہ سمجھا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں معزول کردہ عاملوں نے ان کے خلاف بغاوت کی اور اس بغاوت کی وجہ سے حضرت علیؓ ناکام ہوئے۔

بظاہر یہ اعتراض بہت وزنی ہے مگر درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ اس اعتراض کی بنیاد ایک مفروضے پر ہے کہ اگر حضرت علیؓ حضرت معاویہؓ کو ان کے عہدے سے معزول نہ کرتے۔ تو وہ حضرت علیؓ کے خلاف علم بغاوت بلند نہ کرتے۔ کیا اس اعتراض کو اُلٹ کر یوں نہیں کہا جا سکتا کہ اگر حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت کرنے کی بجائے دربار خلافت میں حاضر ہو کر ان کی بیعت کر لیتے، اور ان کے ساتھ پوری طرح تعاون کرتے تو حضرت علیؓ انہیں دوبارہ ولایتِ شام پر مقرر فرما دیتے۔ یہ پہلو مقابلتہً زیادہ قرینِ عقل ہے کیونکہ اس وقت حضرت علیؓ کو خود ایسے لوگوں کی ضرورت تھی۔ جو ان کے حقیقی خیر خواہ ہوتے اور ان کے دست و بازو کا کام دے سکتے۔ ظاہر ہے کہ جب حضرت علیؓ کے ساتھ حضرت معاویہؓ کی خیر خواہی ثابت ہو جاتی۔ تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ

حضرت علیؓ جیسا مدبر اور اصابت رائے رکھنے والا شخص حضرت معاویہؓ جیسے صاحب اقتدار دوست کے تعاون سے محرومی پسند کرتا۔

اعتراض کرنے والے بھول جاتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کو شام کی گورنری سے معزول کیا جاتا یا نہ معزول کیا جاتا۔ وہ ہر حالت میں خونِ عثمانؓ کے قصاص کو بہانہ بنا کر میدان میں آجاتے چنانچہ بعد کے واقعات سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد جب حضرت حسنؓ خلیفہ ہوئے تو یہ حضرت معاویہؓ ہی تھے۔ جنہوں نے حضرت حسنؓ کے خلاف صف آرائی کی اور انہیں خلافت سے دست بردار ہونے پر مجبور کر دیا۔ حالانکہ حضرت حسنؓ نے تو حضرت معاویہؓ کی معزولی کا پروانہ جاری نہیں کیا تھا اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کو ہاشمیوں اور خصوصاً حضرت علیؓ کا اقتدار کسی حالت میں گوارا نہ تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ تمام عالم پر امویوں کی حکومت ہو اور وہ خود اس حکومت کے سربراہ ہوں۔ نہ صرف یہ بلکہ یہ حکومت ان کے بعد ان ہی کے خاندان میں رہے۔ یزید کے لئے بیعت لینے کی ساری تگ و دو اسی سلسلہ کی کڑی تھی۔

حضرت معاویہؓ کے علاوہ دوسرے عاملوں کی معزولی کی وجہ بالکل صاف ہے اور وہ یہ کہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جو ہنگامہ اُٹھا تھا اس کی بہت بڑی وجہ ان عاملوں کا وجود تھا۔ سلطنت کے مختلف حصوں سے جو وفود آئے تھے۔ وہ ان عاملوں کے خلاف شکایات لائے تھے اور ان کا بہت بڑا مطالبہ یہ تھا کہ ان عاملوں کو معزول کر کے نئے عامل مقرر کئے جائیں۔ ظاہر ہے کہ ایک ایسے حاکم کے لئے جس نے نیا نیا چارج لیا ہو یہ ضروری تھا کہ وہ ان

تمام شکایات کا ازالہ کرے جو پہلے حاکم کی جان لینے کا سبب بنیں۔ تاکہ ایسے عوام کا تعاون حاصل ہو اور ملک میں نظم وضبط اور سکون و اطمینان کی فضا پیدا ہو۔ اگر حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ عاملوں کو معزول نہ کرتے تو آج یہی معترضین اعتراض کرتے کہ دیکھو علیؓ سیاسی تدبر اور دور اندیشی سے بالکل تہی تھے۔ انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ حضرت عثمانؓ کے خلاف ہنگامے کا بہت بڑا سبب ان کے عاملوں کے متعلق شکایات تھیں۔ اگر علیؓ میں تدبر ہوتا اور وہ فن سیاست کے ماہر ہوتے۔ تو بیک جنبش قلم ان عاملوں کے نام پروانۂ عزل جاری کردیتے۔

ان عمال کو برطرف کرنے کی تیسری وجہ یہ تھی کہ اس نازک اور افراتفری کے موقع پر حضرت علیؓ کو ایسے عاملوں کی ضرورت تھی۔ جو پوری طرح ان کے وفادار اور معتمد ہوتے۔ جو ہر نازک سے نازک موقع پر ان کا ساتھ دیتے۔ حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ عمال سے اچھی توقعات نہ تھیں۔ اس لئے انہوں نے نظم ونسق کی بہتری اور ملکی مصالح کی بنا پر ان عمال کو برطرف کرکے ایسے عاملوں کا تقرر کیا جن پر انہیں پوری طرح اعتماد تھا اور ظاہر ہے کہ ان کا یہ فعل ایسا ہے جسے کسی طرح غیر دانشمندانہ نہیں کہا جاسکتا۔ بلکہ یہی عین دانشمندی تھی۔

ایک لغزش کا اعتراف

البتہ حضرت علیؓ کی ایک لغزش کا اعتراف کرنا پڑتا ہے اور وہ یہ کہ انہوں نے مصر کے گورنر قیس بن سعدؓ کو معزول کرکے حضرت معاویہؓ کی کامیابی کیلئے خود راستہ ہموار کیا۔ قیس بڑے زیرک اور تجربہ کار انسان تھے۔ انہوں نے

مصر جا کر وہاں کی حالت درست کر لی تھی۔ اور اگر انہیں چند روز اور ان کے عہدے پر برقرار رہنے دیا جاتا تو وہ سارے مصر کو حضرت علیؓ کی حمایت پر کمربستہ کر لیتے اور جب حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ کی جنگ ہوتی تو سارا مصر حضرت علیؓ کی پشت پر ہوتا۔ اس طرح حضرت معاویہؓ کو شکست فاش کا سامنا کرنا پڑتا اور پھر ان کے قدم کسی جگہ نہ رکتے۔ خود حضرت معاویہؓ کو بھی اس معاملے کی نزاکت اور اہمیت کا پوری طرح احساس تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے قیس کو اپنے ساتھ ملانے کی پوری کوشش کی۔ مگر جب انہیں اس میں کامیابی نہ ہوئی تو انہوں نے ایک چال اور چلی اور کون کہہ سکتا ہے کہ وہ اس میں کامیاب نہ ہوئے۔ انہوں نے مشہور کر دیا کہ قیس مجھ سے مل گیا ہے اور خونِ عثمانؓ کا قصاص لینے کے معاملے میں بھی میرا ہم خیال ہے۔ حضرت معاویہؓ نے اس خبر کی اس قدر تشہیر کی کہ شدہ شدہ وہ حضرت علیؓ تک بھی پہنچ گئی۔ ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ جو ہر طرف سے مخالفت کے سیلاب میں گھرے ہوئے تھے اس موقع پر پھونک پھونک کر قدم رکھ رہے تھے۔ جب ان تک یہ خبر پہنچی تو انہیں فکر پیدا ہوئی۔ بدقسمتی سے حضرت علیؓ کے ساتھ کچھ ایسے لوگ بھی تھے۔ جن کی اصابتِ رائے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے پائے کی نہ تھی۔ انہوں نے حضرت علیؓ کو مشورہ دیا کہ قیس کو فوراً معزول کر دیجئے۔ مشورہ دینے والوں میں محمد بن ابوبکرؓ پیش پیش تھے جو خود مصر کے گورنر ہونا چاہتے تھے اور حضرت علیؓ بھی انہیں بہت عزیز رکھتے تھے۔ یہ حضرت علیؓ کے سوتیلے بیٹے بھی تھے لیکن اس تعلق کے باوجود پھر بھی حضرت علیؓ نے دانشمندی سے کام لیا۔ اور بغیر تحقیق کئے قیس کو معزول نہ کیا۔ مگر اتفاق کر اسی دوران میں قیس نے حضرت

علیؓ کو ایک خط لکھا جس میں تحریر کیا کہ "اہلِ خراتبا" نے ابھی تک آپ کی بیعت نہیں
کی ہے۔ مگر ان لوگوں سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ میرے خیال میں اگر انہیں ان کے
حال پر چھوڑ دیا جائے۔ تو بہتر ہے۔ اس خط سے حضرت علیؓ اور ان کے مشیروں
کا یہ خیال پختہ ہو گیا کہ قیس معاویہؓ سے مل گئے ہیں۔ اسی لئے وہ حضرت علیؓ کی بیعت
لینے میں سختی سے کام نہیں لے رہے۔ لیکن حضرت علیؓ نے پھر بھی انہیں معزول
نہ کیا۔ بلکہ صرف ایک خط لکھنے پر اکتفا کی۔ جس میں قیس کو ہدایت کی گئی تھی۔ کہ
"اہل خراتبا" سے ہر قیمت بیعت لے لو۔ مگر قیس مصر کے حالات سے پوری طرح باخبر
تھے۔ انہیں یقین تھا کہ اہل خراتبا کے بیعت نہ کرنے سے صورتِ حال میں کوئی
فرق نہ پیدا ہو گا۔ اس لئے انہوں نے حضرت علیؓ کے خط کے جواب میں اپنی پہلی
رائے پر اصرار کیا۔ اس جواب نے حضرت علیؓ کو قیس کی طرف سے بدظن کر دیا اور
انہوں نے قیس کی معزولی کا پروانہ جاری کر دیا۔ قیس کو معزول کرنے کے بعد محمد بن
ابوبکرؓ کو مصر کا گورنر مقرر کیا گیا۔ محمد بن ابوبکرؓ بالکل ناتجربہ کار اور انتہائی غیر دانش مند
شخص تھے۔ وہ مصر کے حالات کو نہ سنبھال سکے۔ ان کے مقابلے میں حضرت
عمروؓ بن العاص جیسے ذہین و فرلیس اور مدبر انسان تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مصر حضرت
علیؓ کے قبضے سے نکل کر حضرت معاویہؓ کے قبضہ میں چلا گیا۔ مصر میں حضرت علیؓ
کی شکست نے حالات کا پانسہ ہی پلٹ دیا۔ اس سے نہ صرف حضرت علیؓ کی
فوجی طاقت کمزور ہو گئی۔ بلکہ مالی حیثیت سے بھی انہیں سخت نقصان پہنچا۔
کیونکہ مصر اسلامی دنیا کا زرخیز ترین ملک تھا۔

سخت گیری

حضرت علیؓ کی ناکامی کی وجوہ میں ایک وجہ ان کی سخت گیری بھی ہے شاید بادی النظر میں اس وجہ کو اہمیت نہ دی جائے۔ لیکن درحقیقت یہ وجہ بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ جب ہم حضرت علیؓ اور ان کے دَور کے لوگوں کی عادات وخصائل اور طریقِ کار پر نظر ڈالتے ہیں ... تو ہمیں اُن میں بُعدالمشرقین نظر آتا ہے۔ یہ بعدالمشرقین ایک بڑے ٹکراؤ کا باعث بنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں مسلمانوں کی عادات وخصائل اور سیرت وکردار کا پایہ نہایت اونچا تھا۔ رسولُ اللہ کی بےنفسی، استغنا اور دوسروں کے لیے ایثار کی صفات مسلمانوں نے پوری طرح اپنے اندر جذب کر لی تھیں لیکن جب حضورؐ کا وصال ہوگیا تو جوں جوں آپؐ کا زمانہ آنے والی نسلوں سے دور ہوتا گیا اسی قدر یہ صفات مسلمانوں میں کم ہوتی گئیں۔ غیر ممالک میں جاکر اور مفتوحہ قوموں کی عادات وخصائل دیکھ دیکھ کر ان کے اطوار بھی بگڑنے لگے۔ فتوحات کے نتیجہ میں مرکزِ اسلامی میں دولت کے انبار لگ گئے۔ بلکہ سارا عرب خوش حالی اور تنعم کی زندگی بسر کرنے لگا۔ مال ودولت کی کثرت نے استغنا اور بےنفسی کا جوہر چھین لیا اور مسلمان بھی دوسری قوموں کی طرح مال ومنال کی طرف کھنچنے لگے۔ مگر خواہشِ زر کے اس سیلاب میں کچھ ابوذرؓ صفت اور ابوبکرؓ وعمرؓ مزاج لوگ بھی تھے جن کا استغنا اور بےنفسی مال ودولت سے وحشت کرتی تھی۔ حضرت علیؓ بھی ان ہی لوگوں میں سے تھے۔ بلکہ اس گروہ کے سرخیل تھے۔ ان کا مزاج درویشانہ اور ان کی زندگی فقیرانہ تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ ہر شخص ان ہی کی طرح سادہ اور بےنفس ہو کر زندگی گزارے، زر کی طمع اور اقتدار

کی خواہش کو اپنے قریب تک نہ پھٹکنے دے۔ مگر عوام الناس بلکہ بعض خواص کی زندگی کا معیار وہ نہ تھا جو حضرت علیؓ پیش نظر رکھتے تھے۔ وہ حضرت علیؓ کو اپنے طرزِ زندگی کی طرف کھینچنا چاہتے تھے اور حضرت علیؓ انہیں اپنے معیارِ زندگی کی طرف لانا چاہتے۔ اس معاملے میں وہ کسی نرمی کو روا نہیں رکھتے تھے اور اپنے معیار کے خلاف کام کرنے والوں کو سخت سزا دیتے تھے۔ اس کشمکش کا نتیجہ یہ ہوا کہ توازن برقرار نہ رہ سکا۔ لوگ حضرت عثمانؓ کی نرمی اور (اہل شام) حضرت معاویہؓ کی بذل وعطا کے خوگر ہو چکے تھے۔ وہ حضرت علیؓ کی سختیوں کی تاب نہ لا سکے اور ان میں سے بہت سے ان کا ساتھ چھوڑ گئے۔ حضرت علیؓ کے مخالفین میں غرض پسند لوگوں کی بھی خاصی تعداد تھی۔ یہ لوگ حضرت علیؓ کی سخت گیری سے اچھی طرح واقف تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ جس طرح دمشق (حضرت معاویہؓ کا دارالحکومت) میں روپیہ پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے۔ کوفہ (حضرت علیؓ کا دارالخلافہ) میں بیت المال کا دروازہ اسی قدر سختی سے بند رکھا جاتا ہے اور کسی غیر مستحق کو ایک درہم بھی نہیں دیا جاتا۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ سیاسی رشوت کے لئے علیؓ کے مسلک میں قطعاً گنجائش نہیں۔ ان کی سختی کا تو یہ عالم تھا کہ ان کے حقیقی بھائی حضرت عقیلؓ نے وظائف کی تقسیم سے کچھ پہلے روپیہ کا مطالبہ کیا، مگر حضرت علیؓ نے صاف جواب دیدیا اور ان کے اصرار پر یہاں تک فرما دیا کہ جاؤ بازار میں دوکانوں کے تالے توڑ دو۔ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ بیت المال مسلمانوں کا مال ہے۔ جب سب کو وظائف تقسیم ہوں گے تو تمہیں بھی دیئے جائیں گے تمہیں ان سے پہلے تقسیم کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ حضرت عقیلؓ اس بات پر دل برداشتہ ہو کر چلے

گئے اور حضرت معاویہؓ سے مل گئے۔ اسی طرح حضرت علیؓ نے ایک معاملے میں اپنے عزیز اور رفیق کار حضرت ابن عباسؓ سے سخت باز پرس کی۔ وہ اس کی تاب نہ لا سکے اور مستعفی ہو کر گوشہ نشین ہو گئے۔ انہوں نے اپنے گورنروں کو چتاونی خطوط لکھے اور معمولی معمولی باتوں پر سرزنش کر کے جس طرح انہیں ان کے عہدوں سے معزول کیا گذشتہ صفحات میں ان کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس سلسلے کا ایک اور واقعہ قابلِ ذکر ہے۔ جب حضرت علیؓ نے ...... عثمان بن حنیف کو بصرہ کا گورنر بنا کر بھیجا تو ان کے ساتھ دو جاسوس بھی متعین کر دیئے اور چلتے وقت تینوں کو الگ الگ ہدایت دی کہ تم اپنی کارگذاری کی ہفتہ وار ڈائری مجھے بھیجتے رہنا۔ جب ابن حنیف نے بصرہ پہنچ کر وہاں کا چارج لیا تو امرائے بصرہ نے ان کی آمد کی خوشی میں ایک ضیافت کی۔ یہ کوئی قابل گرفت بات نہ تھی۔ اس طرح امرائے بصرہ خلیفۃ المسلمین اور اپنے گورنر سے اظہار وفاداری کرنا چاہتے تھے۔ مگر جب جاسوسوں نے حضرت علیؓ کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو آپ نے ابن حنیف کے نام ایک سخت خط لکھا۔ جس میں تحریر فرمایا کہ:۔

"اے ابن حنیف جب تمہارے سامنے طشتریوں پر طشتریاں گردش کر رہی تھیں۔ تو تمہیں ان لوگوں کا خیال نہ آیا۔ جو کبھی کبھی روز کے فاقے سے تھے اور ایک ایک دانہ کو ترس رہے تھے۔"

(ملخص نہج البلاغہ)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جو شخص اس حد تک سخت ہو۔ جاہ طلب اور زر پرست لوگ اس کا ساتھ کیسے دے سکتے تھے یا وہ اس قماش کے لوگوں کے

ساتھ کیونکر چل سکتا تھا اس کا تو یہ عالم تھا کہ جب بعض لوگوں نے جوشِ عقیدت میں آکر اسے خدا کے درجہ تک پہنچایا۔ تو اس نے انہیں سختی سے منع کیا۔ مگر جب وہ اس پر بھی باز نہ آئے تو انہیں آگ میں جلوا دیا۔ لوگ حضرت علیؓ کی یہ سختی دیکھ کر کانپ اُٹھے اور کمزور طبع لوگ یا وہ لوگ جنہیں اپنی دال گلتی نظر نہ آئی۔ اس فکر میں رہنے لگے کہ جس طرح ہو اس سخت گیر انسان سے گلو خلاصی کروانا چاہیے۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت علیؓ حضرت معاویہؓ کے مقابلے میں اس اعتبار سے ضرور ناکام رہے کہ وہ شام اور مصر ان سے واپس نہ لے سکے۔ ان دو صوبوں کے علاوہ سارا عالمِ اسلام حضرت علیؓ کے زیرِ نگیں تھا لیکن انکی کامیابی میں اس اعتبار سے کوئی شک و شبہ نہیں کہ انہوں نے اپنے عمل سے ایک مثالی اور صحیح اسلامی حکومت کا نمونہ پیش کر دیا۔ ظاہر بات ہے کہ اگر حضرت علیؓ بھی حضرت معاویہؓ کی طرح روپیہ پانی کی طرح بہاتے۔ امرا اور سرداران قبائل کو رشوتیں دیتے۔ لوگوں سے باز پرس نہ کرتے۔ ہر معاملے میں نرمی اور چشم پوشی سے کام لیتے۔ بالفاظ دیگر زمانے کے ساتھ چلتے۔ تو وہ حضرت معاویہؓ پر غالب تو ضرور آجاتے لیکن پھر تاریخ لکھنے والا انہیں حضرت معاویہؓ ہی کی صف میں کھڑا کر دیتا۔ ان کی انفرادیت ختم ہو جاتی۔ ان میں اور عام فاتحین یا سلاطین میں کوئی فرق باقی نہ رہتا۔ حضرت علیؓ کا مقام یہی ہے کہ انہوں نے ہزاروں مشکلات کے باوجود شدید مخالفتوں کے ہوتے ہوئے اور سخت نامساعد حالات میں اپنی روش میں فرق نہ آنے دیا۔ اپنے اصولوں سے دست بردار ہونا گوارا نہ کیا۔ اپنے موقف پر سختی سے ڈٹے رہے اور ایک انچ پیچھے نہ ہٹے۔ ان کے ذہن میں حکومت کا جو اسلامی تصور تھا۔ اسے انہوں نے پیش کیا اور آخر تک اسے تصویر کا جامہ

پہنانے میں مصروف رہے۔ اس راستے میں پیش آنے والی ہر مشکل کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا اور جب دنیا سے رخصت ہوئے تو اس حال میں کہ اسلام کی نشانیاں قائم تھیں راستے متعین تھے۔ حکومت کرنے کے خد وخال واضح تھے۔ معاشرت کے اصول موجود تھے۔ رعایا کے فرائض کا تعین ہو چکا تھا راعی کا منصب اور دائرہ کار بنایا جا چکا تھا گویا حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد اسلام کو جو ضعف پہنچا تھا۔ اور حضرت معاویہؓ نے اپنے طریق کار سے اسلامی نظریات کو جو نقصان پہنچایا تھا۔ حضرت علیؓ نے اپنے عمل سے اس کی تلافی کر دی تھی۔ اس خلا کو پُر کر دیا تھا۔ اگر انہیں تھوڑی سی زندگی اور مل جاتی تو مسلمانوں کو حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ کے زمانے والی سطوت و شوکت اور وہی بے نفسی و درویشی پھر واپس مل جاتی۔

ریڈیو پاکستان (لاہور)

آج کے سلسلۂ تعارف کی دوسری کتاب مقام حسینؓ ہے۔ جسے جناب پیام شاہجہانپوری نے تالیف فرمایا اور اشاعت منزل بل روڈ لاہور نے چھاپا ہے۔ حضرت امام حسینؓ کی بے مثال زندگی پر یوں تو بیسیوں کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن ان میں سے بیشتر واقعۂ کربلا کی تفصیلی داستان بن کر رہ گئی ہیں۔ میری ناقص رائے میں یہ امر بڑی حد تک قدرتی بھی ہے۔ اسلئے کہ جناب امام کا واقعۂ شہادت تاریخ عالم میں اپنی کوئی نظیر نہیں رکھتا اس لئے آپ کا مورخ اسی کی حیرتوں میں گم ہو کر رہ جاتا ہے اور اسے آپ کی سیرت کے ارتقا اور آپ کے معاشرتی اور سیاسی ماحول کے بیان و تجزیہ کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ یہ توفیق موجودہ کتاب کے مولف جناب پیام شاہجہانپوری کے حصے میں آئی اور ہم پورے اطمینان سے کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے اس سے پورا فائدہ اٹھایا۔ پیام صاحب نے ولادت سے لیکر شہادت تک کے وہ بیشتر واقعات سپرد قلم کئے ہیں۔ جن سے امام عالی مقام کی سیرت طیبہ کا کوئی پہلو ہویدا ہوتا تھا اور یہ کام ظاہر ہے کہ بڑی کاوش جستجو اور محنت سے انجام دیا گیا ہے۔ پھر انہوں نے اس دور کے سیاسی حالات پر بھی ایک غائر اور غیر جانبدارانہ نظر ڈالی ہے اور ان حالات و کوائف کے اسباب و علل کا کھوج لگانے کی سعی فرمائی ہے جو شہادت حسینؓ اور تفرقۂ ملت کا باعث ہوئے اور آخر میں غیر مذاہب کے اکابر کے وہ اقوال بھی نقل کر دیئے ہیں جو وقتاً فوقتاً امام مظلوم کی سیرت اور شہادت کی نسبت معرض اظہار میں آتے رہے۔ (۲۹ دسمبر ۱۹۵۶ء۔ مولانا صلاح الدین احمد)

(ماہنامہ) ترجمان القرآن (لاہور)

تاریخ اسلام کی ممتاز شخصیت سیدنا امام حسینؓ کی سیرت و سوانح اور واقعہ کربلا کے متعلق یہ کتاب (مقام حسین) بہت اچھا معلوماتی مواد پیش کرتی ہے جسے مناسب طریق سے مرتب کیا گیا ہے اور ادبی زبان میں بیان کیا ہے۔ چند سطری تعارف جناب غلام رسول مہرؔ نے لکھا ہے۔ جن سے مولف نے ذہنی مدد بھی حاصل کی ہے۔ آخر میں مفرت

امام حسینؓ کے متعلق غیر مسلموں کے آراء و تاثرات درج ہیں۔ (نومبر ۱۹۵۶ء)

روزنامہ نوائے وقت لاہور۔

پیام شاہجہانپوری نے اپنی تصنیف "مقام حسینؓ" میں جناب سید الشہداء کی سیرت پر ایک نئے زاویے سے روشنی ڈالی ہے اور ان تمام اعتراضات اور شبہات کا ازالہ کیا ہے جو بعض لوگوں کے اذہان وقلوب میں آپ کے بارے میں پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ:۔

(۱) حضرت حسینؓ نے ایک اسلامی سلطنت کے سربراہ یزید کے خلاف بغاوت کی۔ جسے تمام عالم اسلام خلیفہ تسلیم کر چکا تھا اس طرح انہوں نے اسلامی اتحاد اور مرکزیت کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش کی۔

(۲) حضرت حسینؓ نے اپنے عقیدتمندوں اور مخلص بہی خواہوں کے مشوروں کو ٹھکرا کر اپنی ہلاکت کے سامان خود پیدا کئے انہیں مدینہ یا مکہ میں رہنا چاہیے تھا اور اگر جانا ہی تھا تو یمن چلے جاتے جو محفوظ مقام تھا

(۳) دراصل حضرت حسینؓ خود اقتدار کے خواہاں تھے اور بہانہ ڈھونڈھ رہے تھے کہ کسی طرح لوگوں سے اپنی بیعت لیں کوفیوں کے خطوط اور قاصدوں نے انہیں موقع دیدیا اور وہ فوراً میدان میں آگئے۔

(۴) حضرت حسینؓ خود یزید سے لڑنا چاہتے تھے ورنہ کوفہ جانے کا مقصد اور کیا تھا۔

جناب پیام نے نہ صرف ان اعتراضات کا مدلل جواب دیا ہے بلکہ مختصراً واقعہ شہادت سوانح وسیرت و کردار حضرت حسینؓ پر بھی روشنی ڈالی ہے اور آخر میں "حضرت حسینؓ غیر مسلموں کی نظر میں" کے زیر عنوان غیر مسلم حضرات کا خراج عقیدت پیش کیا ہے ابتداء میں مولانا غلام رسول مہر کا تعارف شامل ہے۔ پیام صاحب نے سلیس بامحاورہ اور دلکش انداز میں یہ کتاب لکھی ہے بقول مہر صاحب "اس کے تمام نتائج یا اس کے اسلوب ادا سے سو فیصد اتفاق ضروری نہیں تاہم امید ہے کہ یہ کتاب امام حسینؓ کی سیرت مقدسہ کے ذخیرے میں قابل قدر اضافہ سمجھی جائیگی" (۱۳۔ اگست ۱۹۵۶ء)

روزنامہ امروز (لاہور)

جناب پیام شاہجہانپوری نے خاصی محنت کے بعد حضرت امام حسینؓ کے سوانح، سیرت، کردار اور

تعلیمات وارشادات پر یہ کتاب مرتب کی ہے۔ بدقسمتی سے اس ضمن میں تفصیلات بیان کرنے سے مسلمانوں کے بعض حلقوں کو کوئی نہ کوئی شکایت ضرور پیدا ہو جاتی ہے لیکن پیام صاحب نے پوری کوشش کی ہے کہ اول تو وہ اختلافی امور کا ذکر ہی نہ کریں اور اگر یہ ذکر ناگزیر ہو جائے تو کسی بھی فرقہ کی دل آزاری نہ ہو۔ مصنف کا یہ بیان درست ہے کہ اردو کے مورخین نے امام الشہداء کے سوانح پر زیادہ توجہ صرف نہیں کی۔ بلکہ وہ سفر کربلا اور شہادت کے حالات ہی کی تفصیل بیان کرتے رہے ہیں۔ پیام صاحب نے اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے اور وہ اس کوشش میں کامیاب رہے ہیں۔ کتاب کے آخر میں "حسینؓ غیروں کی نظروں میں" کا حصہ بے حد مفید اور معلومات افزا ہے (۲۶ اگست ۱۹۵۶ء)

روزنامہ تعمیر (راولپنڈی)

ہفت روزہ "حمایت اسلام" لاہور کے ایڈیٹر جناب پیام شاہجہانپوری نے حضرت امام حسینؓ کے سوانح حیات ایک نئے انداز میں لکھے ہیں اور حضرت حسینؓ کی سیرت و کردار تعلیمات وارشادات اور واقعہ شہادت پر بڑے علمی رنگ میں روشنی ڈالی ہے اس کے علاوہ حضرت امام پر عائد ہونے والے اعتراضات پر بھی فاضلانہ بحث کی ہے۔ خود مصنف کے بیان کے مطابق انہوں نے کتاب میں درج کرنے سے پہلے ہر واقعہ کی پوری طرح تحقیق کی ہے اور کسی سنی سنائی بات پر اعتماد نہیں کیا۔ اس کے علاوہ مصنف نے کسی ایسے مسئلے کو موضوع بحث نہیں بنایا جو مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں باعث نزاع ہو۔ کتاب کے آخر میں تین حصوں میں ایک باب "حسینؓ غیر مسلموں کی نظر میں" ہے اس باب میں امام حسینؓ کے متعلق غیر مسلم مشاہیر کی آرا جمع کی گئی ہیں جس کے سبب کتاب کی افادیت میں بہت اضافہ ہو گیا ہے (۱۸ اگست ۱۹۵۶ء)

ہفت روزہ ایشیا (لاہور)

جناب پیام شاہجہانپوری نے یہ کتاب حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر اس غرض سے لکھی ہے کہ حضرت امام پر جو اعتراضات بعض حلقوں کی طرف سے کئے جاتے ہیں ان کی حقیقت واضح

کی جائے اس کے ساتھ ہی مصنف نے حضرت حسینؓ کے سوانح حیات بھی اختصار کے ساتھ قلمبند کئے ہیں کتاب چند ابواب پر مشتمل ہے۔ اول سوانح حیات، دوم سیرت و کردار، سوم تعلیمات و ارشادات چوتھے خطبات جو عین میدانِ شہادت میں ارشاد فرمائے گئے۔ پانچویں واقعاتِ شہادت۔ آخری باب "مقام حسین" کے عنوان کے تحت ہے اس میں ان اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔ جو حضرت حسین کے اقدام کے سلسلے میں پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً جب یزید خلیفہ بن چکا تھا تو حضرت امام نے اس کے خلاف علم کیوں بلند کیا۔ کیا یزید فاسق و فاجر تھا۔ حضرت حسینؓ کربلا کے میدان میں کیوں گئے اور کسی اور طرف کیوں نہ گئے کیا ان کے پیشِ نظر اقتدار کا حصول تھا اور کیا وہ جنگ کرنے گئے تھے۔ یا ان کی غرض سفر کوفہ سے کچھ اور تھی۔ اس کے بعد ایک حصہ کتاب کا ان اقوال پر مبنی ہے۔ جو غیروں — ہندوؤں سکھوں اور عیسائیوں نے حضرت امام حسینؓ کے متعلق کہے مصنف کے تمام نظریات سے اتفاق مشکل ہے اور اس کا تذکرہ پیشِ لفظ میں مولانا غلام رسول مہر نے بھی کر دیا ہے۔ لیکن بہ حیثیت مجموعی کتاب مفید اور قابلِ مطالعہ ہے۔ (۲۵۔ اگست ۱۹۵۶ء)

ہفت روزہ چٹان لاہور

امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تاریخ ساز شخصیت پر عربی، فارسی، اردو وغیرہ میں کئی تصنیفات پہلے سے موجود ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان میں سے بعض ایسی بھی ہیں جو ارباب علم سے خراجِ تحسین وصول کر چکی ہیں۔ امام حسینؓ کے سرنامے پر جب ہماری اچٹتی ہوئی نظر پڑی تو معاً یہ خیال آیا کہ پیام شاہجہانپوری کی یہ کوشش شاید مشکور نہ ہو لیکن جب ہم نے اس کے جستہ جستہ مقامات کا مطالعہ کیا تو ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑا کہ "مقام حسین" کا بھی ایک مقام ہے پیام صاحب نے صرف واقعاتِ شہادت کی نقل و حکایت ہی پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ ان اعتراضات کی قوی دلائل کے ساتھ تردید بھی کی ہے جو بعض خارجی اور خارجیت نواز اربابِ قلم نے امام عالی مقام کی شخصیت

پروارد کئے ہیں۔ ۲۴۸ صفحات میں پیام صاحب نے کافی سے زیادہ مواد جمع کر دیا ہے کتاب کے آخر میں ایک باب "حسینؑ غیروں کی نظر میں" کے عنوان سے بھی شامل ہے سیاسی نقطۂ نظر سے اس کی اہمیت میں کلام نہیں ہو سکتا۔ (۲۷ اگست ۱۹۵۷ء)

ماہنامہ ساقی (کراچی)

پیام شاہجہانپوری نے اس کتاب میں حضرت امام حسینؑ کی سیرت، سوانح، تعلیمات اور واقعاتِ کربلا مستند تاریخی کتب سے اخذ کر کے پیش کئے ہیں جہاں عقیدت کا سمندر موجزن ہوتا ہے وہاں افراط و تفریط کا آجانا ایک فطری امر ہے۔ مگر اس کتاب کی منفرد خوبی یہ ہے کہ یہ ایک نہایت معتدل مطالعہ اور غیر جانبدارانہ تحقیق کا نچوڑ ہے سیاسی اور مذہبی معتقدات کے اختلافات سے بلند ہو کر تاریخی شواہد کی روشنی میں واقعات پیش کرنا مورخ کے لئے ایک سخت مرحلہ ہوتا ہے۔ جناب پیام نے سلیقہ مندی سے اس مرحلے کو طے کیا ہے ان کا اندازِ بیان مولویانہ نہیں ہے۔ بلکہ سنجیدہ اور سلجھا ہوا ہے جو دورِ حاضر کے پڑھے دماغوں کے لئے زیادہ موزوں ہے۔ (ستمبر ۱۹۵۷ء)

(ہفت روزہ) قندیل (لاہور)

شہید اعظم حضرت امام حسینؑ کے حالات زندگی دنیا کی کئی ہمہ گیر زبانوں میں لکھے جا چکے ہیں۔ جن میں کثرت ایسی کتب کی ہے۔ جہاں مصنفین نے اپنے اپنے فکر کی حمایت میں جانبدارانہ رویہ اختیار کیا ہے۔ ایک طبقہ نے اگر ایک تصنیف کو سراہا ہے تو دوسرے نے بیزاری کا اظہار کیا ہے اس لحاظ سے شاید ہی کوئی کتاب ایسی ہو۔ جو امام اعظم کے فلسفۂ شہادت اور ان کی زندگی کے غیر متزلزل اصولوں کی ترجمانی کرتی ہو اس امر کی اشد ضرورت تھی کہ آپ کی زندگی اور آپ کے نصب العین پر کوئی

ایسی کتاب پیش کی جاتی۔ جو باہمی منافرت اور مذہبی انتشار کا قلع قمع کر کے ملت کے ذہن کو اس حقیقت کی طرف موڑ دیتی جو اس عظیم انسان کا مسلک حیات تھا۔

پیام شاہجہانپوری نے اس نازک اور نزاعی موضوع پر بڑی احتیاط سے قلم اٹھایا ہے اور تاریخ اسلام کے ان مخفی گوشوں کو اجاگر کیا ہے۔ جو درحقیقت ہماری توجہ کے مستحق تھے اس کتاب کے مطالعہ سے فاضل مصنف کی تاریخی بصیرت جن امور پر روشنی ڈالتی ہے۔ ان سے آگاہ ہونا ہر مسلمان بلکہ ہر انسان کا فرض ہے۔

کتاب کا وہ حصہ خاص طور سے فکر انگیز ہے جہاں حضرت امام حسینؓ پر کئے گئے اعتراضات کا جواب تاریخ کی روشنی میں دیا گیا ہے۔ (۷ اکتوبر ۱۹۵۶ء)

ماہنامہ فاران (کراچی)

حضرت سیدنا حسین علیہ السلام نے جبر و استبداد کے خلاف کلمۂ حق بلند فرما کر جس ایثار اور قربانی کا ثبوت دیا ہے، وہ گوناگوں خصوصیتوں کی وجہ سے اپنی مثال آپ ہے۔ جس کے دل میں ایمان ہوگا، اس کو حسینؓ سے اور اہل بیت سے لگاؤ ضرور ہوگا۔ رفض کی طرح خارجیت بھی دین و ایمان کا فتنہ ہے۔ جناب پیام شاہجہانپوری نے حضرت حسین علیہ السلام کی سیرت اور واقعات کربلا کو موثر انداز میں پیش فرمایا ہے۔ کتاب کے عنوانات:۔

سیرت و کردار ۔ تعلیمات و ارشادات ۔ تلواروں کے سایوں میں ۔ خطبات حسینؓ پر ایک نظر۔ شہادت۔ مقام حسین ۔ حسین غیروں کی نظروں میں۔

بعض کم سواد اور کم نظر لوگ حضرت حسینؓ کے اس جہاد کو "جنگ اقتدار" سے تعبیر کرتے ہیں۔ کتاب میں اس لغو اعتراض کی فاضل مصنف نے دھجیاں بکھیر کر رکھ دی ہیں۔ کتاب اپنے موضوع پر خوب ہے حُبِ اہل بیت اطہار کی خوشبو ہر ورق سے آتی ہے۔ (اکتوبر ۱۹۵۶ء)

ماہنامہ تعمیر انسانیت (لاہور)

جناب پیام شاہجہانپوری ہمارے ملک کے معروف صحافی ادیب اور شاعر ہیں۔ زبان کی سادگی اور صفائی ان کی تحریروں کا طرۂ امتیاز ہے۔ وہ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں۔ حتی الوسع اُسے تشنہ نہیں چھوڑتے۔ ادق سے ادق اور ٹھوس سے ٹھوس مضمون کو وہ اس خوبی سے نبھاتے ہیں کہ قاری کہیں اکتاہٹ محسوس نہیں کرنے پاتا۔ زیر تبصرہ کتاب "مقام حسینؓ" پیام صاحب کی تازہ ترین تصنیف ہے۔ جسے اشاعت منزل لاہور نے بڑی حسن و خوبی سے اشاعت پذیر کیا ہے۔ حضرت حسینؓ کے واقعہ شہادت پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن اُردو میں ابھی تک ایسی تحریریں بہت کم تھیں جن میں علمی اور فقہی طرز کی بحثوں سے ہٹ کر امام عالیمقام کی سیرت اور قابل تقلید شخصیت کے تمام پہلو سامنے لائے جاتے۔ پیام صاحب کی اس کتاب نے اس ضرورت کو کافی حد تک پورا کیا ہے۔ سیرت و کردار، تعلیمات و ارشادات، خطبات، شہادت، مقام حسینؓ اور حسینؓ غیروں کی نظر میں جیسے جامع عنوانات کے تحت نہایت سادہ اور میٹھی زبان میں بڑی کام کی باتیں جمع کر دی گئی ہیں کہیں کہیں استدلال اور واقعات دونوں سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ لیکن کون سا مصنف اور کون سی کتاب اس سے مستثنیٰ ہے۔ (اکتوبر ۱۹۵۶ء)

ماہنامہ ادب لطیف (لاہور)

یہ کتاب اس موضوع سے متعلق باقی اکثر کتابوں سے مختلف ہے اس میں امام حسینؓ کے سوانح حیات صرف عقیدتمندانہ جذبات کے ساتھ پیش نہیں کیے گئے بلکہ اس کے صفحات پر ٹھوس حقائق اور دلائل کے ساتھ امام جلیل کی عظمت واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے تین ابواب میں سوانح ہیں، سیرت و کردار کے خدوخال ہیں اور تعلیمات ہیں ان کے بعد خطبات کے اقتباسات شامل ہیں۔ پھر شہادت کا واقعہ عظیمہ ہے اور آخر میں چند اعتراضات کے جوابات ہیں۔ مصنف کا انداز تحریر حسب معمول بہت اچھا ہے۔ (ستمبر ۱۹۵۶ء)
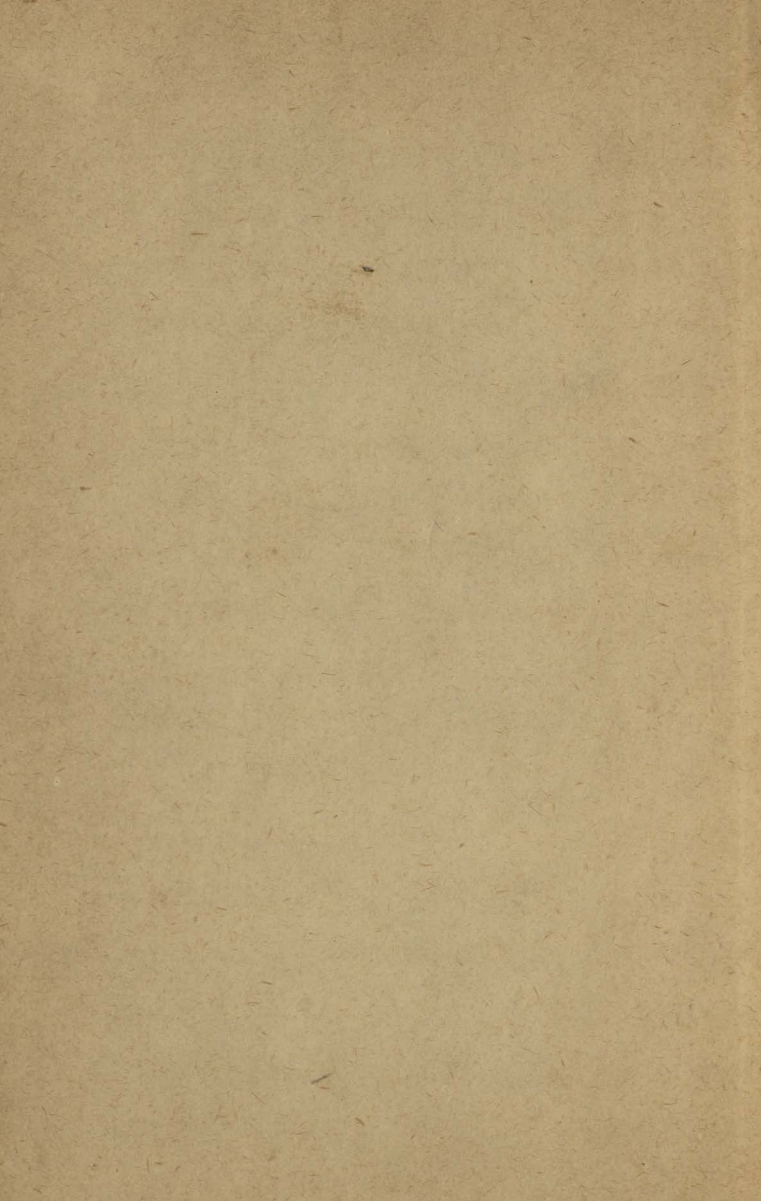
حسین منارۂ ہدایت تھے ☆ حسین علمبردارِ حریت تھے ☆ حسین پیکرِ شجاعت تھے ☆ حسین معلمِ انسانیت تھے
لیکن
☆ آج تک حضرت امام حسینؑ کو صرف شہیدِ ظلم ہی سمجھا گیا۔ اور ان کے مصائب کی داستانیں بیان کرنے ہی پر اکتفا کی گئی۔
☆ کسی نے یہ نہ سمجھا کہ حضرت حسینؑ صرف شہیدِ ظلم ہی نہ تھے وہ معمارِ انسانیت بھی تھے۔ وہ معلمِ اخلاق بھی تھے۔
☆ کسی نے توجہ نہ کی کہ حسینؑ اسلام کا دستورِ حیات بھی تھے۔ وہ پیکرِ شجاعت و استقلال بھی تھے۔
☆ کسی نے کوشش نہ کی کہ حسینؑ کے واقعاتِ شہادت کے ساتھ ساتھ تاریخ کے آئینہ میں ان کی سیرت اور سوانح کے خدوخال بھی دکھائے۔
مقامِ حسین علیہ السلام
ضخامت:۔ ۴۲۲ صفحات
مصنفہ:۔ پیام شاہجہانپوری
قیمت:۔ ڈھائی روپے
ایک ایسی معرکۃ الآرا تصنیف ہے جس میں حضرت امام حسینؑ کو جدید تاریخی نقطۂ نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔
فرقہ وارانہ جذبات و خیالات سے بالاتر ہو کر حسینؑ اور ان کے پیغام کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔
مستند تاریخی کتابوں کے حوالوں سے حضرت حسینؑ کے سوانح، سیرت، تعلیمات اور واقعاتِ شہادت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔
ایک قدم اور آگے بڑھا کر حضرت حسینؑ پر عائد ہونے والے اعتراضات کے ٹھوس اور مدلل جوابات بھی دیئے گئے ہیں۔
اردو زبان کی کسی کتاب میں حضرت حسینؑ کی زندگی اور شہادت کے متعلق اتنی کثرت سے مستند اور تاریخی واقعات پیش نہیں کئے گئے۔
یہی وجہ ہے کہ "مقامِ حسینؑ" کا مطالعہ کرنے کے بعد ہندو پاک کے مایۂ ناز مورخ حضرت مولانا غلام رسول مہر نے تحریر فرمایا کہ
"یہ کتاب سیرتِ امام حسینؑ کے مقدس ذخیرہ میں قابلِ قدر اضافہ سمجھی جائے گی"
مقامِ حسین علیہ السلام
ملک کے مشہور شاعر، ادیب اور اخبار نویس پیام شاہجہان پوری کے سالہا سال کے تاریخی مطالعہ کا نچوڑ ہے۔
آپ اسے پڑھ کر محسوس کریں گے کہ اس کی موجودگی ہر مسلمان گھرانے میں ضروری ہے اور اسے ہر ہاتھ میں ہونا چاہیے
یہ ناول کی طرح دلچسپ اور شگفتہ تاریخ ہے۔
ناشر
ملک دین محمد اینڈ سنز اشاعت منزل بل روڈ